پہلی صدی ہجری سے چودھویں صدی تک مجددین اسلام
کے تجدیدی کارناموں پر مشتمل تحقیقی، علمی، معلوماتی ذخیرہ

مُجدّدِینِ اِسلام

اور

تجدیدی کام

از

محمد عبدالقادر رضوی اشفاقی ناگوری
رکن سنی تبلیغی جماعت، باسنی، ناگور شریف، راجستھان

ناشر
سُنّی ایجوکیشنل ٹرسٹ (سُنّی تبلیغی جماعت)
صدر بازار، باسنی، ناگور شریف، راجستھان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلی صدی ہجری سے چودھویں صدی ہجری تک کے

مجددین اسلام کے تجدیدی کارناموں پر مشتمل تحقیقی، علمی، معلوماتی ذخیرہ

مجددین اسلام اور تجدیدی کام

از

محمد عبدالقادر رضوی اشفاقی ناگوری

رکن سُنّی تبلیغی جماعت، خادم الافتاء نوری دارالافتاء جامع مسجد صدر بازار، وناظم تعلیمات
مدرسہ اہلِ سنت حنفیہ نظام العلوم درگاہ عالیہ حضرت خواجہ نظام الدین بابا ڈھوڈو، باسنی، ناگور شریف

ناشر

سُنّی ایجوکیشنل ٹرسٹ (سُنّی تبلیغی جماعت)

صدر بازار، باسنی، ناگور شریف راجستھان

سلسلۂ اشاعت نمبر: ۸۲

نام کتاب : مجددین اسلام اور تجدیدی کام

تصدیق وتائید : جانشین مفتی اعظم راجستھان، حضرت علامہ مفتی شیر محمد خان صاحب قبلہ رضوی مدظلہ العالی

نظر ثانی : مفتیٔ اعظم باسنی حضرت علامہ مفتی ولی محمد رضوی مدظلہ العالی

مصنف : محمد عبد القادر رضوی اشفاقی ناگوری

پروف ریڈنگ : مولانا اسلم رضا قادری اشفاقی، مولانا خالد رضا اشفاقی

کمپوزنگ : مولانا فجر الدین رضوی فیضانی ناگور شریف

Mo.9509577507/7852865248

سن اشاعت : ۱۴۴۳ھ ۲۰۲۲ء

تعداد اشاعت : ۵۰۰ صفحات : ۲۴۸

ناشر : سُنّی ایجوکیشنل ٹرسٹ (سنی تبلیغی جماعت)

صدر بازار، باسنی، ناگور شریف راجستھان پن نمبر:341021

تقسیم کار : کتب خانہ امجدیہ مٹیا محل دہلی

ملنے کے پتے : دفتر سنی تبلیغی جماعت باسنی، ناگور شریف راجستھان

Mo.9024254532

برائے ایصال ثواب:

الحاج محمد سردار بن حاجی محمد عثمان چھاؤنی والے، حجن جمیلہ بانو زوجہ الحاج محمد سردار چھاؤنی والے، حاجی غلام حسین کلا والے، حاجی محمد حنیف بن عبد الحکیم گہلوت، حاجی اصغر علی بن محمد انور چوہان

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شرفِ انتساب

میں اپنی اس حقیر قلمی کاوش کو ان نفوس قدسی صفات حضرات کی خدمات میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں جن کو ”تجدیدی کارناموں“ کی بنیاد پر ”مجددین اسلام“ کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے۔

اور اپنی مشفقہ والدہ محترمہ حجن بانو صاحبہ مرحومہ کی خدمت میں جن کو کہ اللہ تعالیٰ نے صبر وشکر کے صلے میں (بموقع حج ۲۰۱۹ء ھ) اپنے مقدس حرم محترم مکۃ المکرمہ ”شہداء الحرم“ میں آخری آرامگاہ عطا فرمائی۔لك الحمد یا اللہ عزوجل۔

حرم کی زمین اور قدم رکھ کر چلنا
ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

(اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی)

محمد عبدالقادر رضوی اشفاقی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

بفضلہٖ تعالیٰ وبکرم نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کتاب ''مجدد ین اسلام اور تجدیدی کام'' قارئین کرام کے پیش نظر ہے۔

یہ میری دلی خواہش تھی کہ پہلی صدی ہجری سے چودھویں صدی ہجری تک کے تمام مجدد ین اسلام کے تجدیدی کارناموں وخدمات کو اجاگر کیا جائے اور فرداً فرداً ان حضرات کی خدمات وتجدیدی کام کا تذکرہ ہو مجدد ین اسلام کی جماعت میں ائمہ دین، محدثین، فقہا، مفسرین، محققین، مصنفین، مجتہدین، سلاطین، صوفیاء کاملین، اولیاء عارفین، مصلحین، جیسی مقدس ہستیاں شامل ہیں ان حضرات نے اپنے اپنے زمانے میں حدوث وفتن کا مقابلہ کیا، دین اسلام کی تجدید فرمائی، سنتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا احیاء فرمایا اور بدعات وخرافات کا قلع قمع فرمایا ہم ان سب کی خدمات کو سلام پیش کرتے ہیں۔

جب ہم اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہر صدی میں الحادو بے دینی فتنے وبدعات وخرافات وتفرقہ بازی نے جنم لیا، چونکہ سو سال میں احوال مختلف ہوجاتے ہیں، نئی نسل وجود میں آجاتی ہے ضروریات وحاجات، امکانات وحوادثات میں اضافہ ہوجاتا ہے، ایام کی نیرنگی، زمانے کی تبدیلی انسانوں کی فکری آوارگی، عام ہوجاتی ہے، دین بیزاری کے ساتھ اسلامی اقدار پر عمل کرنے کا جذبہ سرد ہوجاتا ہے۔ تو ایسے وقت میں اس صدی کا مجدد اسلام، دین اسلام کی تجدید، تازگی، حقّانیت، شفافیت ظاہر کرکے حقیقی تصورات دین پیش کرتا ہے اور جن باطل نظریات وعقائد کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ان کا ابطال کرتا ہے

اور جن کا تعلق دین کی اقدار و آثار سے ہو ان کو قرآن و حدیث کی روشنی میں ثابت کرتا ہے اور خرافات و بدعات کو دور کر کے سواد اعظم اہل سنت و جماعت و شریعت محمدی کے عقائد صحیحہ و اعمال حسنہ کو اجاگر کرتا ہے، یعنی دین اسلام کی تجدید کرتا ہے۔

حدیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے:

"عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ فِیْمَا اَعْلَمُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِائَۃِ سِنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا" یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے علم کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس امت کے لیے ہر سو سال کے بعد کوئی ایسا شخص بھیجتا رہے گا جو ان کے لیے دین اسلام کی تجدید کرے گا" اھ (سنن ابی داؤد، جلد: دوم، رقم: ۴۲۹۱)

کتاب ہذا میں جن حضرات مجدد دین اسلام کے تجدیدی کارنامے ذکر کرنے کی کوشش کی گئی ہے یا جن کا نام مجدد دین اسلام کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے ان کے علاوہ بھی مجدد دین اسلام ہو سکتے ہیں جن تک ہماری معلومات کی رسائی نہ ہو سکی۔ اس لیے یہ آخری فہرست نہیں ہے۔ چونکہ ہماری معلومات ناقص ہے۔ اللہ رب العزت تمام اہلِ علم و تحقیق۔ مجدد دین اسلام کو جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔ البتہ جتنے مجدد دین اسلام ہوئے سب حضرات سواد اعظم مسلک حقہ اہلِ سنت و جماعت کے نمائندہ و پیشوا تھے۔ ان تمام کی پیروی و اتباع ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔ جس کی اتباع کا حکم حدیث شریف میں فرمایا گیا "اتبعوا سوادلاعظم" اھ (مشکوٰۃ شریف)

اللہ تعالیٰ ہمارے ان اکابرین ملت، مجدد دین اسلام کے فیضان برکات سے ہم سب کو مالا مال فرمائے آمین۔

محمد عبد القادر رضوی اشفاقی

یکم رجب المرجب ۱۴۴۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ جلیل

جانشین مفتی اعظم استاذ العلما والفقہا فقیہ اعظم راجستھان **حضرت علامہ مفتی شیر محمد خان صاحب قبلہ رضوی** شیخ الجامعہ: الجامعۃ الاسحاقیہ جودھپور راجستھان

عزیز القدر مولانا مفتی عبد القادر رضوی اشفاقی نائب مفتی باسنی ایک باصلاحیت، ذی استعداد، علمی جستجو کنندہ، عالم باعمل ہیں۔ قادر مطلق نے روز اول سے ہی موصوف کو پیکرِ فکر و شعور، اور ذہانت و ذکاوت کی دولتِ بے بہا سے بہرہ ور فرمایا ہے۔ علمی جستجو، تحقیق و تدقیق کے بحر ناپیدا کنار میں غوطہ زنی کرنا ان کی سرشت رہی ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

قدیم و جدید مسائل پر غور و فکر کرنا، دقیق و عمیق، دُرہائے نایاب کی جستجو میں سمند فکر و شعور کو مہمیز دے کر انمول علمی موتیوں کو اُجاگر کرنا ان کی فطرت ثانیہ رہی ہے۔ اسی جذبِ صادقہ کی بدولت کئی ایک اہم عنوانات پر بڑے ہی قیمتی و تحقیقی مقالات اور مضامین، ملک کے موقر مجلّات میں شائع کرا چکے ہیں۔ جن کو بحمدہٖ تعالیٰ علماء کرام کے طبقہ نے بڑی وقعت کی نظر سے دیکھا، اور حبذا کی مہر محبت سے نوازا۔ بقولِ کسے "**کُلُّ اِنَاءٍ یَتَرَشَّحُ بِمَا فِیہِ**" اسی علمی جستجو کے جذبۂ والہانہ کے تحت ہمیشہ ہی کچھ نہ کچھ علمی جواہر پارے ضبط تحریر لاتے رہتے ہیں۔ نیز اسی جذبہ جنون خیز کا ہی ثمرہ ہے کہ موصوف نے "**مجدد دین اسلام اور تجدیدی کام**" کے عنوان سے یہ ایک مختصر مگر جامع و اہم رسالہ مرتب فرمایا ہے۔ عنوان خود ایک دعوتِ فکر دیتا ہے بفرمان نبوی علیہ التحیۃ والتسلیم "**علیٰ رأس کل مأۃ سنۃ**" کے تحت بمشیت ربانی ہر

صدی میں ایک نہ ایک مجدد کا وجود مسعود ظہور پذیر ہوتا رہے گا۔ گو، فرزندگانِ اسلام روئے زمین پر ہر سو پھیلے ہوئے ہیں۔ شرق تا غرب، شمال تا جنوب اہل ایمان کا قافلہ موجود ملے گا۔ حتیٰ کہ دنیائے فانی کا کوئی بھی گوشۂ زمین فرزندگانِ توحید سے خالی نہیں ہے۔

نیز ہر خطۂ ارض پر اسلامی خدمات اور تحفظ کتاب وسنت کے لیے بامر ربی عبقری شخصیات کے وجود مسعود کا پایا جانا بھی لازمی امر ہے۔ "اِنّا نحنُ نزّلنا الذکر واِنّا لہٗ لحافظون" کے وعدۂ ربی کے مطابق اپنے پسندیدہ دین کی حفاظت وصیانت، نشر واشاعت کے لیے مخصوص شمائل ومحاسن کے حامل افراد کو ہر دور میں جلوہ بار فرماتا رہا ہے، جو علم وتقویٰ، فکروشعور، عقل ودانش، حکمت ودانائی کے پیکر جمیل بن کر ظہور پذیر ہوتے رہے ہے۔ اور دین حق پر معاندین کی یلغاروں کا منہ توڑ جواب دیکر دین متین کو تمام تر آلائشوں، بدعتوں، اور ضلالتوں کی پرچھائیوں سے صاف وشفاف کر کے تجدید کا مشکبار جامہ پہنا کر ملت مرحومہ کے سامنے پیش کر کے "مجددین" کا طغرۂ تاباں حاصل کرتے رہے ہیں۔ گو، ان نفوسِ قدسیہ کو اس معرکۂ حق وباطل میں حبسِ ودوام، اور قید وبند کی سلاسل کا بوجھ بھی اٹھانا پڑا، مگر ان جانبازانِ اسلام نے شریعت طاہرہ کے چہرۂ زیبا پر ہلکی سی بھی بدعت وضلالت کی گرد برداشت نہیں کی۔ ذالك فضل الله یوتیه من یشاء۔

ایسے نفوس قدسیہ، اور وارثانِ انبیاء۔ "اِنّ العلماء ورثة الانبیاء" کی جامع تفسیر بن کر اور "اِنّ الله عزوجل یبعث لهذه الامة علیٰ رأس کل مائة سنة من یجدد لها دینها" الخ کی تعبیر بین بن کر دین حق میں فرقہ ہائے باطلہ کی جانب سے سرایت ہونے والی بدعات وخرافات کا قلع وقمع کر کے دین حق کا چہرۂ زیبا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تابندہ کرتے رہے ہے۔ نیز گمراہ فرقوں کی تمام تر ریشہ دوانیاں، خرافات اور بدعات کی قرآن وسنت کے براہینِ قاطعہ سے بیخ کنی کر کے تعلیماتِ قرآنیہ وارشاداتِ نبویہ کو وہ عروج بخشا جو تا ابد یاد رکھا جائے گا۔ مردے باید کہ کار کند۔

اجمالاً چند ایک نفوسِ قدسیہ کی کاوشوں اور قربانیوں کو ملاحظہ فرمائیں: حضرت عمر بن

عبد العزیز علیہ الرحمہ نے خارجیت کے طوفان کا رخ موڑا اور امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ نے اعتزال کی گمراہیوں اور خلقِ قرآن کے عقیدۂ ایمان سوز کو ہمیشہ کے لیے زیر زمین کر دیا۔ دوسری جانب محدثِ بے مثال حضرت امام محمد نسائی علیہ الرحمہ نے فرقہ جھمیہ کی گمراہیوں کا سد باب کیا۔ اور حضرت امام بیہقی علیہ الرحمہ نے فرقۂ رافضیہ کی آندھیوں کا رخ موڑا۔ اور حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ نے فرقۂ قدریہ کی ضلالتوں کا سد باب کیا۔ اور یونانی فلسفیوں کی حماقتوں کا بھی گریبان چاک کیا۔ اور امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ نے بھی اسی نہج پر چل کر فلسفۂ یونان کی آندھیوں کا رخ موڑا۔ اور امام تقی الدین علیہ الرحمہ نے ہند میں جلوہ بار ہو کر کفر وشرک کی یلغار سے اہل ایمان کو بچایا۔ امام علامہ ابن حجر علیہ الرحمہ نے بہائی فرقہ (شاخ رافضیہ) کی حماقتوں کا پردہ فاش کر کے اہلِ ایمان کے ایمان کی حفاظت فرمائی، امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کئی ایک آندھیوں کا رخ موڑ کر تا صبحِ قیامت عشقِ نبوی کی وہ راہ متعین فرمائی جس کا راہی تا ابد حق پر گامزن رہے گا۔

ان کے بعد علامہ ملا علی قاری علیہ الرحمہ، امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ، شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر علیہ الرحمہ اور امام ہند محدث عبد العزیز دہلوی علیہ الرحمہ اور امام اہل سنت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے ملت کی کشتی کو تمام تر عقائد کی گمراہیوں اور بربادیوں سے نکال کر راہِ مستقیم پر کھڑا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ان نفوس قدسیہ کی فقید المثال دینی خدمات اور قربانیوں کو شرفِ قبولیت سے نوازے۔ اور ان کی متعین کردہ راہ حق پر ملت اسلامیہ کو چلنے کی توفیق بخشے۔ عزیزی مولانا مفتی عبد القادر رضوی اشفاقی صاحب نے ان پاک بازانِ راہ حق کی فقید المثال تجدیدی کارناموں پر اجمالاً روشنی ڈال کر ہمارے دانشور طبقہ: بالخصوص دینی مدارس کے منتہی طلبہ کے لیے ایک فکری پیغام دیا ہے کہ ہمارے ماضی بعید وماضی قریب کے علماء نے کتنی قربانیوں کے بعد دین متین کے چہرۂ زیبا کو یہ تابناکیاں بخشی ہیں، اور نہ معلوم کتنی مصائب وآلام کی راہوں سے گذر کر اس قافلۂ حق پیما نے دین متین کا تحفظ فرمایا ہے۔ رب العزت ہم کو بھی اِن کے نقوش تابندہ پر چل کر دین حق کی خدمت

انجام دینے کی توفیق بخشے آمین۔

اللہ تعالیٰ مولانا مفتی عبد القادر رضوی کی اس للّٰہیت سے لبریز علمی کاوش کو قبول عام بخشے۔ اور موصوف کی عمر و علم میں بے پناہ برکتیں عطا فرمائے تا کہ موصوف اپنے سیّال قلم وجادو رقم تحریر سے دین متین کی زیادہ سے زیادہ خدمت انجام دیتے رہیں۔ آمین۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

شیر محمد خان رضوی

(مفتی) الاسحاقیہ جودھپور

۲۹، جمادی الاولیٰ ۱۴۴۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ جمیل

استاذ العلماء حضرت علامہ حافظ محمد اکبر صاحب قبلہ رضوی

خطیب وامام مدینہ مسجد باسنی ناگور شریف

عزیز القدر حضرت مولانا مفتی عبد القادر رضوی اشفاقی سلمہ الباری نائب مفتی باسنی نے اس بار اُن قدسی صفات نامی گرامی شخصیات کے تجدیدی کارہائے نمایاں کو اجاگر کرنے کی سعی جمیل کی ہے جن کے علم و عمل اور فضل و کمال کی سراہتے ہوئے شہنشاہ کون ومکان، سرور دو جہاں رحمت عالمیاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا" بے شک اللہ تعالیٰ عزوجل اس امت کے لیے ہر صدی کے سرے پر مجددین کو مبعوث فرماتا رہے گا۔ جو احیاء دین کا فریضہ انجام دیتے رہیں گے۔

یقیناً یہ وہ نفوس قدسیہ جہاں اسلامی عقائد و معمولات شرعیہ میں خلل دیکھتے ہیں تو ان کی اصلاح کے لیے لومۃ لائم سے بے نیاز ہوکر اور کفن بردوش ہوکر سرفروشانہ ومجاہدانہ کردار ادا کرتے ہیں، اور ایمان وعقیدہ کے تحفظ کو یقینی بنا کر ہی دم لیتے ہیں۔

اسلام خدا کا پسندیدہ دین ہے "ان الدین عند اللہ الاسلام" جو کہ حق و باطل کے درمیان فاصل ہے کبھی اس کے عروج وارتقاء میں رکاوٹیں بھی آجاتی ہیں، مگر جب جب فتنے ظہور پذیر ہوتے ہیں اور جہاں دینی امور میں خلل وشرعی احکام میں تساہلی پیدا ہوتی ہے اور لوگ نفس پرستی وخدا فراموشی اور دین سے دوری کا شکار ہوتے ہیں تو مجددین اسلام کی جماعت احقاق حق وابطال باطل، دعوت واصلاح کے ذریعہ دلوں کو نئی زندگی عطا کرتی ہے

اور سرکشی وطغیانی کی وادیوں میں بھٹکنے والوں کی رہنمائی کرتی ہے۔

مجددین کرام علیہم الرضوان کی مقدس جماعت نے کتاب وسنت کے حقائق اور اہلسنت وجماعت کے عقائد کو دلائل وبراہین سے مزین کیا ہے اور فرقۂ معتزلہ، قدریہ، بہائیہ، خارجیہ، رافضیہ، اور وہابیہ، دیابنہ وقادیانیت ودیگر فرقہائے باطلہ کے ایک ایک گمراہ کن عقیدے کی تحقیق وتفتیش وافہام وتفہیم کے بعد ان کے خلاف شرعی حکم جاری فرمایا ہے تاکہ عوام اہل سنت اُن کے دام فریب سے دور رہیں، اور حق وصداقت کا چہرہ بے غبار ہو جائے۔

مجددین کرام کی یہ مقدس جماعت پہلی صدی سے لے کر تا قیام قیامت رشد وہدایت کے آفتاب وماہتاب بن کر رہبری کرتی رہے گی اور منکرات وبدعات اور خرافات کو دور کر کے اسلامی معاشرے کی تطہیر اور دلوں کا تزکیہ فرماتی رہے گی۔

عزیز المکرم مولانا مفتی عبد القادر رضوی اشفاقی سلمہ جو کہ ایک فعال ومتحرک عالم دین ہیں بڑے محنتی اور جفاکش اپنی دھن کے پکے ہیں بفضل ربہ مطالعہ اور کتب بینی ومضمون نگاری کے شوق نے آپ کو تحقیق وتفتیش کے وہ بے بہا دولت عطا فرمائی ہے کہ اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر جس عنوان پر قلم اٹھاتے ہیں علم وحکمت کے گوہر لٹاتے ہیں، آپ نے مجددین کرام علیہم الرضوان کے تجدیدی رکاہائے نمایاں کو اجاگر کرنے کے لیے "مجددین اسلام اور تجدیدی کام" صد لائق تحسین کتاب تصنیف کر کے ان نفوس قدسیہ کی بارگاہ میں عظیم الشان خراج عقیدت ومحبت پیش کیا ہے۔ مولانا تعالیٰ آپ کی سعی جمیل کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور دونوں جہان کی سعادتوں سے مالا مال فرمائے آمین۔

محمد اکبر رضوی

۲۲، جمادی الاخریٰ ۱۴۴۳ھ

پہلی صدی کے مجدد
حضرت سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت: ۶۱ھ۔ وصال: ۱۰۱ھ

تجدیدی کارنامے

عدل فاروقی کا اجرا:

آپ نے اپنے پیش رو خلفا کے برعکس اپنی مملکت کے رقبے میں توسیع کو نصب العین نہ بنا کر حکومت کے تمام شعبوں میں اصلاحات فرمائیں۔ اس کے متعلق آپ نے فاروق اعظم کے پوتے حضرت سالم بن عبداللہ سے رابطہ قائم فرمایا اور ان کے نام یہ خط تحریر فرمایا:

''اگر خدا مجھے اس کی استطاعت دے تو میں رعایا کے معاملات میں حضرت عمر بن خطاب کی روش اختیار کروں گا، اس لیے تم میرے پاس ان کی وہ تحریریں اور فیصلے جو انہوں نے مسلمانوں اور ذمیوں کے بارے میں کیے ہیں بھیجو! اگر خدا کو منظور ہے تو میں ان کے نقش قدم پر چلوں گا''۔

آپ کے خط کے جواب میں حضرت سالم نے فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیصلے اور حکم نامے بھیج دیئے، پھر آپ نے ان کے مطابق حکومت کے تمام شعبہ جات میں اصلاحات فرمائیں۔ اور اپنے حکومت کو دور فاروقی کا آئینہ دار بنانے میں ہمہ تن مصروف ہوگئے۔ (تاریخ الخلفا، ص: ۱۸۵)

اموال مغصوبہ کی واپسی:

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب سے پہلے ان جائداد کو لوٹایا جنہیں شاہی خاندان کے افراد، حکومت بنی امیہ کے عمال اور دوسرے عمائدین سلطنت نے اپنے تصرف میں لے رکھا تھا۔ اس ضمن میں سب سے پہلے آپ نے اپنے اور اپنے خاندان

کی جائدادیں ان کے مالکان کے حوالہ کرنے کا ارادہ فرمایا اور اپنے خاندان کو جمع کر کے یہ تقریر فرمائی:

''اے بنی مروان تم کو دولت کا بڑا حصہ ملا ہے، میرے خیال میں امت کا نصف یا دو تہائی مال تمہارے قبضے میں ہے، اس لیے تم ان مالوں کو ان کے مستحقین کے سپرد کر دو''۔

آپ کی یہ تقریر سن کر خاندان بنوامیہ و مروانی کے لوگ آگ بگولہ ہو گئے اور بڑی شدومد کے ساتھ تعمیل حکم سے انکار کیا، ان کے اس رویے پر ناراضگی ظاہر کرتے ہوئے آپ نے انتہائی غضب ناک لہجے میں ارشاد فرمایا:

''خدا کی قسم! اگر اس حق میں میری مدد نہ کرو گے تو میں تمہیں ذلیل و رسوا کر کے چھوڑوں گا'' پھر آپ نے مسلمانوں کے بھرے مجمع سے خطاب فرمایا: ان لوگوں کو اموی خلفا نے ایسی جاگیریں عطا کی ہیں، بخدا جن کے دینے کا نہ تو ان کو کوئی حق تھا، نہ ہمیں ان کے لینے کا۔ اب میں وہ سب اصلی حق داروں کو واپس کرتا ہوں۔ اور یہ کام اپنی ذات اور اپنے خاندان سے شروع کرتا ہوں''۔

اس کے بعد آپ نے اسناد منگوا کر اس کا خریطہ قینچی سے کاٹ کاٹ کر الگ کر کے ہر ایک کو اس کا حق واپس کر دیا، آپ نے اس امر میں اتنی شدت برتی کہ آپ کی بیوی کو ان کے باپ نے ایک بیش قیمت پتھر دیا تھا، اسے بھی بیت المال میں داخل کر دیا اور ایک نگینہ تک اپنے پاس نہ رکھا۔ (تاریخ الخلفا، ص:۱۸۶)

بیت المال کی اصلاح:

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے خلفائے بنوامیہ کے دور میں بیت المال میں کچھ خرابیاں درآئی تھیں۔ آپ نے بیت المال کی اصلاح کی طرف خصوصی توجہ فرمائی جس کی مختصر روداد یہ ہے:

''آپ کے دور خلافت سے پہلے تمام آمدنیاں خمس، صدقہ اور فئے ایک جگہ جمع ہوتی تھیں۔ ان کا علیحدہ حساب نہیں رکھا جاتا تھا۔ آپ نے حکم دیا کہ ہر قسم کی آمدنی الگ جمع کی

جائے اور اس کا علیحدہ حساب رکھا جائے۔ بیت المال مسلمانوں کا مشترکہ خزانہ ہے اس سے ہر مسلمان مساوی طور پر فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ آپ سے پہلے شاہی خاندان کا وظیفہ مخصوص تھا، آپ نے اس کو بھی کلیۃً بند کر دیا۔

آپ سے پہلے بنو امیہ کے خلفاان شعرا و ادبا کو جو ان کی مدح میں قصائد وغیرہ لکھتے تھے بیت المال سے انعامات دیا کرتے تھے، آپ نے یہ تمام انعامات اور وظائف بند کر دیئے۔

آپ کے پیش رو خلفا جب عشا اور فجر کی نماز کے لیے مسجد جاتے تو ایک آدمی شمع لے کر چلتا تھا اور شمع کا خرچ بیت المال پر آتا تھا۔ جمعہ کے دن اور رمضان کے مہینے میں مساجد میں خوشبو سلگائی جاتی تھی اور اس کے مصارف بیت المال سے ادا کیے جاتے تھے، آپ نے یہ سلسلہ بھی بالکل بند کر دیا۔ (تاریخ الخلفا، ص: ۱۸۵)

محاصل کی اصلاح:

بیت المال کی آمدنیوں میں خمس کے پانچ مصارف متعین ہیں۔ ان مصارف کے علاوہ یہ آمدنیاں کسی دوسری جگہ صرف نہیں کی جاسکتیں، لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز سے پہلے بنو امیہ کے خلفاان مصارف کا لحاظ نہیں کرتے تھے۔ مصارف میں سب سے مقدم اہل بیت ہیں۔ لیکن ولید اور سلیمان نے اہل بیت کو ان کے حق سے محروم کر دیا تھا۔ آپ نے مال خمس کو صحیح مصارف میں صرف کیا، اور اہل بیت کو ان کا حق دلایا۔ (طبقات ابن سعد، ج:۵، ص:۲۷۰)

بیت المال کی اصلاح، حفاظت اور نگرانی کا آپ سختی سے نوٹس لیتے تھے اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی برداشت نہیں کرتے تھے۔ علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں: ''ایک بار یمن کے بیت المال سے ایک دینار گم ہو گیا تو آپ نے بیت المال کے افسر کو لکھا:

''میں تمہاری امانت پر کوئی الزام نہیں لگاتا، لیکن تمہاری بے پرواہی اور غفلت کو مجرم قرار دیتا ہوں، میں مسلمانوں کے مال کی طرف سے مدعی ہوں، تم پر فرض ہے کہ قسم کھاؤ۔''

(تاریخ الخلفا، ص: ۱۸۵)

باغِ فدک سے دست برداری:

یہ باغ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے لیے رکھا تھا۔ اس سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی اور بنی ہاشم کی تمام ضروریات پوری فرماتے تھے۔ ایک دفعہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شہزادی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ سے اس باغ کا مطالبہ کیا تو آپ نے انکار فرما دیا۔ بنی امیہ کے چوتھے خلیفہ مروان بن حکم نے اپنی جاگیر بنالیا تھا۔ اب وہ باغ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے قبضے میں آیا اور اسی پر آپ کا اور آپ کے اہل وعیال کا معاشی دارومدار ہو گیا۔ لیکن آپ نے اس کے متعلق رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے عمل کی تحقیق کر کے پھر اسے قدیم مصرف میں لگا دیا۔ (تاریخ الخلفا، ص:۱۸۶)

ظلم وزیادتی کا خاتمہ:

عدل وانصاف اسلامی سلطنت کی روح ہے جو ہر چھوٹے، بڑے، امیر، غریب اور بادشاہ وگدا کو احکام خداوندی کا پابند بناتا ہے، لیکن مطلق العنان اموی فرماں رواؤں کے یہاں اس کی اصلاً حیثیت نہ تھی، جس کے سبب رعایا ہمیشہ ان کے ظلم وستم کا نشانہ بنتی رہتی، حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سارے مظالم کا خاتمہ کر کے اپنے دور کو عدل وانصاف کا گہوارہ بنا دیا۔ چنانچہ آپ عمال کے نام جو بھی فرمان لکھتے اس میں عدل وانصاف کے قیام اور ظلم وستم سے احتراز کی ہدایت ضرور ہوتی۔ اس زمانے میں ظلم کا ایک رواج یہ تھا کہ ملزم کو محض شبہ کی بنیاد پر سزا دی جاتی تھی، آپ نے اس سے قطعی طور پر منع فرما دیا جس پر موصل کے والی غسانی نے آپ سے یہ گزارش کی:

''یہاں چوری اور نقب زنی کی واردات کثرت سے ہوتی ہیں اگر لوگوں کو شبہہ میں نہ پکڑا جائے اور سزا نہ دی جائے تو یہ واردات بند نہیں ہو سکتیں''۔

آپ نے اس کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا:

"صرف شرعی ثبوت پر مواخذہ کرو، اگر حق وعدل نے ان کی اصلاح نہ کی تو خدا ان کی اصلاح کبھی نہیں فرمائے گا"۔ (تاریخ الخلفا، ص: ۱۹۰)

ذمیوں کے حقوق کی پاسداری:

اسلامی حکومت میں غیر مسلم رعایا (ذمی) کو بنیادی انسانی ضروریات میں مسلمانوں جیسے حقوق دیے گئے ہیں۔ بڑی حد تک انہیں مذہبی اور معاشی آزادی حاصل ہوتی ہے۔ خلافت راشدہ کے زمانے میں اس پر مکمل عمل ہوتا تھا، لیکن بعد میں امرا و سلاطین اپنے مفاد کے لیے ان حقوق کی پاسداری میں کوتاہیاں برتنے لگے تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان ذمیوں کو پھر وہی مقام عطا کر دیا جو انہیں پہلے حاصل تھا۔ اس ضمن میں آپ نے مندرجہ ذیل انقلاب انگیز اصلاحات فرمائیں جن کے ذریعے ان کے جان و مال محفوظ ہو گئے:

(۱) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہدِ حکومت میں ذمیوں کا خون مسلمانوں کے خون کے برابر قرار دیا تھا۔ اس لیے کسی مسلمان کو ان کے جان و مال پر دست درازی کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ لیکن بعد کے زمانہ میں یہ مساوات قائم نہ رہ سکی۔ آپ نے دور فاروقی کا قانون نافذ فرما کر پھر سے ذمیوں کے حقوق بحال کر دیے۔

(۲) اسلامی حکومت میں ذمیوں کے جان کی طرح ان کے مال کی حفاظت بھی حکومت کے ذمے ہوتی ہے، آپ اس معاملہ میں بھی مکمل طور سے ان کے حقوق کی پاسداری کرتے تھے۔

(۳) اسلام نے غیر مسلموں کو مذہبی امور میں مکمل آزادی دی ہے، انہیں اپنے مذہب کے مطابق عبادت خانہ تعمیر کرنے اور عبادت کرنے کا حق دیا ہے جسے گزشتہ خلفا نے سلب کر لیا تھا، آپ نے انہیں پھر سے بحال کر دیا۔ ان کی وہ عبادت گاہیں جنہیں مسلمانوں نے اپنی جاگیر بنا لی تھی پھر ان کے سپرد فرما دیں۔

بدعات ومنکرات کا خاتمہ:

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلی صدی ہجری کے سب سے اولین مجدد بن کر مبعوث ہوئے اس لیے ان کا مقصد حقیقی دین اسلام کی تبلیغ واشاعت اور شریعت اسلامیہ کو اس کی اصلی حالت پر لوٹانا تھا، اس لیے آپ نے تہذیبی، ثقافتی، معاشرتی اور حکومتی امور میں اصلاح کے بعد ان غیر اسلامی اعمال وافعال کو مٹایا جو روح شریعت اور اسلامی مفادات کے خلاف تھے، مذہبی امور سے جو تساہلی اور غفلت پیدا ہو چکی تھی اسے دور کر کے پھر سے ہر مسلمان کی سرشت میں دین اسلام کی محبت اور شرعی اعمال سے لگاؤ پیدا فرما دیا اور تمام غیر شرعی امور و بدعات وخرافات پر بندش لگا دی جن سے لوگوں کے عقیدے یا اعمال میں فساد ہونے کا خطرہ تھا۔

عقائد کی اصلاح:

ایمان چند عقائد ومعمولات کے مجموعے کا نام ہے جس پر قائم رہ کر اور عمل کر کے ایک آدمی مسلمان ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت ورسالت محمدی کے اقرار وتصدیق کے بعد اللہ کے آخری پیغمبر محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے ان تمام احکام وباتوں کا ماننا، تصدیق کرنا ایمان کہلاتا ہے" اھ (شرح عقائد النسفی) اگر عقیدے میں فساد آجائے تو وہ دین اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، اس لیے حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عقائد کے بارے میں لوگوں کو صحیح اسلامی طریقے پر قائم رہنے کی تلقین کی اور ان تمام ذرائع سے روک دیا جن سے ان کے ایمان میں فساد کا خطرہ تھا، اس دور میں معبد جہنی اور غیلان دمشقی نے لوگوں کے سامنے قضا وقدر کا پیچیدہ اور حساس مسئلہ چھیڑ دیا تھا، جس کی وجہ سے لوگوں کے مسلمہ عقیدے سے انحراف کا خوف پیدا ہو گیا تھا۔ آپ نے دونوں کو بلا کر توبہ کرائی اور علما ومحدثین کے نام یہ پیغام لکھ بھیجا:

"آپ لوگ تقدیر کے مسئلے میں اس خیال کو قبول نہ کریں جو معبد اور ان کے پیروکار اختیار کیے ہوئے ہیں"۔ (دینی دعوت، ص: ۱۰۵)

پابندیٔ نماز کے متعلق اصلاح:

عقائد صحیحہ کے بعد اعمال میں سب سے اہم فریضہ نماز ہے، اموی خلفا وقت پر نماز کی ادائیگی میں سستی برتتے تھے، جس کی وجہ سے لوگوں میں بھی سستی پیدا ہو چکی تھی، آپ نے اس کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا اور عمال کے نام فرمان جاری کر کے نماز کے اوقات کی پابندی کا حکم دیا۔

تحصیل زکوٰۃ کے متعلق فرمان:

نماز کے بعد شریعت اسلام میں زکوٰۃ کو بڑا درجہ حاصل ہے۔ گزشتہ خلفا زکوٰۃ کے وصول اور اخراجات میں بدعنوانیاں کرنے لگے تھے۔ آپ نے ان تمام بدعنوانیوں کا دروازہ بند کر کے یہ عام فرمان جاری کر دیا:

”زکوٰۃ کے بارے میں تم حجاج بن یوسف کی روش سے باز آؤ وہ اسے غیر محل سے لیتا اور بے محل صرف کرتا تھا“۔

خارجیت وسبِّ علی کا انسداد:

بدعات ومنکرات کے خاتمے کے سلسلے میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کا سب سے بڑا کارنامہ سبِّ علی (حضرت مولائے کائنات علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ پر طعن وتشنیع) کا انسداد ہے، جس سے یقینی طور پر اسلامی روح متاثر ہو رہی تھی۔

اُموی خلفا اور ان کے عمال خطبہ میں حضرت علی مرتضٰی پر لعن وطعن کرتے تھے اور اسے خطبہ جمعہ کا جز بنا لیا تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اسے یک قلم موقوف کر دیا، اور تمام ممالک محروسہ میں یہ پیغام لکھ بھیجا:

”خطبوں سے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ پر سب وشتم خارج کیا جائے اور اس پر فوراً عمل کیا جائے اور اس کی جگہ قرآن کی یہ آیت پڑھی جائے“۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ

الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ"۔ (سورہ نحل، آیت: ۹۰)

ترجمہ: بے شک اللہ حکم فرماتا ہے انصاف اور نیکی اور رشتہ داروں کے دینے کا اور منع فرماتا ہے بے حیائی اور بری بات اور سرکشی سے تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ تم دھیان کرو۔

(کنز الایمان) (تاریخ الخلفا، ص: ۱۹۵)

شراب نوشی پر پابندی:

اسلام نے شراب نوشی کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے، خلفائے راشدین کے زمانے تک لوگ اس پر مکمل پابندی کرتے تھے، لیکن بعد کے زمانے میں بعض لوگ اپنی عیش پسند طبیعت سے مجبور ہو کر اس میں ملوث ہو چلے تھے، جس کی وجہ سے بہت سی نت نئی برائیاں اور فحاشی منظر عام پر آنے لگی، آپ نے پھر سے اس پر پابندی عائد فرمائی اور لوگوں سے ارشاد فرمایا:

"لوگ شراب پی کر بد مستی میں نہایت برے کام کرتے ہیں اور کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ: "شراب پینے میں کوئی مضائقہ نہیں"، لیکن جو چیز اس قسم کا کام کراتی ہے اس کے استعمال میں سخت نقصان ہے، لہٰذا اگر اس کے بعد کسی نے شراب پی تو اسے سخت سزا دی جائے گی"۔ (تاریخ ابن کثیر، ص: ۲۷۸، دار ابی حیان، طبع: ۱۴۱۶ھ ۱۹۹۶ء)

اسلام کی ترویج واشاعت:

اسلامی مملکت کا رقبہ پوری دنیا میں پھیل جائے لیکن خدا کی وحدانیت کا چرچا نہ ہو تو اسلام کا مقصد لا حاصل ہی رہتا ہے، اس لیے آپ نے حکومت کے رقبے می توسیع کے بجائے اسلام کی ترویج واشاعت کو اپنا نصب العین بنایا اور آپ نے پوری مادی اور اخلاقی توانائی اشاعت اسلام میں صرف کر دی۔

تمام بادشاہوں کو اسلام کی دعوت بھیجی اور انہیں اسلام قبول کرنے پر آمادہ کیا جس کے اثر سے مشرق ومغرب میں بہت سے بادشاہوں اور راجاؤں نے اسلام قبول کر لیا۔

اس کے علاوہ چین وتبت کے علاقے میں عمومی تبلیغ کے لیے متعدد وفود بھیجے اور وہ دور

افتادہ علاقے جہاں اب تک اسلام کی روشنی نہ پہونچی تھی وہاں بھی کلمۂ توحید کا غلغلہ پیدا فرمایا۔ (تاریخ ابن کثیر، ص:۲۷۹)

حضرت عمر بن عبد العزیز کے انصاف کا اثر:

ابن سعد کا بیان ہے کہ آپ کے عہد خلافت میں موسیٰ بن اعین کرمان شہر کے جنگلوں میں بکریاں چرایا کرتے تھے، بکریاں، بھیڑیے اور دیگر درندے ایک ساتھ چرا کرتے تھے۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ رات کے وقت ایک بھیڑیا آیا اور ایک بکری کو اٹھا کر لے گیا۔ یہ واقعہ دیکھ کر ہم کہنے لگے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مرد صالح جن کی یہ برکت تھی شاید انتقال کر گئے، چنانچہ ہم نے جب صبح کو اس کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ آپ کی تاریخ وصال ۲۰، رجب المرجب سنہ ۱۰۱ھ۔ (حیاۃ الحیوان جلد: اول، ص:۱۸۵)

پہلی صدی کے مجدد

حضرت سیدنا ابوسعید امام حسن بن یسار بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت: ۲۱ھ۔ وصال: ۱۱۰ھ

تجدیدی کارنامے

فتنۂ اعتزال کا خاتمہ:

خلیفہ سوم حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی ظالمانہ شہادت کے بعد گلستانِ اسلام میں جو شورش پیدا ہوئی اور اس کے نتیجے میں فتنہ وفساد و جنگ وقتال سے اسلام و مسلمانوں کا شدید نقصان ہوا اس نے اپنے پیچھے بہت سے گمراہ فرقوں کو جنم دیا جو ہمیشہ مسلمانوں کے ایمان پر شب خون مارنے کی سعی لاحاصل میں لگے رہتے، لیکن مجاہدین اسلام ان کا مقابلہ کر کے انہیں کیفرِ کرداری تک پہنچا دیتے۔ غرض کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق فرقے جنم لیتے رہے اور آئندہ لیتے رہیں گے اور اپنے نت نئے عقائد کی وجہ سے تاریخِ اسلام میں مرقوم رہے۔ انہیں گمراہ فرقوں میں سے ایک فرقہ ''اعتزال'' کا ہے جس کا وجود حضرت امام حسن بصری کے زمانے میں کچھ یوں ہوا:

ایک شخص نے حضرت حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر استفسار کیا کہ حضور والا! ہمارے زمانے میں کچھ لوگ ہیں جو مرتکبِ گناہِ کبیرہ کو کافر قرار دیتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ایمان کے ساتھ معصیت ضرر رساں نہیں جیسے کہ اطاعت بغیر ایمان کے سودمند نہیں۔ لہٰذا اب آپ فرمائیں کہ ہم گناہِ کبیرہ کرنے والے کو مومن کہیں یا کافر؟

ابھی حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جواب پر غور فرما رہے تھے کہ واصل بن عطا (رأس المعتزلہ) جو حضرت کی مجلسِ درس کا پروردہ تھا، کھڑا ہوا اور مسجد کے ستون

سے ٹیک لگا کر بے ساختہ بول پڑا کہ گناہِ کبیرہ کرنے والا نہ مومن ہے نہ کافر۔ اور یہ بھی کہا کہ مرتکبِ گناہِ کبیرہ اگر بغیر توبہ کیے مر گیا تو وہ جہنم میں داخل ہوگا البتہ اس کا عذاب کافروں کے عذاب کے لحاظ سے کم ہوگا اور یہ فتویٰ دینے لگا کہ گناہِ کبیرہ کرنے والا ایمان و کفر کے درمیان درجہ پر ہوگا۔

جب حضرت امام حسن بصری نے اس کے گمراہ کن عقائد سنے تو فرمایا: "قد اعتزل عنا واصل" (واصل ہم سے جدا ہوگیا) اور اس کی گمراہیت کی بنا پر اسے اپنی مجلس سے نکال دیا۔ اسی وقت سے واصل اور اس کے متبعین "معتزلہ" کے نام سے مشہور ہوگئے۔

(حدوث الفتن فی اعیان السنن، ص:٦)

پہلی صدی کے مجدد

صاحب تعبیر رویا ابو بکر محمد بن سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت: ۳۳ھ۔ وصال: ۱۱۰ھ

تجدیدی کارنامے

فتنۂ وضع حدیث اور اس کا رد:

حضرت امام محمد ابن سیرین رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب خود غرض اور شر پسندوں نے وضع حدیث کا فتنہ پھیلانا شروع کیا اور لوگ احادیث میں رطب و یابس کے درمیان تمیز چھوڑنے لگے تو آپ نے اس کی سرکوبی میں دیگر حضرات پر فائق رہے اور اس فتنے کے سدّ باب کے لیے انتھک کوششیں کیں۔ آپ کا بیان تو پڑھئے:

لوگ پہلے سند حدیث کے بارے میں نہیں پوچھتے تھے لیکن جب فتنہ واقع ہوا تو اس کے تعلق سے پوچھا جانے لگا۔ لہٰذا غور کیا جائے اور جو بدعتی ہو اس کی حدیث چھوڑ دی جائے۔ (ایضاً ص: ۶۷۲)

شعیب بن حجاب بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن سیرین سے عرض کیا کہ اہل ہوا سے سماع کے سلسلے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا: ہم ان سے نہ سماع کرتے ہیں، نہ انہیں عزت دیتے ہیں۔ (ایضاً ص: ۶۷۱)

انہوں نے لوگوں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: بلاشبہ یہ علم دین ہے، تو دیکھو کہ تم اپنا دین کس سے حاصل کر رہے ہو۔ (ایضاً)

حضرت ابن عون حضرت ابن سیرین کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص ان کے پاس حدیث بیان کر رہا تھا اور انہوں نے کوئی توجہ نہیں دی۔ پھر فرمانے لگے: میرا ارادہ تم پر ان پر تہمت لگانے کا نہیں جن سے تم حدیث بیان کر رہے ہو بلکہ تم دونوں

کے درمیان جو راوی ہے وہ میرے نزدیک متہم ہے۔ (ایضاً)

ایک موقع پر انہوں نے فرمایا:

"ذهب العلم وبقيت منه شذرات في أوعية شتىٰ" (ایضاً)

علم ختم ہو گیا اور اس کے کچھ حصے مختلف برتنوں میں باقی ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں برملا فرماتے: وہ حضور سے روایت کرنے میں مہتم نہیں ہیں۔ (ایضاً ص: ۶۷۲)

قارئین! دیکھا آپ نے کہ کس جرأت و پامردی کے ساتھ حضرت امام محمد ابن سیرین رضی اللہ عنہ نے علم حدیث کی محافظت کی اور یقیناً حدیث کی حفاظت مجددین کی صفات سے ہے۔

اخذ روایت حدیث میں احتیاط:

حضرت امام محمد بن سرین رضی اللہ عنہ وسعت علم کے باوجود سماع حدیث اور اخذ روایت دونوں میں انتہائی احتیاط فرماتے تھے معمولی درجہ کے اشخاص سے تحصیل علم اور اخذ حدیث خلاف احتیاط قرار دیتے تھے چنانچہ فرماتے تھے: "کہ علم حدیث، علم دین ہے اس لیے اس کو حاصل کرنے سے پہلے اس شخص کو اچھی طرح پرکھ لو جس سے اس علم حدیث کو حاصل کرنا ہے" اھ (طبقات ابن سعد، جلد: ۷، ص: ۱۴۱) اور روایت حدیث میں اتنے زیادہ محتاط تھے کہ احادیث کریمہ کو بالفاظہا روایت کرتے تھے، تنہا معنیٰ حدیث بیان کرنا کافی نہ سمجھتے تھے" اھ۔ (ایضاً ص: ۱۴۲)

پہلی صدی کے مجدد

حضرت سیدنا امام ابو محمد عطا بن ابی رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت: ۲۷ھ۔ وصال: ۱۱۴ھ

تجدیدی کارنامے

بدمذہبوں سے اجتناب اور قدریہ کا رد:

ایک مجدد کا وصف یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے حالات پر گہری نظر رکھے اور جہاں دین سے کھلواڑ کیا جائے یا شریعت کا مذاق اُڑایا جائے یا کسی حدیث کی غلط تشریح کی جائے تو ان کی اصلاح اور رہنمائی کے لیے وہ خود کوئی قدم اُٹھائے یا تلامذہ پیدا کرے یا ایسی کتابیں تصنیف کرے جو اُمت کے حق میں مشعل راہ ہوں۔

اس گفتگو کے تناظر میں جب ہم آپ کی شخصیت کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ پاتے ہیں کہ آپ نے اپنے دور میں بدمذہبوں سے نفرت رکھی اور غلط نظریات کے حامی افراد کی تردید فرمائی۔ آپ کے پاس کوئی آتا تو آپ اس سے اس کے مذہب کے بارے میں پوچھتے پھر مزید بات چیت کرتے۔ سر دست ایک واقعہ پڑھئے اور ہماری بات پر یقین کیجئے۔

امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مکہ میں، میں حضرت عطا سے ملا تو ایک چیز کے متعلق سوال کیا، انہوں نے پوچھا: آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ عرض کیا: کوفہ کا، فرمایا: آپ اس گاؤں کے باشندے ہیں جہاں کے لوگ اپنا دین چھوڑ کر شیعہ ہو گئے۔ عرض کیا: ہاں، فرمایا: تو آپ کس قسم کے لوگوں میں سے ہیں؟ عرض کیا: ان لوگوں میں سے ہوں جو اپنے اسلاف کو گالی نہیں دیتے، تقدیر پر ایمان رکھتے ہیں اور گناہ کی وجہ سے اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے۔ حضرت عطا نے فرمایا: آپ نے معرفت حاصل کر لی ہے۔

حضرت عطا سے کہا گیا: یہاں کچھ لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ایمان میں کمی وبیشی نہیں ہوتی، فرمایا: کلام پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَالَّذِیْنَ اھْتَدَوْا زَادَھُمْ ھُدًی" (سورۂ محمد: ۱۷) اور جنہوں نے راہ پائی، اللہ نے ان کی ہدایت اور زیادہ فرمائی۔ تو یہ کون سی ہدایت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اضافہ فرمایا۔ میں نے عرض کیا: ان کا خیال ہے کہ نماز اور روزہ اللہ تعالیٰ کے دین سے نہیں، فرمایا: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ حُنَفَاءَ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوا الزَّکٰوۃَ وَذٰلِکَ دِیْنُ الْقَیِّمَۃِ" (سورۃ البینۃ: ۵) اور ان لوگوں کو تو یہی حکم ہوا کہ اللہ کی بندگی کریں نرے اسی پر عقیدہ لاتے ایک طرف کے ہو کر اور نماز قائم کریں اور زکاۃ دیں اور یہ سیدھا دین ہے۔ اس آیت میں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دین قرار دیا ہے۔

(البدایہ والنھایہ، ج:۹، ص: ۳۸۳، دار ابی حیان، قاہرہ)

آپ کے وقت میں جب قدریہ کا فتنہ سامنے آیا اور لوگوں کے ذہن کو خراب کرنا شروع کیا گیا تو آپ نے اس کا بھی رد فرمایا: ابن جریر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطا کو خانہ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا۔ انہوں نے شتربان سے فرمایا: پانچ باتیں اچھی طرح یاد کرلو! تقدیر کا خیر وشر اور مٹھاس اور کڑواہٹ اللہ عزوجل کی طرف سے ہے، اس میں بندوں کے لیے نہ مشیت ہے اور نہ تفویض، اہل قبلہ مومن ہیں اور ان کے جان ومال حرام ہیں اگر وہ قبلہ کا حکم پامال کریں تو انہیں سزا دی جائے گی، باغی جماعت کا مقابلہ ہاتھوں، جوتوں او رہتھیاروں سے کیا جائے اور خوارج کے گم راہ ہونے کی شہادت دی جائے۔ (ایضاً ص: ۳۸۴)

دوسری صدی کے مجدد

حضرت سیدنا امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت: ۱۵۰ھ۔ وصال: ۲۰۴

تجدیدی کارنامے

قلمی شہ پارے:

حضرت امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے امت مسلمہ کو تصنیفات کی صورت میں ایک علمی خزانہ عطا فرمایا۔ آپ کے قلم سے بیش بہا علمی وفنی جواہر پارے عالم وجود میں آئے۔ چنانچہ اسحاق بن راہویہ سے پوچھا کہ مختصر عمر میں امام شافعی نے اتنی زیادہ کتابیں کیسے لکھیں؟ تو آپ نے فرمایا: "جمع اللہ تعالیٰ لہ عقلہ لقلۃ عمرہ"۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے امام شافعی کو کم عمری ہی سے بہت زیادہ عقل وعلمی شعور عطا فرمادیا تھا'' اھ (تہذیب التہذیب، ج:۹،ص:۲۶)

آپ کی تصنیفات:

(۱) کتاب الام: یہ کتاب پندرہ جلدوں پر مشتمل ہے جس کو امام شافعی کے تلمیذ رشید ربیع بن سلمان مرادی نے آپ سے روایت کیا۔ یہ امام صاحب کے اقوال جدیدہ پر مشتمل نایاب تصنیف ہے۔

(۲) الرسالہ: یہ کتاب امام الجرح والتعدیل عبدالرحمٰن بن مہدی کی خواہش پر تحریر فرمائی۔ یہ فن اصول فقہ میں ہے، لکھنے کے بعد امام عبدالرحمٰن کی بارگاہ میں جب پیش کی گئی تو بے ساختہ فرمایا: "ماظننت ان اللہ خلق مثل ھذا الرجل"۔ یعنی میرا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مرد کو اس زمانے میں ایک مثال ونظیر بنالیا ہے'' اھ۔ (مرأۃ الجنان، ج:

۲،ص:۱۸)

(۳) مسند شافعی: یہ آپ کی کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے، بلکہ امام مزنی اور ربیع بن سلیمان سے کتاب الام اور مبسوطہ میں جو روایتیں مروی ہیں، انہیں ابو جعفر محمد بن مطر نے مرتب کر کے مسند شافعی نام دیا ہے۔

(۴) کتاب الحجہ: یہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول قدیم پر ایک معتمد اور مستند تصنیف ہے اسے آپ نے بغداد کے آخری قیام کے زمانے میں تصنیف کی۔

(۵) کتاب احکام القرآن (۶) اختلاف الحدیث (۷) ابطال الاستحسان (۸) کتاب اجماع العلم (۹) کتاب القیاس (۱۰) اختلاف مالك و شافعی (۱۱) کتاب العلل (۱۲) کتاب المبسوط۔

امام شافعی بحیثیت مجدد:

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دوسری صدی کے مجدد ہیں، اور آپ کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ بشارت منقول ہے "اللھم اھد قریشاً فان عالمھا یملأ طباق الارض علماً" یعنی اے اللہ! قبیلہ قریش کو ہدایت عطا فرما، اس لیے کہ اس کا ایک علم روئے زمین کو علم سے بھر دے گا" اھ (بیہقی شریف جلد: اول، ص:۱۷۹، تاریخ بغداد، ج:۲، ص:۶۰)

علامہ عبد الملک بن محمد نے اس حدیث کا مصداق امام شافعی کو قرار دیتے ہوئے لکھا: اس حدیث میں قریش کے جس عالم کی پیشن گوئی کی گئی ہے اس کا مصداق امام عبد اللہ شافعی ہیں۔ (تہذیب التہذیب، ج:۹، ص:۲۴)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشارت کا ثمرہ یہ ظاہر ہوا کہ آپ کثیر علوم وفنون میں یکتائے روزگار ہوئے، خصوصاً فقہ، تفسیر، حدیث اور علم کلام وغیرہ میں آپ کی خدمات کے مجدد ہونے کا پتہ دیتی ہیں۔ آپ نے ملت اسلامیہ کو فقہا و محدثین کی صورت میں نہ صرف رشد و ہدایت کے سپہ سالار دیئے بلکہ نادر و نایاب علمی تصانیف کا ایک محیر العقول ذخیرہ بھی

چھوڑا، اس لیے کہ آپ نے ایسے اصول وضوابط اپنی تصنیفات میں تحریر فرمائے جو اپنے اندر نہ جانے کتنے علوم وفنون کو سمائے ہوئے ہیں۔آپ کی انہیں خدمات کی بنیاد پر اکابرین امت نے آپ کو مجدد تسلیم کیا چنانچہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سرے پر لوگوں کے لیے ایسے شخص کو بھیجے گا جو لوگوں کو سنت کی تعلیم دے گا اور رسول اللہ کی طرف منسوب جھوٹ کی نفی کرے گا''میں نے جب اس پر غور کیا تو دیکھا پہلی صدی کے آخر میں عمر بن عبدالعزیز ہوئے اور دوسری صدی کے آخر میں امام شافعی ہوئے۔(تہذیب التہذیب، ج:۲،ص:۲۵)

امام شافعی اور تفسیر قرآن:

امام شافعی اپنے دور کے مجتہد مطلق تھے۔لہٰذا علوم قرآن وتفسیر وغیرہ میں بھی آپ کی جلالت علمی کا اکابرین امت کے نزدیک مسلم ہے۔(احکام القرآن) آپ کی تصنیف نایاب اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔قرآنی علوم اور اس کے احکام وغیرہ پر آپ نے جو تحقیقی کام فرمایا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے آپ کی جلالت پر چند اقوال ملاحظہ کریں:

امام یونس بن عبدالاعلیٰ فرماتے ہیں: امام شافعی بڑی ہی خوبی سے قرآن کی تفسیر کرتے تھے۔چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں:

''قرآن کریم میں کوئی کلمہ نہیں جس کا مطلب ومحاورہ کے لحاظ سے میں نہ جانتا ہوں۔'' (اتحاد المہرہ، ج:۴،ص:۶۴)

چنانچہ آیت کریمہ ''کلا انہم عن ربہم یومئذ لمحجوبون'' (پ:۳۰،۱۵) کے بارے میں امام شافعی فرماتے ہیں۔کہ ناراضگی کی بنا پر ایک قوم کا محجوب ہونا دلالت کرتا ہے رضامندی کی وجہ سے دوسری قوم اس کو دیکھے گی نیز فرماتے ہیں۔خدا کی قسم اگر محمد بن ادریس (شافعی) کو اس بات کا یقین نہ ہوتا کہ میعاد میں اپنے رب کو دیکھے گا تو دنیا میں اس کی عبادت نہ کرتا۔(اتحاف المہرہ، ج:۴،ص:۶۴)

امام شافعی اور مناظرہ:

امام شافعی اپنے دور کے صرف فقیہ ومحدث ہی نہیں تھے بلکہ خداداد عقل وشعور کی بنا پر ایک بے باک مناظر بھی تھے، فقہی امور میں آپ نے مخالفین سے مناظرہ کیا۔

چنانچہ ایک مرتبہ تارک صلاۃ کے بارے میں امام احمد بن حنبل وامام شافعی میں مناظرہ ہوا، امام شافعی نے فرمایا: کیا تم تارک صلاۃ کو کافر قرار دیتے ہو؟ امام احمد نے فرمایا: ہاں، امام شافعی نے فرمایا: پھر وہ مسلمان ہونا چاہے تو کیا کرے؟ امام احمد نے جواب دیا: "لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ" کی گواہی دے۔ امام شافعی نے فرمایا: اس حکم کا تو وہ ہمیشہ قائل ہے۔ امام احمد نے کہا: تو وہ نماز پڑھنے سے مسلمان ہوگا۔ امام شافعی نے فرمایا: "صلوٰۃ الکافر لا یصح ولا یحکم بالاسلام بھا" کافر کی نماز ہوتی ہی نہیں تو اب اس سے اس کے اسلام کا حکم کیسے ثابت ہوگا۔ یہ سن کر امام احمد خاموش ہوئے اور سکوت فرمایا۔ (سیرت شافعی)۔

دوسری صدی کے مجدد

حضرت سیدنا امام اشہب بن عبدالعزیز بن داؤد قیسی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت: ۱۵۰ھ۔ وصال: ۲۰۴ھ

تجدیدی کارنامے

علم فقہ، کلام، حدیث اور تفسیر میں آپ کو خدا نے کمال کی صلاحیت سے نوازا تھا۔ آپ نے انھیں خداداد صلاحیتوں سے اپنی کتاب زندگی کے ایک ایک ورق کو احیاے سنت، ابطال باطل، احقاق حق اور اسلام کی بے لوث خدمات سے مزین کیا اور انھیں قابل قدر تجدیدی کارناموں کے نتیجے میں آپ مجدد جیسے منصب عظیم پر جلوہ گر ہوئے۔ ذیل میں کچھ تجدیدی کارنامے اختصاراً مذکور ہیں۔

مذہب مالکیت کی ترویج واشاعت:

ابتدائی مراحل میں عالم اسلام کو مذہب مالکیت سے روشناس کرانے اور اس کے اصول وفروع پر سختی سے لوگوں کو عمل پیرا رکھنے میں آپ امتیازی شان کے حامل ہیں چنانچہ آپ نے اپنی تصانیف اور ماہر شاگردوں کی ٹیم کے ذریعے ایک جہاں کو مذہب مالکیت کا سچا پیروکار بنایا نیز اس کے اصول وفروع کو تحفظ وبقا، تدوین وتالیف اور نشرواشاعت کے مراحل گزارتے ہوئے مذاہب اربعہ میں مالکیت کو ایک خاص مقام عطا کیا حتیٰ کہ مفتی مالکیہ کے عظیم منصب پر فائز ہوئے اور پورے ملک مصر میں مسلمانوں کو ایک مذہب مالکی پر مجتمع فرمادیا۔

احیائے سنت اور ابطال بدعات ومنکرات:

احیائے سنت، رد بدعات ومنکرات اور وضع حدیث کے سد باب میں آپ کے

تجدیدی کارنامے شاہ کار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ خصوصاً مصر میں آپ کی نمایاں خدمات روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ یہیں تک بس نہیں بلکہ آپ دولت وثروت کے ذریعے بھی تجدیدی خدمات میں کسی سے پیچھے نہیں رہے۔

خوارج اور باطل عناصر کا ابطال:

آپ کے زمانے میں فتنۂ خوارج عروج پر تھا خوارج صحابہ کرام کی عقیدت ومحبت کے ساتھ اہل بیت کرام کی شان اقدس میں تبرا کرتے اور امت رسول کو اہل بیتِ رسول سے دور کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کی بیخ کنی میں آپ نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ یہاں تک کہ آپ ہی کی کوششوں سے ان فتنوں کا زور ختم ہوا اور اسلامی سماج سے ان فتنوں کا سد باب کر کے مسلمانوں کے ایمان وعقیدے کے تحفظ کو یقینی بنایا اور تمام موجودہ امت کو صحابہ کرام واہل بیتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حقیقی محبت وعقیدت، ادب واحترام پر جمع فرما دیا۔ (سیر اعلام النبلاء، الطبقۃ العاشرہ، جزء تاسع، ص:۵۰۱، ۵۰۳)

دوسری صدی کے مجدد

مام جرح وتعدیل حضرت شیخ المحدثین سیدنا یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت: ۱۵۸ھ۔ وصال: ۲۳۳ھ

تجدیدی کارنامے

آپ کے کارناموں سے یہ بات قابل ذکر ہے کہ اپنی پوری زندگی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث کی نگہبانی کے لیے وقف کردی کہ کہیں کسی طرح اس میں جھوٹ کی آمیزش نہ ہونے پائے آپ کے زمانے میں برسر منبر اور عام مجالس میں بعض لوگ من گھڑت روایتیں بیان کرتے تھے، اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا یہ خود ساختہ عبارتیں اور یہی کلام۔ کلام رسول کے نام سے رواج پا جاتا بالآخر آپ کے کارناموں سے موضوعات کی یہ گرم بازاری سرد پڑ گئی، اور پوری دیانت علمی و تحقیقی روایت کے ذریعہ معرفت حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذووق پیدا ہوگیا۔ بلاشبہہ آپ کی زندگی اس حدیث پاک کی مصداق تھی۔ امام بیہقی اور ابن عساکر نے ابن سعید فریابی کی سند سے اس حدیث کی تخریج کی ہے کہ امام احمد بن حنبل سے مروی ہے "ان اللہ یقیض للناس فی رأس کل مائۃ سنۃ من یعلم الناس السنن وینفی عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الکذب" بے شک اللہ تعالیٰ ہر صدی میں لوگوں کی رہنمائی کے لیے ایسی ذات کو ظاہر فرماتا ہے جو لوگوں کو سنتوں کی تعلیم دے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب جھوٹی باتوں کو دور کرے۔ (التنبئہ بمن یبعثہ اللہ علی رأس کل مائۃ، از: جلال الدین سیوطی، ص: ۲۴، دار الثقہ للنشر والتوزیع، مکہ مکرمہ، طبعہ اولیٰ: ۱۴۱۰)

حدیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روایت بڑی اہم دینی، علمی ذمہ داری کا کام

ہے، اسی لیے عہد صحابہ کرام تک اس پر قانونی اور خلاقی دونوں طرح کی پابندی عائد تھی، ہر شخص حدیث نبوی بیان نہیں کرتا تھا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے جب کوئی حدیث بیان کی جاتی تو آپ اکابر صحابہ کرام کی شہادت طلب کیا کرتے تھے۔ بعض صحابہ کرام جو جلیل القدر مقام پر فائز تھے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت بابرکت سے بہت زیادہ فیض یاب ہوئے، مگر کثرت حدیث بیان کرنے سے گریز کرتے تھے کہ مبادا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف کوئی غلط حدیث قولاً وفعلاً منسوب نہ ہو جائے اسی لیے یہ احساس ذمہ داری اکابر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس ارشاد نبوی پر تھا کہ:

"مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ" یعنی جس نے مجھ پر جھوٹ بولا یعنی میری طرف جھوٹی حدیث منسوب کی وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے" اھ

(الجامع الصحیح للبخاری رقم الحدیث: ۱۰۷، باب: اثم من کذب علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج:۱، ص: ۳۳)

جرح وتعدیل:

جرح وتعدیل کو ایک اہم فن کی حیثیت حاصل ہے، اس کا مقصد شریعت مطہرہ کا تحفظ اور اس کا دفاع ہے، محدثین عظام کا یہ وہ عظیم کارنامہ ہے جس کی مثال تاریخ پیش نہیں کرسکتی، حدیث کے راویوں کی جانچ پرکھ کے لیے اس فن کا ایجاد ہوا تا کہ ان کی ثقاہت، عدم ثقاہت، عدالت، حفظ، ضعف، صداقت وامانت اور کذب ونسیان کے متعلق فیصلہ کیا جائے۔ یہ کام پہلی صدی کے آخر ہی میں شروع ہو چکا تھا لیکن دوسری صدی کے محدثین نے اسے ایک مستقل فن کا درجہ دے دیا، اس فن میں امام یحییٰ بن معین کو امامت کا درجہ حاصل ہے۔

جب بدعتیوں نے ذخیرۂ احادیث میں موضوع روایتیں شامل کرنے کی ناپاک کوششیں کیں تو محدثین کرام ان کے مقابلہ کے لیے کمر بستہ ہو گئے، امام ابن معین تو باضابطہ موضوع حدیثیں لکھ لیا کرتے پھر انہیں درایت وروایت کی کسوٹی پر رکھتے اور گڑھی ہوئی

حدیثوں کو تنور میں ڈال دیتے، آپ خود فرماتے ہیں: "كتبنا عن الكذابين ثم سجّرنا به التنور وأخرجنا به خبزا نضيجاً" میں نے جھوٹے راویوں سے ایک بڑا ذخیرہ جمع کیا، اس کے بعد میں نے اپنا تنور گرم کیا، اس سے نہایت عمدہ پکی پکائی روٹیاں تیار کرلیں۔ (وفیات الاعیان، ج:۵،ص:۱۱۵، مطبع: دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

فن اسماء الرجال:

فن اسماء الرجال کا علم، حدیث کا نصف علم ہے۔ اس میں بھی آپ کو کامل ملکہ حاصل تھا۔ اس فن میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے راوی کون ہیں؟ ان کا سلسلۂ نسب اور جائے سکونت کیا ہے؟ ولادت کب ہوئی؟ حافظہ، دین داری اور تقویٰ کس درجہ کا ہے؟ ان کے عقائد کیا ہیں؟ آپ قدیم وجدید ہر قسم کے راویوں کا حال جانتے تھے۔ اس فن میں آپ کی حذاقت ومہارت کا اعتراف جلیل القدر رائمۂ فن نے کیا ہے۔

امام احمد بن حنبل اور ایک محدث عبد الخالق دونوں مغازی کی احادیث سننے کے لیے یعقوب بن ابراہیم کے پاس جاتے تھے، اس زمانے میں یحییٰ بن معین بصرہ میں قیام پذیر تھے، ایک دن امام احمد بن حنبل نے فرمایا: "ليت أن يحيىٰ هنا" کاش! ابوزکریا (یحییٰ بن معین) یہاں ہوتے، عبد الخالق نے کہا: "ما تصنع به" اگر ہوتے بھی تو کیا کرتے؟ امام احمد بن حنبل نے فرمایا: "يعرف الخطا" وہ خطا کو پہچان لیتے ہیں۔ (حوالہ سابق)

عمرو ناقد: "ما كان في أصحابنا أعلم بالاسناد من يحيىٰ بن معين ما قدر احد يقلب عليه إسنادا قط" ہمارے اصحاب میں یحییٰ بن معین سے بڑھ کر کوئی اسناد کا علم نہ رکھتا تھا، کوئی ان کے پاس اسناد کو الٹ پلٹ کر بیان کرنے کی جرأت نہ رکھتا تھا۔ (حوالہ سابق، ص:۱۸۰)

حق گوئی اور فرط احتیاط:

راویوں پر نقد وجرح بڑا اہم کام ہے، اس کام میں احتیاط برتنے کی ضرورت ہوتی ہے

،اس سلسلے میں دنیاوی وجاہت اور رشتہ وقرابت کا پاس ولحاظ نہیں ہوتا، رجال حدیث کی نقد وجرح کے وقت یہ بھی پیش نظر ہو کہ شخصی تعصب راہ نہ پائے، امام یحیٰ بن معین اس معاملے میں بہت ہی محتاط اور حق گو تھے، کذب بیانی کی وضاحت اور نقد وجرح کے وقت صرف شریعت مطہرہ کا تحفظ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا مقصود ہوتی، جیسا کہ ان کے اس کلام سے واضح ہوتا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا فرماتے تھے "اللھم إن کنت تکلمت فی رجل ولیس ھو کذابا فلا تغفرلی" اے اللہ! اگر میں نے کسی ایسے شخص کی کذب بیانی واضح کی ہو جو اس مستحق نہیں تو تو میری مغفرت نہ کرنا۔ (حوالہ سابق)

آپ دوسرے سے روایت حدیث کرنے میں حد درجہ احتیاط کرتے، خود فرماتے ہیں: "انی لاحدث بالحدیث فاسھر له مخافة ان أکون قد أخطات فیه" میں کوئی حدیث بیان کرتا ہوں مگر اس خوف سے رات کی نیند اڑ جاتی ہے کہ کہیں روایت میں غلطی نہ ہوگئی ہو۔ (تاریخ بغداد، ج: ۱۴، ص: ۱۸۸، مطبع: دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

دوسری صدی کے مجدد

حضرت سیدنا امام علی رضا بن موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت: ۱۵۳ھ۔ وصال: ۲۰۳ھ

تجدیدی کارنامے

رب قدیر جل جلالہ نے آپ کی ذات میں تمام خوبیاں جمع کر دی تھیں، یہی وجہ تھی کہ مختصر عرصے میں ہی آپ کے علوم وفنون کا شہرہ پوری دنیا میں ہوگیا، حتیٰ کہ اس دور کی عظیم ہستیوں نے بھی آپ کی مقدس بارگاہ میں زانوئے تلمذتہ کیا۔ جب بھی آپ کی بارگاہ میں کسی نے کوئی پیچیدہ سوال پیش کیا تو تشفی بخش جواب پایا اور اگر کسی سے کبھی مباحثہ ہوا تو آپ نے اپنے سوالات وجوابات سے اس کو محو حیرت کر دیا۔

علمی جلالت:

امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

"کان علی الرضا من اھل العلم والفضل مع شرف النسب" اھ

(تھذیب التھذیب، ص:۱۲۱)

امام یوسف نبھانی فرماتے ہیں:

"حضرت امام علی رضا رضی اللہ عنہ کی ذات اکابر ائمہ کرام میں شمار ہوئی ہے اور آپ مصابیح امت محمدی میں اہل بیت کی جماعت میں سے ہیں، علم وعرفان، کرم ونوازش کے جامع تھے" اھ (جامع کرامات اولیاء، ص:۳۱۱) یحییٰ نے آپ سے متعدد سوالات کیے آپ نے ان کا اطمینان بخش جواب دیا اور ان کو اس قدر واضح کیا کہ مجلس کے لوگ انگشت بدنداں ہو گئے۔ اس کے بعد مامون نے امام سے کہا: "اب آپ یحییٰ سے سوال کیجیے تا کہ عوام پر آپ کی عزت واحترام راسخ ہو جائے" آپ نے ان سے ارشاد فرمایا: "صبح کے وقت ایک مرد نے

ایک عورت کی طرف دیکھا، اس وقت وہ اس پر حرام تھی، طلوع آفتاب کے وقت وہ اس پر حلال ہوگئی، ظہر کے وقت پھر اس پر حرام ہوگئی، عصر کے وقت پھر حلال، مغرب کے وقت پھر حرام، عشا کے وقت پھر حلال، آدھی رات کو پھر حرام اور فجر کے وقت پھر حلال"۔

آپ اس مسئلہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

یحییٰ بن اکثم یہ سوال سن کر حیران وششدر رہ گئے اور عرض کیا: عالی جاہ مجھے اس کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔

حضرت امام علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مذکورہ مسئلہ کی یوں توضیح وتشریح کی: صبح کے وقت ایک اجنبی نے کنیز کی طرف دیکھا، اس وقت وہ اس پر حرام تھی، طلوع آفتاب کے وقت اس نے اس کو خرید لیا، وہ اس پر حلال ہوگئی، ظہر کے وقت اس نے اس کو آزاد کردیا تو وہ اس پر حرام ہوگئی، عصر کے وقت اس نے اس سے نکاح کرلیا، وہ حلال ہوگئی، مغرب کے وقت اس نے ظہار کیا، پھر حرام ہوگئی، عشا کے وقت کفارہ دیا حلال ہوگئی، آدھی رات کو طلاق بائن دی پھر حرام ہوگئی اور فجر کے وقت اس نے نکاح کرلیا پھر حلال ہوگئی۔ (تذکرہ مشائخ قادریہ، برکاتیہ رضویہ، ص: ۱۶۸، مطبوعہ: قادری کتاب گھر، بریلی شریف)

یہ تسلی بھرا جواب سن کر حاضرین حیرت واستعجاب میں پڑ گئے اور مامون بھی آپ کی باریک بینی اور عمیق نظری سے بے حد متاثر ہوا اور مملکت وسلطنت کے جملہ امور ان کے حوالے کرنے کا عزم مصمم کرلیا اور ان کو اس بات سے باخبر کیا لیکن آپ نے انکار کیا جیسا کہ موسیٰ بن سلمہ نے بیان کیا ہے: " کنت بخراسان مع محمد ابن جعفر، فسمعت ان ذالریاستین، (طاهر بن الحسین) خرج ذات یوم وهو یقول: واجبا، وقد رأیت عجبا، سلونی مارأیت، قالوا: مارأیت، اصلحك الله، قال: رأیت امیرا المؤمنین المامون یقول لعلی بن موسیٰ :قد رأیت ان اقلدك امر المسلمین وافسخ مافی رقبتی واجعله فی رقبتك، ورأیت بن موسی یقول : یاامیر المؤمنین ! لا طاقة لی بذالك ولا قوة. فما رأیت

خلافة قط اضيع منها، امير المؤمنين يقتضي منها ويعرضها على علي بن موسى و علي بن موسى يرفضها وياباها". (تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، ص: ۱۴۸۰، ج:۲۱)

جب مسلسل اصرار کرنے سے انکار کی کوئی گنجائش نہ رہی تو چند شرائط کے ساتھ آپ نے منظور کرلیا، الغرض ۵، رمضان المبارک بروز پنج شنبہ ایک عالی شان کانفرنس منعقد کی گئی جس میں حضرت امام کی تاج پوشی کی گئی اس کے بعد خلیفۂ وقت نے اپنے بیٹے کو حکم دیا کہ اولاً تم ان سے بیعت کرو وہ باادب اٹھ کر تعظیم وتکریم بجالایا اور ان سے بیعت کی، مامون نے بڑی فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بیش بہا زر و جواہرات حاضرین پر لٹائے، پھر حضرت امام علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حمد وصلوٰۃ کے بعد مجمع کثیر سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا:

"ايها الناس! ان لنا عليكم حقاً برسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ولكم علينا حق به. فاذا أديتم الينا ذالك وجب لكم علينا الحكم، والسلام"۔ اے لوگو! بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل ہمارا تمہارے اوپر حق ہے اور تمہارا ہمارے اوپر تو جب تم یہ (حق) ہمیں ادا کردو تو تمہارے لیے ہم پر فیصلہ واجب ہے والسلام۔ (تشریف البشر، ص:۹۸)

برکات اسناد امام علی رضا:

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: "لو قرئ هذا الاسناد على مجنون لافاق من جنونه"۔ اگر یہ اسناد مجنون پر پڑھی جائے تو ضرور وہ شفایات ہوگا۔ (جامع الاحادیث، جلد:۴) ابوالقاسم قشیری نے فرمایا:

"یہ حدیث اسی سند سے بعض امرائے سامانیہ کو پہونچی تو اس کو انہوں نے آب زر سے لکھوایا اور اس قدر انہیں فیض پہونچا کہ اپنے وارثین کو وصیت کی کہ جب میری وفات ہوجائے تو اس کو میری قبر میں رکھ دینا، شاید خدا اسی کی برکت سے مجھے بخش دے۔ دنیا میں

ان کی برکت پہونچی ہی حتی کہ مامون کی موت کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ عزوجل نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اس نے جواب دیا کہ "غفرلی بتلفظی بلا الہ الا اللہ وتصدیق ان محمداً رسول اللہ" اللہ تعالیٰ نے مجھے میرے "لا الہ الا اللہ" بولنے اور میرے اس بات کی تصدیق کہ (محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں) کی وجہ سے مجھے بخش دیا۔ (تذکرہ مشائخ قادریہ برکاتیہ، ص:۱۶۹)

فہم قرآن:

آپ کے مطالعہ کی وسعت اور فکر ونظر کی گہرائی بالخصوص آپ کی قرآن میں باریک بینی کے وقت کے مایۂ ناز علمائے کرام معترف تھے۔ ایک مرتبہ آپ عمدہ اور قیمتی جامہ زیب تن کیے ہوئے تھے، جب مامون نے دیکھا تو بے اختیار بول پڑا: اے ابن رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا یہ کپڑا آپ کے لیے زیب دیتا ہے؟ آپ نے بلا جھجک ارشاد فرمایا: ایسا تو ہمارے سلف صالحین کے بھی لباس ہوتے تھے، حضرت یوسف علیہ السلام سونے کے تاروں سے بنے ہوئے قبا پہنتے تھے اور زر وجواہرات سے مرصع تخت پر بیٹھ کر حکومت کرتے تھے، نیز یہ قرآن میں یہ موجود ہے "قُلْ مَنْ حَرَّمَ اللهِ الَّتِيْ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ" تم فرماؤ کس نے حرام کی اللہ کی وہ زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لیے نکالی اور پاک رزق۔ (اعراف، آیت:۳۲)

لاینحل مسئلہ کا حل:

ایک مرتبہ خلیفہ مامون کی طبیعت علیل ہوگئی،۔ اس نے نذر مانی کہ اگر اس بیماری سے شفا پالیا زر کثیر خیرات کروں گا، جب مالک حقیقی نے شفا بخشی تو اس نے متعدد علمائے کرام سے پوچھا کہ زر کثیر کا اطلاق کتنے پر ہوتا ہے؟ سب نے اپنے اعتبار سے جواب دیا مگر اس کو تشفی نہ ہوئی بلآخر اس نے یہ عریضہ امام کی بارگاہ میں پیش کیا، آپ نے ایسا معقول جواب دیا کہ سب متحیر ہوگئے، آپ نے ارشاد فرمایا: رب قدیر نے فرمایا: "لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللهُ فِيْ

مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ (توبہ، آیت: ۲۵) بے شک اللہ نے بہت جگہ تمہاری مدد کی، اور غزوات و سرایا تراسی تھے۔ مامون نے انہیں کے قول پر عمل کرتے ہوئے تراسی دینار صدقہ کیا اور اس جواب کی عمق نگاہی سے بہت ہی متاثر ہوا۔ (تذکرۂ مشائخ قادریہ برکاتیہ رضویہ، ص: ۷۰)

اشاعت اسلام:

آپ نے دین متین کی بڑی خدمت کی ہے، اشاعت اسلام کی فکر آپ کو ہمہ وقت بے چین کیے رہتی تھی، آپ کی زندگی کے ہر شعبے میں خدمت کی جھلک نمایاں ہے، آپ ہی کی سعی وکوشش کا ثمرہ ہے کہ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسے فرد نے آپ کے دست حق پرست پر ایمان لاکر علوم وفنون اور رشد وہدایت کا وہ چشمہ جاری کیا جس سے آج تک ایک عالم سیراب ہورہا ہے۔

دوسری صدی کے مجدد

حضرت سیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت: ۱۶۴ھ۔ وصال: ۲۴۱ھ

تجدیدی کارنامے

تصنیفی خدمات:

(۱) المسند کی تخلیق:

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا سب سے بڑا کارنامہ آپ کی کتاب ''المسند'' ہے جسے آپ نے خود جمع کیا ہے۔ مسند احمد تقریباً ۲۷، اجزا پر مشتمل اور ۷۰۰، صحابہ کرام کی روایت کردہ حدیثوں کا مجموعہ ہے جن کی تعداد بیس ہزار سے چالیس ہزار تک بتائی جاتی ہے۔ اس کتاب کو مرتب کرنے کے لیے آپ نے عالم اسلام کا سفر فرمایا اور کبار محدثین سے ذخیرۂ احادیث اکٹھا فرمایا جس میں کتب مسانید کی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ترتیب پر حدیثیں مرتب کی گئی ہیں۔ اس مجموعہ کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ کتابِ مستطاب ۱۸، مسندوں پر مشتمل ہے۔ (۱) مسند عشرۂ مبشرہ (۲) مسند اہل بیت نبوی (۳) مسند ابن مسعود (۴) مسند عبداللہ بن عمر (۵) مسند عبداللہ بن عمرو بن العاص وابی رمثہ (۶) مسند حضرت عباس (۷) مسند عبداللہ بن عباس (۸) مسند ابوہریرہ (۹) مسند انس بن مالک (۱۰) مسند ابی سعید خدری (۱۱) مسند جابر بن عبداللہ انصاری (۱۲) مسند مکیاں (۱۳) مسند مدنیاں (۱۴) مسند کوفیاں (۱۵) مسند بصریاں (۱۶) مسند شامیاں (۱۷) مسند انصار (۱۸) مسند عائشہ مع مسند النساء۔ (بستان المحدثین، عبدالعزیز محدث دہلوی، ص: ۵۲، مطبع کراچی، پاکستان)

(۲) اُصولِ خمسہ کی بنا:

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عظمت اجتہاد کی پاسداری کے لیے فقہ وفتویٰ میں پانچ اساسی اصول کو اختیار فرمایا ہے۔(۱) نصوص قطعیہ: ان کی موجودگی میں دیگر اقوال قابل عمل نہیں۔ (۲) صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فتوے: جب کسی مسئلہ میں صحابی کا نظریہ پالیتے تو دیگر غیر صحابہ کے اقوال سے صرف نظر فرما کر صحابی کے قول پر فتویٰ صادر فرماتے۔ (۳) اختلاف صحابہ کا فیصلہ: کسی مسئلہ میں اگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مختلف الاقوال نظر آتے تو جو قول کتاب وسنت سے قریب تر معلوم ہوا، اسے اختیار فرماتے ورنہ اختلاف بیان فرما کر کسی بھی طرح کی ترجیح سے گریز کرتے۔ (۴) حدیث مرسل وضعیف سے استدلال فرماتے۔ (۵) قیاس سے استنباط: اگر مرسل وضعیف احادیث بھی ناپید ہوں تو بالآخر قیاس سے استنباط فرماتے مگر قیاس سے حتی الامکان گریز کرنے کی عادت تھی۔ (ملخص از اعلام الموقعین عن رب العالمین، ص: ۳۸، تا ۴۱)

فتنوں کا مجتہدانہ مقابلہ:

خلافت عباسیہ میں فلسفۂ یونان کے اثرات نے اسلام کے بنیادی عقائد کی بیخ کنی کرنا شروع کر دیا اور متکلمین کی ایک بڑی جماعت فلسفیانہ تصورات میں الجھ کر مختلف گروہوں میں منقسم ہوگئی جس کی شہہ پا کر عقلیت پرستی کا پرزور نمائندہ فرقۂ معتزلہ نے اسلام کے اندر نت نئے بے جا مسائل پیدا کر دیئے اور باطل نظریات کی ترویج واشاعت کی ہر ممکن کوشش کی۔ انہیں مسائل میں سے ایک مسئلہ ''خلق قرآن'' کا تھا، جس کو انہوں نے کفر وایمان کا مدار ٹھہرا کر ایک عظیم فتنہ میں تبدیل کر دیا اور اس کے نتیجہ میں کئی فقہا ومحدثین اور عامۂ مسلمین قید وبند اور قتل وقتال کی آزمائشوں سے دوچار ہوئے۔ مجتہد وقت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی جان ومال اور جاہ ومنصب کی پرواہ کیے بغیر صبر آزما قربانیاں پیش کیں۔

فتنۂ خلق قرآن کا آغاز:

اس کی ابتدا خلیفہ ہارون رشید کے دورِ خلافت میں پوشیدہ طور پر ہوئی۔ ہارون رشید کو جب ایک شخص کے بارے میں خبر ملی کہ وہ خلق قرآن کا قائل ہے تو اس کو قتل کرنے کا حلف اٹھایا مگر ہارون رشید کے بعد جب مامون برسر اقتدار ہوا تو خود معتزلہ کے افکار و نظریات سے بے حد متاثر ہوا۔ اس نے ۲۱۲ھ میں اعلان کروادیا کہ کلام الٰہی مخلوق ہے اور جو شخص اسے مخلوق تسلیم نہ کرے گا وہ سخت سزا کا مستحق ہوگا۔

۲۱۸ھ میں مامون نے عقیدۂ خلق قرآن کے سلسلہ میں کبار علما کی آزمائش کرنی چاہی۔ لہٰذا اس نے بغدار میں اپنے نائب اسحاق بن ابراہیم خزاعی معتزلی کے پاس علمائے بغداد کے بارے میں لکھا کہ جو خلق قرآن کے عقیدہ کے ہم خیال نہ ہوں ان کو بیڑیوں میں جکڑ کر امیرالمؤمنین کے لشکر کی جانب بھیج دو تا کہ امیر المومنین انہیں بحث و نظر سے خلق قرآن کا قائل کرلیں اگر وہ پھر بھی توبہ نہ کریں تو انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ اسحاق بن ابراہیم نے اس حکم کی بجا آوری کرتے ہوئے بغداد کے علما و مشائخ کے سامنے مامون کا خط پڑھ کر سنایا۔ خط سن کر حاضرین نے اس طرز پر جوابات دیئے جن میں اقرار وانکار کا پہلو اجاگر نہیں تھا۔ جب حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف متوجہ ہوکر آپ کی رائے طلب کی گئی تو آپ نے فرمایا: ”کلام اللہ“ پھر اسحاق نے سوال کیا کہ آیا مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟ آپ نے جواب دیا: ”وہ اللہ کا کلام ہے“ اور اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا۔ اسحاق نے سب کے جوابات لکھ کر مامون کے پاس بھیج دیئے۔ خط پا کر مامون نے تمام علما کے بارے میں سخت کلامی کی اور حقارت آمیز تنقید کرتے ہوئے امام احمد بن حنبل کے بارے میں لکھا کہ احمد سے کہدو کہ امیر المؤمنین اس کے جاہلانہ عقیدہ سے واقف ہیں اور وہ جان لے کہ اسے اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ حکم نامہ سن کر امام احمد بن حنبل، سجادہ، محمد بن نوح، قواریری کے سوا سارے علما نے قرآن کا مخلوق ہونا تسلیم کرلیا۔ اسحاق نے ان چاروں حضرات کو قید میں ڈلوایا، پھر دوسرے دن اس نے قید خانہ جا کر حالت اسیری میں

سوالات دہرائے۔ سجادہ نے فوراً اقرار کرلیا۔ زیادہ اصرار کرنے پر قواریری بھی خلق قرآن کے قائل ہوگئے۔ باقی دونوں حضرات اپنے اپنے موقف پر قائم رہے تو اسحاق نے ان دونوں کو مامون کے پاس روم بھیجنا طے کیا۔ پھر جب مامون کو یہ خبر ملی کہ کچھ لوگوں نے اس عقیدہ کا اعتراف جبراً کیا ہے تو اس پر مامون سرخ ہوگیا اور اسحاق کو یہ لکھا کہ جن لوگوں نے جبراً یہ عقیدہ مانا ہے، احمد اور محمد کے ساتھ انہیں بھی روانہ کرو۔ اسحاق نے سب کو روانہ کردیا مگر ان سب کے پہنچنے سے قبل ہی مامون انتقال کرگیا۔

امام احمد بن حنبل پر ظلم وتشدد:

۲۱۸ھ میں معتصم باللہ خلیفہ بنا تو مامون ہی کی طرح انتہا پسند معتزلی اور خلق قرآن کا داعی تھا۔ اس نے اپنے مقبوضہ ممالک میں پھر سے تجدیدی حکم نامہ جاری کیا کہ لوگ قرآن کے مخلوق ہونے کا اقرار کرلیں۔ ساتھ ہی معلمین کو انتباہ کیا گیا کہ وہ بچوں کے ذہن میں ابتدا ہی سے یہ جاگزیں کردیں کہ قرآن مخلوق ہے، معتصم نے بھی علما کے ساتھ ظلم وتشدد جاری رکھا اور شروع میں امام احمد کو حیلوں اور بہانوں سے عقیدۂ خلق قرآن کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی مگر جب ناکامی ہاتھ آئی تو ۲۲۰ھ میں آپ کو دربار میں طلب کیا اور بحث ومباحثہ کی غرض سے ایک مجلس مناظرہ منعقد کی۔ حضرت کے مقابلہ میں عبدالرحمٰن بن اسحاق، قاضی احمد بن ابی داؤد اور دیگر فضلا کو مقرر کیا۔ یہ مناظرہ لگاتار تین دنوں تک چلتا رہا۔ چوتھے دن بھی جب امام صاحب کے دلائل وبراہین کی پکڑ مضبوط رہی تو درمیان مناظرہ ہی معتصم نے درہ زنی کا حکم صادر کردیا۔ چنانچہ جلاد نے امام برحق کے جسم پر کوڑوں کی بارش شروع کردی۔ جب امام کو پہلا کوڑا مارا گیا تو آپ نے فرمایا: "بسم اللہ"، جب دوسرا کوڑا مارا گیا تو فرمایا: "لا حول ولا قوۃ الا باللہ"، تیسرے کوڑے پر فرمایا: "القرآن کلام اللہ غیر مخلوق" اور چوتھی ضرب پر فرمایا: "لا یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا"۔ بالآخر امام صاحب کو ۲۹، کوڑے لگائے گئے، اور شدت تکلیف سے آپ غش کھا کر زمین پر گر گئے۔ اس سزا کے بعد آپ کو کل ۲۸، ماہ قید میں رکھا گیا۔ (الاکمال فی اسماء الرجال، ص: ۶۲۲، شیخ ولی

الدین ابی عبداللہ خطیب صاحب مشکاۃ، ناشر: رضا اکیڈمی ممبئی)

۲۲۷ھ میں معتصم کا بھی انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا واثق باللہ تخت نشیں ہوا۔ اس نے بھی مسئلہ خلق قرآن میں کافی سختی برتی اور اس کی زد میں بھی بہت سے فقہا و محدثین قتل واسیری کی سزاؤں سے دوچار ہوئے مگر واثق نے امام صاحب کے ساتھ کسی طرح کی سختی نہیں کی البتہ ان کو جلاوطن کر دیا۔ امام صاحب اس کے دور خلافت تک روپوش رہے۔ خدا خدا کر کے گردش زمانہ کا رخ بدلا، ماہ ذی الحجہ ۲۳۲ھ میں واثق باللہ کے انتقال کے بعد متوکل باللہ خلیفہ جس نے ان باطل عقائد کی سرے سے بیخ کنی کی اور یہ اعلان عام کروادیا کہ قرآن مخلوق نہیں ہے جس سے معتزلہ کا سارا زور ٹوٹ کر بکھر گیا اور آخر کار اس فتنۂ عظیم کا خاتمہ ہو گیا اس طرح امام صاحب کو امتحان و آزمائش سے نجات دلا کر اعزاز واکرام کا فرمان بھی جاری کیا۔

اس عظیم آزمائش میں مذکورہ تمام شدائد کے باوجود آپ اظہار حق اور صدق بیانی سے کبھی باز نہ آئے اور اخیر دم تک عزیمت وثبات قدمی کے ساتھ اپنے موقف پر کاربند رہے۔ حضرت امام موصوف کی اس مثالی عزیمت وثبات قدمی نے اہل حق کو تقویت بخشی اور آپ کی ذات کریمہ اہل اسلام کے لیے سرچشمۂ ہدایت بن گئی۔ مشہور محدث اور امام بخاری کے استاد علی بن مدینی ارشاد فرماتے ہیں: "ان اللہ اعز ھذا الدین برجلین لیس لھما ثالث ابوبکر الصدیق یوم الردۃ واحمد بن حنبل یوم المحنۃ" اللہ جل شانہ نے اس دین کو دو فرد کے ذریعہ اعزاز بخشا، ان دونوں کے علاوہ تیسرے کو یہ منصب حاصل نہیں ارتداد (فتنۂ منکرین زکوۃ) کے موقع سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ اور فتنۂ خلق قرآن کے دور میں آزمائش کے موقع پر حضرت امام احمد بن حنبل کے ذریعہ۔ (تاریخ بغداد، ج: ۲، ص: ۲۱۸، ابوبکر علی بن احمد بن ثابت خطیب بغدادی، مطبع: مصر)

دوسری صدی کے مجدد

حضرت ابو علی حسن بن زیاد لؤلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت: ۱۱۶ھ۔ وصال: ۲۰۴ھ

تجدیدی کارنامے

(۱) تصانیف:

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب روایتوں کا مجموعہ ''المجرد'' کے نام سے ترتیب دیا۔ اس کے علاوہ بھی کئی کتابیں تصنیف کیں اور وہ یہ ہیں: (۱) کتاب ادب القاضی (۲) کتاب الخصال (۳) کتاب معانی الایمان (۴) کتاب النفقات (۵) کتاب الخراج (۶) کتاب الفرائض (۷) کتاب الوصایا (۸) کتاب الامالی۔ علامہ بدرالدین العینی نے اپنی کتاب ''مغانی'' میں ان کی چند مزید تالیفات کا ذکر کیا ہے۔ کتاب التھمہ، کتاب الاجارہ اور کتاب الصرف۔

آپ سے مروی احادیث:

حضرت امام حسن بن زیاد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کثیر احادیث بھی مروی ہیں، چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ محمد بن سماعہ سے روایت ہے "قال محمد بن سماعه سمعت الحسن بن زياد يقول كتبت عن ابى جريج اثنى عشر ألف حديث كلها يحتاج اليها الفقهاء" (الجواهر المضيه فى طبقات الحنفية، ص: ۱۲۷) میں نے ابن جریج سے بارہ ہزار ایسی حدیثیں لکھیں جن کی فقہا کو سخت حاجت ہے۔ آپ نے امام اعظم ابو حنیفہ سے بھی کثیر روایات حفظ کی ہیں۔

(۲) خشیت الٰہی اور فتویٰ میں احتیاط:

آپ کے زہد و ورع اور خشیت الٰہی کا عالم یہ تھا کہ آپ سے کسی نے فتویٰ دریافت کیا،

آپ نے فتویٰ دیا لیکن بعد میں خیال آیا کہ میں نے فتویٰ غلط دے دیا ہے سائل کا نام و پتہ معلوم نہ تھا آپ نے ایک منادی کو اجرت پر رکھا اور پورے علاقے میں ندا کرادی کہ فلاں دن حسن بن زیاد سے فلاں مسئلہ کون پوچھنے آیا تھا حسن بن زیاد نے مسئلہ غلط بتادیا ہے لہٰذا صحیح جواب جا کر معلوم کر لے۔ جب تک وہ سائل نہ آیا آپ نے فتویٰ دینا موقوف رکھا پھر جب سائل آیا تو آپ نے فرمایا جو جواب دیا گیا تھا وہ درست نہ تھا صحیح جواب یہ ہے۔

(حدائق الحنفیہ، ص: ۱۶۳)

(۳) تجدید دین کا اعتراف:

مذہب اسلام کے تعلق سے آپ کے کارنامے اور حدیث رسول پر آپ کی خدمات کو دیکھتے ہوئے علمائے کرام نے آپ کا شمار مجددین اسلام کی فہرست میں کیا ہے۔ چنانچہ "مجمع بحار الانوار" میں طاہر محدث بٹنی نے، "طبقات القاری" کے حوالہ سے "حدائق الحنفیہ" میں فقیر محمد جہلمی نے "جامع الاصول" میں مجدالدین ابن اثیر جزری نے، "تذکرۂ مجددین اسلام" میں غلام مصطفیٰ مجددی ایم اے پاکستان نے، اور "امام احمد رضا اور جدید افکار و نظریات" میں مولانا یٰس اختر مصباحی نے انہیں مجدد شمار کیا ہے۔

تلامذہ:

آپ کے شاگردوں کی فہرست بھی طویل ہے جنہوں نے زانوے ادب طے کر کے آپ کی بارگاہ سے اکتساب فیض کیا ہے وہ سرخیل طلبہ میں سے چند کے اسما درج ذیل ہیں:

فتح بن عمر کشی، ابو ہشام رفاعی، نصیر بن بلخی، محمد بن سماعہ، اسحاق بن بہلول شیوخی، شعیب بن ایوب صریفینی، ولید بن حماد لولوی، ابراہیم بن اسماعیل طلحی، طاہر بن ابو احمد، اسماعیل بن حماد بن ابو حنیفہ، خلف بن ایوب بلخی، ہارون رشید، مامون، نمر بن جدار، امام محمد بن شجاع تلجی، علی بن ہشام مرزوق، محمد بن مقاتل رازی، عمرو بن مہیر، احمد بن سلیمان رہاوی، احمد بن عبدالحمید حارچی، ابراہیم بن عبد نیشاپوری وغیرہ۔ (الامتناع، ص: ۱۹)

تیسری صدی کے مجدد

حضرت سیدنا امام اہل سنت ابو الحسن علی بن اسماعیل اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت: ۲۶۰ھ۔ وصال: ۳۲۴ھ

تجدیدی کارنامے

آپ نے اپنی تحریر وتقریر کے ذریعہ اعتزال کی سرکوبی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ رکھا، کتاب وسنت کے حقائق اور اہل سنت کے عقائد کو عقلی دلائل سے مزین کیا۔ معتزلہ اور دوسرے فرقوں سے ایک ایک مسئلے اور ایک ایک عقیدے میں انہیں کی زبان واصطلاحات میں بحث کر کے اہل سنت کی صداقت اور حقانیت کو روزِ روشن کی طرح عیاں کر دیا۔

باطل کی سرکوبی:

آپ خود معتزلہ کی مجلسوں میں جا کر، ان کے سر برآوردہ لوگوں سے مل کر ان کو مطمئن کرنے اور حق کی تفہیم کرنے کی کوشش کرتے تھے، کسی نے آپ سے کہا کہ آپ اہل بدعت (معتزلہ، قدریہ، خوارج وروافض) سے کیوں ملتے ہیں اور ان کے پاس چل کر کیوں جاتے ہیں جب کہ ان سے کنارہ کشی کا حکم دیا گیا ہے؟ آپ نے جواب دیا: کیا کروں وہ بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں کوئی حاکم شہر ہے، کوئی قاضی ہے، وہ اپنے عہدے اور وجاہت کی وجہ سے میرے پاس آنے سے رہے، اگر میں بھی ان کے پاس نہ جاؤں تو حق کا اظہار کیسے ہوگا اور ان کو کیسے معلوم ہوگا کہ اہل سنت کا بھی کوئی ناصر وحامی اور دلائل سے ان کے مذہب کو ثابت کرنے والا ہے۔ (تبیین کذب المفتری، ج:۱/ص:۱۱۶)

یوں تو آپ ابتدا ہی سے زبان آور، بحّاث اور مناظر طبیعت واقع ہوئے تھے، یہ آپ

کا فطری ذوق اور خداداد صلاحیت تھی مگر عرفانِ حق اور تائیدِ الٰہی نے آپ کی ان صلاحیتوں اور قوتوں کو اور جلا بخشی اور انہیں درجۂ کمال تک پہنچا دیا، آپ عقلیات اور علم کلام میں مجتہدانہ دماغ کے مالک تھے، معتزلہ کے سوالات اور اعتراضات کے جوابات اس آسانی کے ساتھ دیتے تھے محسوس ہوتا تھا کہ کوئی تجربہ کار، کہنہ مشق اور ماہر فن استاد، مبتدی طالب علموں کے سوالات کا جواب دے رہا ہے۔

مناظرہ اور حاضر جوابی:

آپ کے ایک شاگرد بیان کرتے ہیں:

''میں شیراز سے بصرہ آیا مجھے امام ابوالحسن اشعری کی زیارت کا شوق تھا، لوگوں نے مجھے ان کا پتا بتایا میں آیا تو آپ ایک مجلس مناظرہ میں تھے وہاں معتزلہ کی ایک جماعت تھی اور وہ لوگ گفتگو کر رہے تھے، جب وہ خاموش ہوئے تو امام ابوالحسن اشعری نے گفتگو کا آغاز کیا، ایک ایک کو مخاطب کر کے کہا: تم نے یہ کہا تھا تمہارا جواب یہ ہے اور تم نے یہ اعتراض کیا تھا، اس کا جواب یہ ہے، یہاں تک کہ آپ نے سب کا جواب دے دیا، جب آپ مجلس سے اٹھے تو میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے چل دیا اور آپ کو اوپر سے نیچے تک دیکھنے لگا آپ نے فرمایا: ''کیا دیکھتے ہو؟'' میں نے عرض کیا: ''دیکھ رہا ہوں کہ آپ کی کتنی زبانیں ہیں؟ کتنے کان ہیں؟ اور کتنی آنکھیں ہیں؟ کہ آپ سب کی سنتے ہیں سب کی سمجھتے ہیں اور سب کا جواب دیتے ہیں یہ سن کر آپ ہنس پڑے۔ (مصدر سابق، ج:۱،ص:۹۵)

آپ کے بیشتر مناظرے ابوعلی جبائی معتزلی کے ساتھ ہوئے جن میں آپ غالب رہے جب آپ کی تالیفات اور مذہب اہل سنت کی نصرت وحمایت میں اضافہ ہوا تو اہل سنت وجماعت سے مالکی، شافعی اور حنفی آپ سے وابستہ ہو گئے، اس طرح مشرق ومغرب میں اہل سنت وجماعت آپ ہی کی زبان سے بولنے لگے اور آپ ہی کے دلائل پیش کرنے لگے۔ (تبیین کذب المفتری، ج:۱،ص:۱۱۷)

آپ علم کلام میں درجۂ امامت پر فائز تھے، بعد کے متکلمین نے آپ کی خداداد ذہانت، نکتہ رسی، بالغ نظری اور علمی گہرائی اور گیرائی کا لوہا مانا ہے، شیخ ابواسحاق اسفرائینی کا پایہ کلام واصول میں مسلم ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

''میں (امام ابوالحسن اشعری کے شاگرد) ابوالحسن باہلی کے سامنے ایسا تھا جیسے سمندر کے مقابلے میں قطرہ''، اور شیخ باہلی کہتے تھے کہ ''میری حیثیت امام ابوالحسن اشعری کے سامنے ایسی تھی جیسے سمندر کے پہلو میں ایک قطرہ۔'' (مصدر سابق، ص:۱۲۵)

قاضی ابوبکر باقلانی سے جن کو ان کے معاصرین نے ان کی فصاحت، حسن تقریر، قوتِ تحریر کی وجہ سے ''لسان الامة'' کا خطاب دیا تھا کسی نے کہا کہ آپ کا کلام امام ابوالحسن اشعری کے کلام سے زیادہ عمدہ اور بلند ہوتا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ ''میری سعادت یہی ہے کہ میں امام ابوالحسن کے کلام کو سمجھ لوں۔'' (مصدر سابق، ص:۱۲۶)

آپ کا مسلک:

امام ابوالحسن اشعری نے معتزلہ اور محدثین کے درمیان ایک معتدل اور درمیانی مسلک اختیار کیا، نہ ہی آپ معتزلہ کی طرح عقل کی غیر محدود فرمانروائی اور طاقت کے قائل تھے اور نہ بعض پرجوش محدثین وحنابلہ کی طرح دین کی نصرت وحمایت اور عقائد اسلامیہ کی حفاظت کے لیے عقل کا انکار اور اس کی تحقیر ضروری گردانتے تھے بلکہ آپ معتزلہ اور فلسفہ زدہ علماء سے ان کی اصلاحات اور علمی زبان میں گفتگو کرتے تھے جن سے مذہب حق اور عقائد اہل سنت کو تقویت ملتی تھی۔

آپ باطل فرقوں کے رد میں ہمہ تن مصروف رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان فرقوں کے معتوب بھی بنے بلکہ ان متشدد محدثین اور جامد حنابلہ نے بھی آپ کو نشانہ بنایا جن کے نزدیک ان مباحث میں حصہ لینا اور فلسفہ کی اصطلاحات کا استعمال کرنا اور نقلی مسائل ومباحث میں دلائل عقلیہ سے کام لینا ہی ایک گمراہی کی بات تھی۔

آپ اس بات کے قائل تھے کہ عقائد کا ماخذ اور الٰہیات و مابعد الطبیعاتی مسائل کے علم کلام کا سر چشمہ کتاب وسنت ہیں، نہ کہ عقلِ محض اور قیاسات یا یونانی الٰہیات، اس کے باوجود آپ اس بات سے متفق نہ تھے کہ زمانے کے اثرات یا فلسفے کے اختلاط سے عقائد کے بارے میں جو مسائل چھڑ گئے ہیں، جن کے نتیجے میں مستقل گروہ اور فرقے بن گئے ہیں ان سے صرف اس بنا پر سکوت اختیار کیا جائے کہ حدیث میں ان مسائل ومباحث اور الفاظ واصطلاحات کا ذکر نہیں ہے، کیوں کہ اس سے شریعت کا وقار مجروح ہوگا، اس لیے آپ ان حقائق وعقائد کے ثبوت میں تائید کے لیے عقلی استدلال اور فلسفیانہ الفاظ و اصطلاحات استعمال کرنے کو نہ صرف جائز بلکہ وقت کے تقاضے کی بنا پر ضروری سمجھتے تھے۔

بہر حال آپ نے دونوں گروہوں کی رضامندی اور ناراضی سے بے پرواہ ہو کر دین کی نصرت حمایت کے لیے جو طریقہ کار مناسب سمجھا بڑی لگن اور تن دہی کے ساتھ اس میں مصروف رہے اس طرح آپ کی طاقت، شخصیت، عقلیت، اور مجتہدانہ دماغ نے معتزلہ ، فلاسفہ، اور دیگر باطل فرقوں کے سحر کو باطل کر دیا اور سنت وشریعت کا اقتدار از سرِ نو قائم کر دیا، اکھڑتے ہوئے قدموں کو جما دیا، عقائد سواد اعظم اہل سنت کو دلائل عقلیہ سے مبرہن کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل سنت میں ایک نیا اعتماد اور ایک نئی زندگی پیدا ہوگئی اور وہ احساسِ کمتری ختم ہو گیا جو سواد اہل سنت کی جڑوں کو دیمک کی طرح چاٹے جا رہا تھا، معتزلہ آپ کے مقابلے میں پست ہو گئے۔ اور دنیا سے معتزلہ فرقہ کا خاتمہ ہو گیا۔

تصنیفات:

امام ابوالحسن اشعری نے صرف بحث ومناظرہ اور زبانی تقریر وتفہیم پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ عقائدِ باطلہ کی تردید میں عظیم الشان اور گراں مایہ تصانیف بھی تحریر کی ہیں بعض مولفین نے آپ کی تصنیفات کی تعداد ڈھائی سو سے تین سو تک بیان کی ہے۔ (تبیین کذب المفتری، ج:۱،ص:۱۳۶) جن میں سے اکثر معتزلہ کے رد میں اور بعض دوسرے مذاہب وادیان اور

فرقوں کی تردید میں ہیں۔

آپ نے اہل سنت کے عقیدے کے مطابق قرآن کریم کی تفسیر فرمائی (تبیین کذب المفتری، ج:۱،ص:۱۳۶) جو ذہبی کے بقول تیس اجزا پر مشتمل ہے، آپ کی ایک اہم کتاب ''الفصول'' ہے جس میں آپ نے فلاسفہ طائعین (نیچری)، دہریہ، ہندوؤں، یہودیوں عیسائیوں اور مجوسیوں کا رد کیا ہے، یہ بڑی ضخیم کتاب ہے اور بارہ کتابوں کا مجموعہ ہے۔ (تبیین کذب المفتری، ج:۱،ص:۱۲۸)

آپ کی بعض مشہور کتابیں یہ ہیں: "اللمع، الموجز، ایضاح البرهان، التبيين عن اصول الدين، الشرح والتفصيل فی الرد علی اهل الافك والتضليل"۔ (وفیات الاعیان لابن خلکان، ج:۳،ص:۲۸۵)

علوم عقلیہ کے علاوہ علوم شریعت میں بھی آپ نے متعدد کتابیں یادگار چھوڑیں جن میں کتاب القیاس، کتاب الاجتهاد، خبر الواحد، وغیرہ مشہور ہیں، امام ذہبی نے فرق الاسلامیین واختلاف المصلین والابانۃ کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ (تاریخ الاسلام حوادث ووفیات :۳۲۱،۳۳۰ھ،ص:۱۵۷)

تیسری صدی کے مجدد

حضرت امام ابوالعباس عمر بن سریج شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت: ۲۴۰ھ۔ وصال: ۳۰۶ھ

تجدیدی کارنامے

حضرت امام قاضی ابوالعباس بن شریح شافعی نے اپنے عہد کے ظاہریہ، معتزلہ اور دیگر فتنوں کا بڑی پامردی کے ساتھ قلع قمع کیا اور دین وسنت کی تجدید واحیا کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔ ذیل میں کچھ تجدیدی کارنامے سپرد قرطاس ہیں:

فتنۂ ظاہریہ کا ردبلیغ:

قاضی ابوالعباس بن سریج شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا سب سے نمایاں تجدیدی کارنامہ "فتنۂ ظاہریہ" کا ردبلیغ ہے۔ فتنۂ ظاہریہ کے بانی ابوداؤد ظاہری اور اس کے بیٹے محمد بن داؤد ظاہری آپ ہی کے ہم عصر تھے۔ جب داؤد ظاہری کے باطل نظریات وعقائد زور پکڑنے لگے تو آپ نے اپنی شان مجددیت سے ہر طریقے سے اس فتنے کا تعاقب کیا۔ یہ آپ ہی کی مجددانہ مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے کہ آج داؤد ظاہری کے متبعین صفحۂ ہستی سے تقریباً کالعدم ہیں۔ ذیل میں کچھ مناظرے جو ابوداؤد ظاہری اور محمد بن داؤد ظاہری سے آپ نے کیے تھے سپرد قرطاس ہیں۔

ابوالحسین عبداللہ بن احمد بن محمد بن المغاس الداودی کا بیان ہے: "کان ابوبکر محمد بن داؤد وابو العباس بن سریج اذا حضرا مجلس القاضی ابی عمر لم یجز بین فیما یتفا وضانہ احسن مما یجزی بینھما۔" (جب ابوبکر محمد بن داؤد ظاہری اور ابوالعباس بن سریج شافعی ابوعمر بن یوسف بصری مالکی کی مجلس قضا میں آتے تو ان دونوں کا بحث ومباحثہ سب سے حسین بحث ومباحثہ ہوتا)

ایک دن ابو بکر محمد بن داؤد ظاہری نے قاضی ابو العباس بن شریح شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا "امھلنی ساعۃ" (مجھے کچھ وقت کی مہلت دیجئے) تو امام ابو العباس بن شریح شافعی نے فرمایا "امھلتك من الساعۃ الیٰ ان تقوم الساعۃ" (میں تجھے ابھی سے قیامت قائم ہونے تک مہلت دیتا ہوں) (طبقات الفقہا، ص:۱۰۹)

مناظرہ:

حکایت کی گئی ہے کہ "ایک دن ابو العباس بن شریح شافعی اور محمد بن داؤد ظاہری ایک ساتھ جمع ہوئے تو ابن داؤد نے حجت قائم کی کہ ام ولد کی بیع جائز ہے، کیوں کہ ہم لوگوں کا اجماع ہے کہ باندی کا بیچنا جائز ہے تو جو یہ دعویٰ کرے کہ یہ حکم باندی کی ولادت سے بدل جائے گا۔ تو اس پر لازم ہے کہ دلیل قائم کرے۔ تو قاضی ابو العباس بن شریح شافعی نے فرمایا ہم لوگوں کا اجماع ہے کہ جب باندی حاملہ ہو جائے تو نہیں بیچی جائے گی تو جو یہ دعویٰ کرے کہ بیچی جائے گی جب کہ حمل ختم ہو جائے تو اس پر دلیل قائم کرنا لازم ہے، اس پر ابو بکر محمد بن داؤد مبہوت ہو گیا۔ (طبقات الشافعیۃ الکبری، ج:۳،ص:۲۲)

تصانیف:

قاضی ابو العباس بن شریح شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مذہب شافعیت کی تلخیص و شرح کی۔ مذہب شافعیت کے اصول و فروع کو تدوین و تالیف کے مراحل سے گزارا نیز خود ساری زندگی ان پر عمل کر کے بھی دکھایا۔ آپ کثیر التصانیف تھے۔ جن میں حدیث، تفسیر، فقہ، اصول فقہ، کلام اور تاریخ پر زبردست تحقیقات شامل ہیں، آپ کی یہ باقیات صالحات آپ کے علمی و فکری و فقہی تجربہ پر دلالت کرتی ہیں۔ آپ کی تصانیف میں نظر ڈالنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمام مروجہ علوم میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ فقہ و حدیث میں امام بے عدیل اور فاضل بے مثل تھے۔ آپ کی تصانیف جمع و تحقیق اور کثرت فوائد سے لبریز ہیں۔ نیز یہ کہ اصحاب الرای اور اہل الظواہر کے رد میں کثیر کتابیں تصنیف کیں یہاں تک کہ ابو الحسن

الشیر جی القرضی نے کہا: قاضی ابوالعباس بن شریح شافعی نے تقریباً سو کتابیں مختلف موضوعات پر تصنیف کیں۔ (طبقات الفقہاء، ص:۱۰۹) ان میں سے چند کتابیں درج ذیل ہیں:

(۱) الاقسام والخصال فی فروع الفقه الشافعی (۲) تضیف علی مختصر المزنی (۳) جواب القاشانی فی الاسئلة (۴) التقریب بین المزنی والشافعی (۵) الرد علی عیسی بن آبان (۶) الرد علی محمد بن الحسن (۷) العین والدین فی الوصایا (۸) الغنیه فی الفروع (۹) الفرود فی القروع (۱۰) مختصر فی الفقه (۱۱) الوداع لنصوص الشرائع. (طبقات الفقہاء، ص:۱۰۹)

تیسری صدی کے مجدد

حضرت امام احمد بن شعیب بن علی نسائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت: ۲۱۵ھ۔ وصال: ۳۰۳ھ

تجدیدی کارنامے

قلمی جواہر پارے:

امام نسائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حد درجہ مصروفیت کے باوجود درجنوں کتابیں تصنیف فرمائیں اور قیامت تک آنے والی نسلوں کے لیے ایک قیمتی سرمایہ چھوڑ گئے جن سے آج بھی علما و فقہا اکتساب فیض کر رہے ہیں۔ یہاں چند نمایاں کتب کے اسما ذکر کیے جاتے ہیں:

السنن الکبریٰ، المجتبیٰ، خصائص علی، مسند علی، مسند مالک، کتاب الضعفاء، مسند منصوری، فضائل الصحابہ، کتاب التمییز، کتاب المدلسین، کتاب الاخوہ، کتاب الجرح والتعدیل، مشیخۃ النسائی، اسماء الرواۃ، مناسک حج۔

''خصائص مولیٰ علی'' تصنیف پر اعتراض و جواب:

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بیان کیا کہ امام نسائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جب کتاب ''خصائص مولیٰ علی مرتضیٰ'' حضرت علی اور اہل بیت اطہار کی شان اقدس میں تالیف فرمائی۔ تو لوگوں نے کہا کہ آپ نے فضائل صحابہ میں کوئی کتاب کیوں تصنیف نہیں کی؟ فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ میں جب ملک شام کے شہر دمشق آیا تو شامی لوگوں کو اس حال میں پایا کہ وہ امیر المؤمنین حضرت مولیٰ علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منحرف ہیں اور ان کی شان میں بدگوئی کرتے ہیں۔ میں نے چاہا کہ اللہ ان لوگوں کو ہدایت عطا کرے اس لیے یہ کتاب تالیف کی۔ (اشعۃ اللمعات، اردو، شرح مشکوۃ، جلد: اول، ص: ۱۶۰، مترجم: علامہ محمد سعید احمد نقشبندی،

مکتبہ: جیلانی بکڈپو، مٹیا محل جامع مسجد، دہلی)

امام نسائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سب سے پہلے ''سنن نسائی کبیر'' تصنیف کی پھر اسی کتاب کا اختصار کیا اور اختصار کردہ کتاب کا نام ''مجتبیٰ'' رکھا۔ اختصار کی وجہ یہ ہے کہ جب آپ نے سنن نسائی کبیر تصنیف فرمائی تو یہ کتاب امیر رملہ (فلسطین) کے سامنے پیش کی۔ امیر نے دریافت کیا: کیا آپ کی کتاب میں موجودہ جملہ احادیث کریمہ صحیح ہیں۔ آپؒ نے فرمایا: نہیں بلکہ اس کتاب میں صحیح اور حسن دونوں قسم کی احادیث ہیں اس پر امیر نے آپ سے یہ التجا کی کہ خالص صحیح احادیث پر مشتمل ایک الگ کتاب ترتیب دیں تو آپ نے امیر کی خواہش پر ایک نیا مجموعہ ترتیب دیا جسے ''مجتبیٰ'' کے نام سے موسوم کیا۔ اسی کا معروف نام ''سنن نسائی'' ہے۔ ہر وہ حدیث جس کی سند میں قیل وقال کی گئی اور نقص وعیب بیان کیا گیا اس کتاب سے خارج کر دیا۔ جب محدثین عظام یوں بیان فرماتے ''رواہ النسائی'' تو اس سے محدثین کرام کی مراد یہ مختصر کتاب ''مجتبیٰ'' ہی ہوتی ہے نہ کہ وہ بڑی کتاب۔ اسی طرح بعض دفعہ جب علما فرماتے ہیں ''کتب خمسہ یا اصول خمسہ'' تو اس سے بخاری، مسلم، سنن ابوداؤد، جامع ترمذی اور مجتبیٰ (نسائی) مراد ہوتی ہیں۔ (ایضاً ص:۱۵۹)

فن حدیث میں نمایاں مقام:

امام نسائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو علم حدیث میں زبردست وملکہ مہارت اور نمایاں مقام حاصل تھا۔ حدیث بیان کرنے میں امام بخاری، امام مسلم اور امام ترمذی میں سے ہر ایک کا انداز اور اسلوب الگ الگ ہے۔ لیکن امام نسائی نے بیان حدیث کے سلسلے میں ایسا انداز اپنایا کہ ان میں تینوں محدثین کے اسلوب یکجا نظر آتے ہیں۔ جس سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ امام نسائی کو جہاں اسناد کے راویوں کی چھان پرکھ پر عبور حاصل تھا وہیں آپ اس روایت کے مختلف طرق پر بھی نگاہ رکھتے تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ استنباط مسائل کے لیے جو روایت جس باب میں مناسب تھی آپ نے اسے وہاں بیان کر دیا تاکہ کسی طرح کی دشواری

محسوس نہ ہو۔

حافظ ابوعبداللہ نیشاپوری فرماتے ہیں کہ میں نے ابوعلی حافظ نیشاپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا کہ آپ اہل اسلام میں چار افراد کو حافظ حدیث کہتے تھے۔ ان میں پہلا نام ابوعبدالرحمٰن نسائی کا لیتے تھے۔ حاکم سے یہی بات منقول ہے کہ انہوں نے ابوالحسن علی بن عمر دارقطنی سے کئی بار سنا، فرماتے تھے کہ علم حدیث اور راویوں پر جرح وتعدیل کے فن میں امام نسائی کو اپنے زمانے کے تمام لوگوں پر فوقیت حاصل ہے۔ آپ نہایت محتاط اور متقی وپرہیزگار تھے۔ (ایضاً، ص:۱۵۹)

تیسری صدی کے مجدد

حضرت امام ابو جعفر احمد بن سلامہ طحاوی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت:۲۳۹ھ۔وصال:۳۲۱ھ

تجدیدی کارنامے

تبدیلئ مذہب:

آپ ابتدا میں شافعی المذہب تھے، بعد میں شافعیت چھوڑ کر حنفی مسلک اختیار کرلیا، تبدیلی مسلک کی مختلف وجہیں موٴرخین نے بیان کی ہیں، امام ذہبی نے اس کی ایک وجہ یہ بیان کی ہے:

"کان اولاً شافعياً يقرأ علی المزنی فقال واللہ لاجاء منك شئی فغضب من ذلك وانتقل الیٰ ابی عمران فلما صنف مختصرہ قال رحمہ اللہ أبا ابراھیم لو کان حیاً لکفر عن یمینہ"۔ (تذکرۃ الحفاظ للذھبی، ج:۳،ص:۲۱،مطبوعہ:دارالکتب العلمیہ، بیروت،لبنان،طبع اول:۱۹۹۸ء)

ترجمہ: آپ پہلے شافعی تھے اور امام مزنی سے پڑھا کرتے تھے انہوں نے ایک دن آپ سے کہہ دیا بخدا تم سے کچھ بھی نہیں بن پڑے گا اس پر ناراض ہو گئے اور ابن ابی عمران کے حلقۂ درس میں داخلہ لے لیا۔ جب آپ نے اپنی مختصر لکھی تو کہنے لگے اللہ تعالیٰ ابو ابراہیم پر رحم کرے اگر وہ زندہ ہوتے تو انہیں اپنی قسم کا کفارہ ادا کرنا پڑتا"۔

لیکن راقم کے خیال میں یہ کوئی ایسی وجہ نہیں ہے جس کی وجہ سے آپ اپنا مسلک تبدیل کر دیں، اس کی اصل وجہ یہ ہے جسے عبد العزیز پرہاروی نے بیان کیا ہے، آپ فرماتے ہیں:

"ان الطحاوی کان شافعی المذھب فقرأ فی کتابہ ان الحاملۃ اذا

ماتت وفی بطنها ولد حی لم یشق بطنها خلافاً لابی حنیفة وکان الطحاوی ولداً مشقوقاً فقال لا ارضیٰ بمذهب رجل یرضیٰ بهلاکی فترك مذهب الشافعي وصار من عظماء المجتهدین علیٰ مذهب ابی حنیفة"۔ (نبراس، علامہ عبدالعزیز پرہاروی، ص: ۷۳، مطبوعہ: مکتبہ: امدادیہ ملتان، پاکستان)

ترجمہ: امام طحاوی ابتداءً شافعی المذہب تھے ایک دن انہوں نے امام شافعی کی کتاب میں پڑھا کے جب حاملہ عورت مرجائے اور اس کے پیٹ میں بچہ زندہ ہو تو نکالنے کے لیے اس کے پیٹ کو چاک نہیں کیا جائے گا۔ اس کے برخلاف امام اعظم کا مذہب یہ ہے کہ بچہ کو پیٹ چاک کر کے نکالا جائے گا، اتفاقاً امام طحاوی کو بھی مذہب حنفی کے مطابق پیٹ چاک کر کے نکالا گیا تھا امام طحاوی نے اس کو پڑھ کر کہا میں اس شخص کے مذہب سے راضی نہیں جو میری ہلاکت پر راضی ہو پھر انہوں نے شافعیت کو چھوڑ دیا اور حنفیت اختیار کی اور اس مسلک کے عظیم فقیہ اور مجتہد ہوئے"۔

تجدیدی کارنامہ واصلاح امت محمدیہ:

تجدید کے معنی یہ ہیں کہ مجدد میں ایک صفت یا چند صفتیں ایسی پائی جائیں جن سے امت محمدیہ کو دینی فائدہ ہو جیسے تعلیم وتدریس، وعظ ونصیحت، امر بالمعروف، نہی عن المنکر لوگوں سے مکروہات کا دفع اور اہل حق کی امداد۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ملک العلماء علامہ ظفرالدین بہاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ج: ۲، ص: ۴۱۹، مطبوعہ: مرکز اہل سنت برکات رضا پور بندر گجرات، طبع: ۲۰۰۳ء)

علامہ حقی کی تصریح کے مطابق مجدد کے لیے یہ ضروری ہے کہ جس صدی میں پیدا ہوا س کے خاتمہ اور جس صدی میں انتقال کرے اس کے اول میں مشہور ومعروف، مشار الیہ، مایضاف ہو۔ (مرجع سابق)

امام جعفر طحاوی کی ذات والاصفات میں وہ تمام صفتیں بدرجۂ اتم موجود تھیں جن کا تذکرہ ایک مجدد کے سلسلے میں مذکورہ عبارت میں کیا گیا ہے۔ آپ تیسری صدی کے اواخر اور

چوتھی صدی کے اوائل میں مشہور و معروف ہی نہیں بلکہ مرجع خلائق تھے۔ آپ کی علمی قدر و منزلت کا طوطی بولتا تھا۔ آپ ہمیشہ شریعت مطہرہ اور مذہب حق کی نصرت و حمایت کا فریضہ انجام دیتے تھے اور مخالفین مذہب وملت کا بحسن وخوبی ردوقدح کرتے، اس میں کبھی نہ کسی لومہ لائم کی پرواہ کی اور نہ کسی کے طعن و تشنیع کے خیال سے حق کہنے میں کوتاہی فرمائی۔ انہیں خصوصیات کی بنیاد پر مجمع بحار الانوار میں طاہر محدث پٹنی نے، مجد الدین ابن اثیر جزری نے جامع الاصول میں، تذکرۂ مجددین اسلام میں غلام مصطفیٰ مجددی پاکستانی نے اور امام احمد رضا وتجدید افکار ونظریات میں مولانا یٰسین اختر مصباحی نے انہیں مجدد شمار کیا ہے۔

امام طحاوی اور شخصیت کا احترام:

حافظ ابن حجر عسقلانی نے "لسان المیزان" میں ایک واقعہ نقل کیا ہے آپ فرماتے ہیں:

"امام طحاوی قاضی ابوعبیدہ کے نائب تھے لیکن ان کو ہمیشہ صحیح روش کی تلقین کرتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے قاضی صاحب سے فرمایا کہ وہ اپنے کارندوں کا محاسبہ کیا کریں۔ قاضی صاحب نے جواب دیا اسماعیل بن اسحاق اپنے کارندوں کا حساب نہیں لیتے تھے۔ امام طحاوی نے فرمایا کہ قاضی بکار اپنے کارندوں کا محاسبہ کیا کرتے تھے۔ قاضی صاحب نے پھر اسماعیل کی مثال دی۔ امام طحاوی نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے کارندوں کا محاسبہ کیا کرتے تھے اور اس سلسلے میں ابن بتیتہ کا قصہ سنایا۔ جب کارندوں کو اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ غضب ناک ہو گئے اور انہوں نے قاضی صاحب کو امام طحاوی کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا یہاں تک کہ قاضی صاحب امام طحاوی کے مخالف ہو گئے اسی اثنا میں قاضی صاحب کو معزول کر دیا گیا۔ جب امام طحاوی نے ان کو معزولی کا پروانہ پڑھا تو کچھ لوگ کہنے لگے آپ کو مبارک ہو امام طحاوی یہ سن کر سخت ناراض ہوئے اور کہنے لگے قاضی صاحب بہر حال ایک صاحب علم آدمی تھے میں اب کس کے ساتھ علمی گفتگو کیا کروں گا"۔

(لسان المیزان، ج:۱،ص:۲۲۳، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت، طبع ثانی:۲۰۰۱ء)

تصنیفی خدمات:

امام طحاوی کی خدمات علوم وفنون کے میدان میں مسلم ہیں، لیکن تصنیفی خدمات ان تمام میں نمایاں ہیں۔ آپ کثیر کتابوں کے مصنف تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، تاریخ، رجال ومناقب ان تمام موضوع پر گراں قدر تصنیفات یادگار چھوڑیں جن کی تفصیل یہ ہیں:

(۱) احکام القرآن (۲) شرح معانی الاثار (۳) مشکل الاثار (۴) اختلاف العلماء (۵) کتاب الشروط (۶) شروط الصغیر (۷) شروط الاوسط (۸) مختصر الطحاوی فی الفقه (۹) النوادر الفقهیه (۱۰) کتاب النوادر والحکایات (۱۱) حکم ارض مکه (۱۲) حکم الفئی والغنائم (۱۳) نقض کتاب المدلسین (۱۴) کتاب الاشربه (۱۵) الرد علی عیسیٰ بن ابان (۱۶) الرد علی ابی عبیده (۱۷) اختلاف الروایات (۱۸) الرزیه (۱۹) شرح الجامع الکبیر (۲۰) شرح الجامع الصغیر (۲۱) کتاب المحاضر والسجلات (۲۲) کتاب الوصایا والفرائض (۲۳) کتاب التاریخ الکبیر (۲۴) اخبار ابی حنیفه (۲۵) عقیدة الطحاوی (۲۶) تسویه بین اخبرنا و حدثنا (۲۷) سنن الشافعی (۲۸) صحیح الاثار۔ (مرجع سابق)

شرح معنی الاثار:

علامہ امام طحاوی کی جملہ تصنیفات میں جو شہرت وقبول عام ''شرح معانی الاثار'' کو حاصل ہوا وہ دوسری تصانیف کے حصے میں نہ آسکا۔ بلا ریب یہ کتاب فن حدیث میں ایک عظیم تصنیف اور حزب احناف کا سرمایۂ افتخار ہے اس کتاب میں حدیث، فقہ اور رجال کے متعدد علوم کو جس حسن وخوبی کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے صرف مذہب حنفی ہی میں نہیں بلکہ دیگر مذاہب شوافع و مالکیہ وحنابلہ میں بھی اس کی نظیر نہیں ملتی۔

علامہ امیر اتقانی فرماتے ہیں:

"فانظر شرح معنی الاثار هل تری له نظیراً فی سائر المذاهب فضلاً عن مذهبنا هذا"۔

ترجمہ: شرح معنی الاثار پر غور کرو کیا تم ہمارے مذہب حنفی کے علاوہ دوسرے مذہب میں بھی اس کی نظیر پا سکتے ہو۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

"سنن ابی داؤد، جامع ترمذی وابن ماجہ پر اس کی ترجیح اس قدر واضح ہے کہ کسی ناواقف ہی کو اس میں شک ہو سکتا ہے۔ وجہ استنباط، تمیز ناسخ ومنسوخ، وجوہ معارضات اور کلام کی ترتیب میں یہ کتاب بے مثل ہے۔

تیسری صدی کے مجدد

حضرت ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت: ۲۲۴ھ۔ وصال: ۳۱۰ھ

تجدیدی کارنامے

قلمی جواہر پارے:

آپ نے مختلف علوم وفنون میں متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں۔ آپ کے کثیر التصانیف ہونے کا اندازہ حافظ ذہبی کے اس قول سے لگایا جاسکتا ہے: "یکتب کل یوم اربعین ورقة" یعنی آپ روزانہ چالیس ورق لکھتے تھے۔ آپ کی کچھ اہم کتابوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) جامع البیان عن تاویل آی القرآن (۲) تاریخ الامم والملوك المعروف بتاریخ الطبری (۳) کتاب تاریخ الرجال (۴) لطیف القول فی احکام شرائع الاسلام (یه آپ کے مذهب مختار کا مجموعه هے) (۵) کتاب القرأت والتنزیل والعدد (۶) کتاب اختلاف علماء الامصار (۷) کتاب الخفیف فی احکام شرائع الاسلام (۸) کتاب التبصیر (اهل طبرستان کی جانب ایك رساله) (۹) تهذیب الاثار (۱۰) کتاب البسیط (۱۱) کتاب الفصل بین القرأت (۱۲) کتاب الفضائل (۱۳) کتاب المحاضرات و السجلات (۱۴) کتاب ترتیب العلماء (۱۵) مختصر المناسك (۱۶) مختصر الفرائض (۱۷) کتاب صریح السنة (۱۸) المسند المخرج (۱۹) ذیل المزیّل (۲۰) کتاب احادیث غدیر خم (۱۲) عبارة الرویا۔

چند تجدیدی کارنامے:

فرمان رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

"ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا" کے مطابق نو پید مسائل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہر صدی میں ایک یا متعدد مجددین کو مبعوث فرماتا ہے جو سنت کی نصرت وحمایت اور بدعت کی بیخ کنی واستیصال میں سرگرم رہتے ہیں، حفاظت دین کی ہر ممکن تدبیر اختیار کرتے ہیں، اسلام دشمن افکار ونظریات کے خلاف سینہ سپر رہتے ہیں، انہیں نفوس قدسیہ کے سلسلۃ الذھب کی ایک کڑی محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی ہیں۔ ذیل میں اس مجدد کے چند تجدیدی کارنامے ذکر کیے جارہے ہیں:

ردِ روافض:

مدتوں تحصیل علم کے بعد جب علامہ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے وطن طبرستان لوٹے تو دیکھا کہ لوگوں کے عقائد میں بگاڑ پیدا ہو چکا ہے۔ رفض وتشیع کی بنیاد پر صحابۂ کرام کی شان میں گستاخیاں کی جارہی ہیں، ان پر سب وشتم کا عام شیوہ ہے بلکہ باستثنائے چند سب کو معاذ اللہ کافر ومشرک قرار دیا جارہا ہے، خلفائے ثلاثہ کی خلافت راشدہ کو خلافت غاصبہ کہا جارہا ہے، انبیائے کرام سے ائمہ اہل بیت کو افضل بتایا جارہا ہے، آپ نے ان حالات میں روافض کی تردید شروع کی اور فضائل شیخین بیان کیے، آخرکار حکومت وقت کی مخالفت کا سامنا ہوا اور ترک وطن کر کے عروس البلاد بغداد میں سکونت گزیں ہو گئے جہاں آپ پوری زندگی بدعتوں کی بیخ کنی واستیصال میں مصروف رہے۔ (معجم الادبا، ج:۱۸، ص:۸۵،۸۶)

خوارج کا رد اور حدیث غدیر خم کا اثبات:

جب بغداد کے اندر "حدیثِ غدیر خم" کی تکذیب کی گئی اور حضرت مولیٰ علی مرتضیٰ کے فضل وکمال پر انگشت نمائی کی گئی تو آپ نے اس کا دنداں شکن جواب دیا۔ چنانچہ ایک

شخص نے کہا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ''غدیر خم'' کے دن حضرت علی کے فضل و کمال بیان کیے اور وہاں حضرت علی موجود نہ تھے بلکہ اس واقعہ کے وقت یمن میں تھے، نیز یہ شخص ہر کہ و مہ سے یہی کہتا پھرتا کہ حدیث "من کنت مولاہ فعلی مولاہ، اللھم والِ من والاہ وعادِ من عاداہ" کا انتساب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف جائز نہیں ہے۔ جو اسے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرے گا وہ "من کذب علی متعمداً فلیتبوا مقعدہ من النار" کا مصداق ہوگا، نیز اس شخص نے ''قصیدہ مزدوجہ'' کے اندر کچھ اشعار کہے جس میں حدیث ''غدیر خم'' کے کذب کی طرف اشارہ کیا۔

ثم مررنا بغدیر خم　　　　کم قائل فیہ بزور جم

علی علی والنبی الامی

جب اس فتنہ نے اپنا بال و پر نکالنا شروع کیا تو قریب تھا کہ لوگ اس کے دام تزویر میں پھنس کر محبت اہل بیت سے دور ہو جاتے جس کے بارے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: اے لوگو! تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ تا ہوں، اگر تم انہیں مضبوطی سے تھامے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے، ایک قرآن اور دوسرے اہل بیت۔

جب آپ کو اس فتنہ کی خبر پہنچی تو آپ نے اس کی سرکوبی کی، حضرت مولیٰ علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے فضائل و کمالات بیان کیے اور حدیث غدیر خم کے طرق کو اس انداز سے بیان فرمایا کہ بکثرت لوگ اسی کو سننے کے لیے جمع ہو گئے۔ (معجم الادبا، ج:۱۸، ص:۸۴،۸۵)

امام ذہبی نے فرمایا:

"جمع طرق حدیث غدیر خم فی اربعة اجزاء، رأیت شطرہ فبھرنی سعة روایاته وجزمت بوقوع ذالك"، یعنی آپ نے حدیث غدیر خم کی اسانید کو چار اجزا میں جمع کیا، میں نے اس کا ایک حصہ دیکھا تو اس کی وسعت روایات نے مجھے حیرت میں ڈال دیا اور اس کے وقوع کا یقین ہو گیا۔

فضائل شیخین:

جب بغداد کے اندر ذات شیخین پر کیچڑ اچھالا گیا اور انہیں گالیاں دی گئیں، تو آپ نے لوگوں کی سرزنش فرمائی اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فضائل بیان کیے۔ اس سلسلے میں آپ نے "کتاب فضائل ابی بکر و عمر" تالیف فرمائی۔ منقول ہے کہ محمد بن سہل نے محمد بن جریر طبری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ ابن صالح کے ساتھ محو گفتگو ہیں۔ اتفاق سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات چل پڑی تو محمد بن جریر طبری نے فرمایا:

"من قال ان ابابکر و عمر لیسا بامامی ھدی ایش ھو؟ قال ابن صالح : مبتدع فقال ابن جریر انکاراً علیه مبتدع مبتدع ، ھذا یقتل"۔ (سیر اعلام النبلا، ج:۱۱، ص:۲۹۶)

حنابلہ کا تشدد وظلم:

جب بغداد میں جاہل حنابلہ کے اندر امام احمد بن حنبل کے تعلق سے جلوس علی العرش کا عقیدہ زور پکڑنے لگا تو آپ نے اس کی سخت مخالفت کی اور حق بات کہہ دی، اس سلسلے میں آپ کو مصائب وآلام کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ چنانچہ قیام بغداد کے زمانے میں جب حنابلہ نے جلوس علی العرش کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا یہ محال ہے۔ پھر آپ نے یہ شعر پڑھا۔

سبحان من لیس له انیس　　　ولا له فی عرشه جلیس

جب متشدد حنبلیوں نے آپ سے یہ بات سنی تو چراغ پا ہو گئے اور ہزاروں کی تعداد میں آپ کے خلاف صف آرائی کی، آپ مجلس سے اٹھے اور اپنے گھر تشریف لے گئے، انہوں نے سنگ باری شروع کر دی۔ جب نازوک نامی افسر کو معلوم ہوا تو دس ہزار لشکر لے کر آپ کے دفاع کے لیے حاضر ہوا اور لوگوں کو آپ کے دروازے سے منتشر کر کے وہاں سے پتھر اٹھانے کا حکم دیا۔ (معجم الادباء، ج:۱۸، ص:۵۷، ۵۸)

معتزلہ کا رد:

آپ نے اہل اعتزال کے جملہ اقوال خبیثہ کی پرزور تردید فرمائی۔ چنانچہ خلق قرآن کے مسئلے میں امام احمد بن حنبل کا موقف اختیار کیا اور اپنی کتاب میں اس پر دلائل و براہین قائم کیے۔ جب کچھ گمراہ لوگوں نے رویت باری تعالیٰ کا انکار کیا تو آپ نے اس مسئلہ پر قلم اٹھایا اور حجت قاطعہ سے مزین کر کے یہ ثابت کر دیا کہ رویت باری تعالیٰ جائز ہے۔ اور اللہ تعالیٰ قیامت میں مومن کو اپنے دیدار سے سرفراز فرمائے گا۔ اور جب کچھ سرپھرے لوگ ابطال شفاعت کے درپے ہوئے، تو آپ نے قرآن وحدیث سے انہیں دنداں شکن جواب دیا۔ ان تمام باتوں کی تصدیق آپ کی کتاب "جامع البیان عن تاویل آی القرآن" سے کی جا سکتی ہے۔

آپ سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سختی سے کاربند تھے۔ اس سے سرمو تجاوز نہ فرماتے تھے۔ جب تک آپ بقید حیات رہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیاری سنت کو زندہ رکھا۔ چنانچہ مرض الموت میں جب آپ سے کہا گیا کہ نماز ظہر مؤخر کر کے اسے عصر کے ساتھ ملا کر پڑھیے تو آپ نے انکار کر دیا اور نماز ظہر و عصر اپنے اپنے وقت میں ادا فرمائی۔ (مصدر سابق، تلخیص، ص: ۵۷، ۵۸)

آپ نے تفسیر، فقہ، حدیث، قرأت اور تاریخ وغیرہ مختلف علوم وفنون میں متعدد کتابیں لکھ کر امت مسلمہ کے لیے اسلامی معلومات کا ایسا انسائیکلوپیڈیا فراہم کیا جس کی روشنی میں آج کے علمائے کرام وفقہائے عظام رحمہم اللہ سنتوں کی نصرت وحمایت اور بدعتوں کی سرکوبی میں سرگرم عمل ہیں۔

ان عظیم الشان کارناموں کی روشنی میں آپ کی زندگی کا یہ رخ اظہر من الشمس ہو جاتا ہے کہ آپ ایک ایسے جلیل القدر مجدد ہیں جن کی پوری زندگی احقاق حق اور ابطال باطل میں گزری۔

تیسری صدی کے مجدد

امام اہلسنت، امام ہدیٰ، امام ابو منصور ماتریدی حنفی سمرقندی

ولادت: ۲۳۸ھ، وفات: ۳۳۳ھ

تجدیدی کارنامے

امام ماتریدی کے زمانے میں ماوراء النہر کے علاقے میں جو گمراہ فرقے تھوڑی یا زیادہ تعداد میں موجود تھے، ان میں سے چند قابل ذکر ہیں: معتزلہ، شیعہ، کرامیہ، خوارج جب کہ غیر مسلموں میں سے فلاسفہ کی کتب کے عربی تراجم ہونے کی وجہ سے ان کا نام بھی عالم اسلام میں کافی گونج رہا تھا۔ چنانچہ امام ماتریدی نے ان سب کے خلاف اہلسنت کی ترجمانی اور دفاع کا محاذ سنبھالا اور اسی لیے ''امام الہدیٰ'' ان کا لقب قرار پایا۔ اسی لیے ''تفسیری ماتریدی'' کا مطالعہ کرنے والا جا بجا اس حقیقت کا مشاہدہ کرتا ہے کہ امام ماتریدی بڑی وضاحت وصراحت اور قوت کے ساتھ ان گمراہ فرقوں کی تردید کرتے ہیں اور شاید ہی کوئی ایسا مقام ہو جہاں ان فرقوں کی تردید کی نوبت آئے اور امام تریدی خاموشی سے گزر جائیں۔ امام ماتریدی کی تفسیر گویا اس حوالے سے منفرد حیثیت رکھتی ہے۔

تصنیفات:

(۱) تاویلات اہل السنۃ:

جو ''تفسیر ماتریدی'' کے نام سے بھی مشہور ہے۔ اس تفسیر میں امام ماتریدی کے طرزِ تفسیر کو درج ذیل نکات میں دیکھا جا سکتا ہے:

تفسیر القرآن بالقرآن:

چنانچہ امام ماتریدی کے یہاں اس کا خاص اہتمام نظر آتا ہے کہ آپ جہاں ایک

آیت کی تفسیر دوسری آیت میں دیکھتے ہیں یا دونوں کے مقاصد کو یکجا دیکھتے ہیں تو اس کی طرف ضرور رہنمائی فرما دیتے ہیں۔

تفیر القرآن بالسنۃ النبویۃ:

امام ماتریدی کی تفسیر ماتریدی دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے پاس احادیث و آثار کا بھی کافی ذخیرہ موجود تھا، چنانچہ آپ کی تفسیر میں تفسیر القرآن بالسنۃ کے جلوے نظر آتے ہیں۔

تفیر القرآن باللغۃ العربیۃ:

متعدد مقامات پر نہایت اہتمام کے ساتھ عتبی اور عوسج کے حوالے سے لغات کا بھی ذکر کرتے ہیں اور کئی مقامات پر اس مقصد کے لیے باقاعدہ عربی اشعار بھی بطور حوالہ پیش کرتے ہیں۔

فقہی اختلافات کا بیان:

اگرچہ امام ماتریدی نے اس موضوع کا زیادہ اہتمام نہیں کیا، مگر پھر بھی جہاں ضرورت محسوس ہوئی کہ فقہ حنفی کا استدلال واضح کیا جائے، وہاں فقہ حنفی کے استدلال اور اس کی ترجیح کو بڑی خوبی سے بیان کیا ہے اور کئی مقامات پر بعض ایسے فقہی استدلالات پیش کیے ہیں جو دیگر متداول کتب میں کم ہی نظر آتے ہیں۔

گمراہ فرقوں کی تردید:

یہ تو امام ماتریدی کا خاص موضوع ہے، چنانچہ کسی بھی آیت سے اگر معتزلہ نے، یا کرامیہ نے، یا باطنیہ نے، یا خوارج نے، یا فلاسفہ نے، یا روافض نے کوئی استدلال کیا ہے تو امام ماتریدی ان کے استدلال کے غلط ہونے کو واضح کرتے ہیں اور پھر جن جن قرآنی آیات سے ان کے نظریات کا باطل ہونا معلوم ہوتا ہے۔ تفسیر کا مجموعی انداز قدرے دقیق ہے، مگر تسلسل سے مطالعہ کیا جائے تو انداز و اسلوب سمجھ آ جانے کے بعد استفادہ کافی آسان سے

آسان تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہ تفسیر متعدد محققین کی تحقیق سے شائع ہو چکی ہے۔

اس تفسیر کے بارے میں علامہ عبدالقادر القرشی نے "الجواهر المضيئة" میں جو تبصرہ کیا ہے وہ قابل ذکر ہے اور اس کتاب کی اہمیت پر پورا پورا شاہد ہے:

"بانه كتاب لا يوازيه فيه كتاب بل لا يدانيه شئي من تصانيف من سبقه فی ذلك الفن"۔ (الجواہر المضیئۃ، ص:۲، ص:۱۳۰)

یہ ایسی کتاب ہے کہ کوئی اور کتاب اس کی ہم پلہ نہیں، بلکہ سابقین کی کوئی کتاب اس کے قریب بھی نہیں پہنچ پاتی''۔ جب کہ علامہ محمد زاہد بن حسن الکوثری کا تبصرہ یہ ہے:

"كتاب لا نظير له فی بابه" (مقدمہ اشارات المرام، ص:۷) ''اس باب میں اس کتاب کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔

(۴) کتاب التوحید:

امام ماتریدی نے عقائد کے باب میں خصوصاً الٰہیات کے باب میں یہ کتاب تحریر کی ہے اور اس کا نام ''کتاب التوحید'' رکھ کر یہ واضح کیا ہے کہ دین اسلام کا اساسی پیغام توحید ہے اور دین اسلام سے باہر کے فرقے ہوں، مثلاً: فلاسفہ وثنویہ اور مانویہ وغیرہ یا اسلام کے اندر موجود گمراہ فرقے ہوں، وہ سب کے سب ابتدائی طور پر جو ٹھوکر کھاتے ہیں، وہ اسی توحید کے کسی نہ کسی پہلو سے متعلق ہوتی ہے۔

اسی لیے اس کتاب میں مصنف نے صرف اسلام کے نظریہ توحید کو بیان کرنے پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ پوری تفصیل کے ساتھ دیگر ادیان اور گمراہ فرقوں کے مقالات کی تردید کو پیش نظر رکھا ہے، اسی لیے اس کتاب میں ان فرقوں کے مقالات بھی کافی مقدار میں سامنے آجاتے ہیں، چنانچہ حافظ ابن عساکر ''تبیین کذب المفتری'' میں لکھتے ہیں:

"ان مقالات تلك الفرق مبسوطة فی كتب الاشعری والماتريدی والاسفرائينی"۔ (تبیین کذب المفتری، ص:۲۰) ''ان فرقوں کے اقوال

،امام اشعری، امام ماتریدی اور امام اسفرائینی کی کتابوں میں تفصیل سے موجود ہیں''۔

اس کتاب میں امام ماتریدی نے جو مباحث ذکر کی ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

نظریۂ معرفت کی وضاحت، عقیدۂ الوہیت کی اہمیت اور اس کے دلائل، دہریہ کا رد، سمنیہ کا رد، سوفسطائی کا رد، ثنویہ کا رد، ویصانیہ کا رد، مرقونیہ کا رد، مسئلہ قضاء وقدر کی بحث، مسئلہ ایمان کی بحث، مسئلہ شفاعت اور مسئلہ ارجاء کی بحث، ایمان اور اسلام کی بحث۔

اس کتاب کے بارے میں امام ابوالیسر البزدوی کا یہ تبصرہ قابل توجہ ہے:

"ان به قليل انغلاق وتطويلا وفى ترتيبه نوع تعسير وانه لولا ذلك لا كتفينا به"۔ (اصول الدين لابى اليسر البزدوى)

''اس کتاب میں قدرے پیچیدگی، طوالت اور ترتیب بھی کچھ مشکل ہے، اگر یہ باتیں نہ ہوتیں تو ہم اس کتاب کو کافی سمجھتے (اور خود سے اس موضود پر کوئی کتاب تحریر نہ کرتے)''۔

(۶) مقالات الماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

اس کتاب میں بھی امام صاحب نے مختلف فرقوں کے نظریات کا جائزہ پیش کیا ہے۔ علامہ طاش کبری زادہ، علامہ بغدادی، علامہ عبدالقادر القرشی، علامہ مرتضیٰ زبیدی اور علامہ عبدالحی لکھنوی نے امام ماتریدی کی تالیفات میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔

"الاصول الخمسة" ابو محمد الباهلى (متوفی ۳۰۰ھ) کی کتاب تھی، جس کا امام ماتریدی نے رد لکھا۔

(۱۴) الرد على القرامطة.

(۱۵) الرد على فروع القرامطة

(۱۶) الامامة

(۱۷) وصايا ومناجاة

(۱۸) رسالة فيما لا يجوز الوقوف عليه فى القرآن۔

چوتھی صدی کے مجدد
حضرت امام ابوطیب سہل بن محمد صعلوکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت:........ وصال: ۴۰۴ھ

تجدیدی کارنامے

کثیر علمائے کرام نے آپ کے مجدد دین وملت ہونے کا قول کیا ہے، اس سلسلہ میں "مراۃ الجنان وعبرۃ الیقظان فی معرفۃ حوادث الزمان" میں صاحب کتاب آپ کے متعلق لکھتے ہیں: اختلفوا فیہ، وفی القاضی ابوبکر الباقلانی، ایھما کان علی رأس المأۃ الرابعۃ، فی کونہ مجدد الدین لامۃ، فقیل: "ھو (ابو الطیب) لکثرۃ فنونہ، واشیاع فضائلہ العلمیۃ والعملیۃ"۔ یعنی کثیر علوم وفنون اور آپ کے بے شمار علمی وعملی فضائل وکمالات کے شائع وذائع ہونے کی وجہ سے آپ چوتھی صدی کے مجدد تھے، اور مذکورہ اختلاف کوئی مضر نہیں ہے، کیوں کہ ایک صدی میں ایک سے زیادہ بھی مجدد ہو سکتے ہیں، اسی طرح "سیر اعلام النبلا" میں امام ذہبی متوفی ۷۴۸ھ نے لکھا ہے: "وکان بعض العلماء یعد ابا الطیب المجدد للامۃ وبینھا علی رأس الاربع مأۃ، وبعضھم عد ابن الباقلانی، وبعضھم عد الشیخ اباحامد الاسفراینی، وھو أرجح الثلثۃ"۔ یعنی بعض علما نے حضرت ابوطیب صعلوکی کو چوتھی صدی کا مجدد کہا ہے، بعض علما نے حضرت قاضی ابوبکر باقلانی کو اور بعض نے حضرت ابوحامد اسفرائینی کو مجدد شمار کیا ہے، تاہم امام ذہبی فرماتے ہیں کہ ان تینوں میں راجح حضرت ابوطیب صعلوکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔ نیز "تبیین کذب المفتری فیما نسب الی ابی الحسن الاشعری" میں بھی آپ کو چوتھی صدی کا مجدد شمار کیا گیا ہے، علامہ ابوالقاسم علی بن حسن بن ہبۃ اللہ بن عساکر دمشقی صاحب تبیین کذب المفتری اپنی

کتاب میں جملہ مجددین کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: "ان اباالطیب سھل بن محمد بن سلیمان الصعلوکی النیشافوری ھو الذین کان علیٰ رأس الاربع مأة"۔ یعنی حضرت ابوطیب سہل بن محمد بن سلیمان صعلوکی نیشاپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ چوتھی صدی کے مجدد تھے۔ چند سطور بعد مزید لکھتے ہیں: "فاما ابو الطیب اشتھر ذکرہ ببلدہ، وکانت ریاسۃ اصحاب الشافعی لہ بنیشافور، ولوالدہ، ولولدہ، وکان ابوہ ابوسھل محمد بن سلیمان ذا محل خطیر، وذکرہ فیما بین اھل العلم بخراسان کبیر، لم یزل ھو وولدہ (ابوالطیب) وولدہ ولدہ یظھرون مذھب الاشعریۃ، ویجاھدون اھل البدع بنیشافور من المعتزلۃ والخوارج، والرافضۃ، والکرامۃ"۔ یعنی حضرت ابوطیب صعلوکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے شہر میں بہت ہی مشہور ورمعروف تھے، آپ کے والد ماجد نیز آپ کے فرزندارجمند کو نیشاپور میں اصحاب شافعی کی سربراہی حاصل تھی، آپ کے والد گرامی ابوسہل محمد بن سلیمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خراسان کے علما میں بہت ہی مشہور ومعروف ہستی رہے ہیں، قابل ذکر بات یہ ہے کہ حضرت ابوطیب صعلوکی، آپ کے والدگرامی، اور آپ کے پسر فیروز بخت خراسان میں تادم حیات مذہب اشعری کی خدمت واشاعت فرماتے رہے، اور اہل بدعت جیسے معتزلہ، خارجی اور رافضی اور کرامیہ سے ہمیشہ نبرد آزمار ہے۔ (سیر اعلام النبلاء، للذھبی، ج: ۱۳، ص: ۱۲۶، ۱۲۷)

حضرت امام ابوطیب کے زمانہ میں باطل نے جب بھی اپنا سر اٹھایا، اور غیروں نے اسلام کے تقدس پر حملہ کرنے کی ناپاک کوششیں کیں، تو آپ حق کی حمایت میں سینہ سپر رہے، ہر محاذ پر ان کا مقابلہ کیا، ان سے مناظرے کیے، ان کے مکروفریب سے امت مسلمہ کو محفوظ رکھنے کے لیے سردھڑ کی بازی لگادی، چنانچہ اس حوالہ سے کرامیہ، معتزلہ اور خوارج ورافضی وغیرہ اہل بدعت وضلالت سے آپ کا مقابلہ اور مناظرہ آپ کے تجدیدی کارناموں کی ایک زندہ جاوید مثال ہے۔

عربی ادب میں مہارت وکمال:

دل چسپ بات یہ ہے کہ جہاں دیگر تمام علوم میں آپ کو کامل دسترس حاصل تھی، وہیں ادب وبلاغت کے بھی آپ بے تاج بادشاہ تھے، جس طرح شعروسخن کا ملکہ آپ کے اندر بدرجۂ اتم موجود تھا، اسی طرح عربی نثر نگاری میں بھی آپ اپنی مثال نہیں رکھتے تھے، ہم آپ کے ادبی شہ پاروں کی جھلکیاں دکھلانے کے لیے اس بحث کو دو اجزا میں تقسیم کرتے ہیں، اول نظم، دوم نثر۔

نظم:

یوں تو آپ نے بہت سے اشعار کہے ہیں، تاہم اس جگہ نمونے کے طور پر چند اشعار نذر قارئین کرتے ہیں جن کا ذکر ابو عاصم عبادی نے اپنی طبقات میں کیا ہے۔

سلوت عن الدنیا عزیزا قبلتھا　　وجدت بھا لما تناھت بآمالی

علمت مصیر الدھر کیف سبیلہ　　فزایلتھا قبل الزوال باحوالی

دوم: نثر، (الف) حِکَم:

(۱) من تصدر قبل اوانہ　　فقد تصدیٰ لھوانہ

(۲) اذا کان رضا الخلق معسورہ　　لایدرك، کان میسورہ لایترك

(۳) انما یحتاج الیٰ اخوان　　العشرۃ لزمان العسرۃ

(ب) مقفیٰ ومسجع فتاوے:

(۱) آپ سے ایسے شخص کے بارے میں استفتا کیا گیا جس کے پاس کوئی چیز ودیعت رکھی جائے، پھر اس کا انتقال ہو جائے، اور اس کے ترکہ میں وہ ودیعت شدہ چیز نہ ملے، تو وہ شخص اس چیز کا ضامن ہوگا یا نہیں؟

آپ نے ادبی پیرائے میں اس کا جامع جواب یہ دیا: "لا ان مات عرضا، نعم، ان مات مرضا"۔

(۲) شطرنج کے کھیل کے بارے میں آپ سے استفتا ہوا تو آپ نے فرمایا: "اذا

سلم المال من الخسران ، والصلاۃ عن النسیان، فذلك انس بین الخلان، کتبه، سهل بن محمد بن سلیمان"۔

(۳) آپ نے اس مسئلہ پر کہ مشتری، ثیبہ باندی سے وطی کرلے، پھر بھی اسے عیب کی وجہ سے لوٹا سکتا ہے۔

اس مذکورہ مسئلہ پر استدلالاً فرمایا: "الـمـام من غیر ایلام ،فلا یمنع قیاساً علی الاستخدام"۔

حاضر جوابی:

دیگر تمام خوبیوں کے ساتھ اللہ عزوجل نے آپ کے اندر حاضر جوابی و برجستہ گوئی کی صلاحیت بھی ودیعت کررکھی تھی ، الروض الباسم میں ''جواهر المضیئة'' کے حوالہ سے ایک واقعہ منقول ہے کہ ایک مرتبہ آپ پوری شان وشوکت کے ساتھ ایک جلوس میں کہیں تشریف لے جارہے تھے، اسی دوران ایک یہودی قصائی آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا، جو پراگندہ لباس میں ملبوس تھا، اور دھوؤں کی وجہ سے اس کے کپڑے کالے پڑگئے تھے، آپ کی شان وشوکت کو دیکھ کر قصائی نے کہا: ''آپ کے نبی نے تو یہ ارشاد فرمایا ہے کہ دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے، اور کافر کے لیے جنت ہے، میں ایک کافر ہوں، اور آپ میرا پراگندہ حال ملاحظہ کررہے ہیں، آپ ایک مومن ہیں، اور آپ کی شان وشوکت آپ کی نگاہوں کے سامنے ہے تو آپ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟۔

آپ نے برجستہ جواب دیا: سن، کل قیامت کے دن جب تم اللہ کے عذاب میں مبتلا ہوگے، تو تمہیں تمہاری یہی پراگندہ زندگی جنت معلوم ہوگی، اور جب میں اللہ عزوجل کی عظیم نعمتوں اور اس کی رضا سے شرفیاب ہوں گا، تو مجھے یہ میری شان وشوکت والی دنیوی زندگی بھی ایک قید خانہ معلوم ہوگی۔ یہودی قصائی آپ کا برجستہ اور دنداں شکن جواب سن کر ساکت ومبہوت ہوگیا، اور وہاں موجود تمام لوگ آپ کی فہم وفراست اور حاضر جوابی پر حیرت زدہ رہ گئے۔ (سیر اعلام النبلاء، للذھبی، ج: ۱۳، ص: ۱۲۸)

چوتھی صدی کے مجدد

حضرت ابو حامد احمد بن محمد اسفرائنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت: ۳۴۴ھ۔ وصال: ۴۰۶ھ

تجدیدی کارنامے

قلمی جواہر پارے:

الاعلام للزرکلی، ج:۱، ص:۲۱۱، میں ہے کہ آپ کی تصانیف بہت ہیں ان ہی میں سے ''مطول'' اصول فقہ میں اور ''مختصر'' فقہ میں ہے جو ''الرونق'' کے نام سے موسوم ہے۔

''البستان فی النوادر والغرائب'' اور آپ نے ''مختصر المزنی'' کی تعلیق ''التلیقۃ الکبری'' تقریباً پچاس جلدوں میں تحریر فرمائی۔

تقریباً تمام تذکرہ نگاروں نے ان ہی کتابوں کا ذکر کیا ہے حاجی خلیفہ چلپی نے التعلیقۃ الکبری فی الفروع کے مکمل نام سے ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مسلک شافعی میں یہ عظیم کتاب ہے۔ اس اجمال کی شرح امام نووی کے اس قول سے ہوتی ہے کہ جمہور فقہا خصوصاً عراق وخراسان کے فقہائے شافعیہ کی کتابوں کا دارومدار اسفرائنی کی اسی تعلیق پر ہے جو کم وبیش پچاس جلدوں پر محیط ہے۔ اس میں اصول وفروع، فقہا کے مسالک، ان کے مفصل دلائل اور اعتراضوں پر مشتمل نہایت عمدہ بحثیں جمع کر دی گئی ہیں بلاشبہ اس جیسی اور کوئی کتاب نہیں ہے یہ بے مثل ہے۔ (کشف الظنون، ج:۱، ص:۲۹۵)

البستان کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ ایک مختصر حجم کی کتاب تھی جس میں نادر اور غریب اقوال تھے۔ (البدایۃ والنہایۃ، ج:۶، جز:۱۲، ص:۴، کشف الظنون، ج:۱، ص:۲۴۴، وفیات الاعیان، ج:۱، ص:۷۳)

تفقہ فی الدین:

امام سبکی جن کے تبصرے اپنی جامعیت کے لحاظ سے بہت خوب ہوتے ہیں لکھتے ہیں کہ تصانیف کی شہرت، تلامذہ کی کثرت اور اقوال کی وسعت کے لحاظ سے فقہائے شافعیہ میں امام ابن سریج کے بعد امام ابوحامد اسفرائنی جیسا کوئی اور نہ ہوا، بہت سے ائمہ مسلک ایسے ہیں جو ان سے زیادہ جلیل القدر ہیں مگر ان میں خوبیوں کے وہ بیک وقت ایسے جامع نہیں جیسے امام ابن سریج اور امام ابوحامد اسفرائنی ہیں۔

امام ابوحامد اسفرائنی کو علم فقہ میں نمایاں مقام حاصل تھا۔ نوجوانی میں بغداد آ کر آپ نے علم فقہ سیکھا اور اس میں مہارت حاصل کی یہاں تک کہ اپنے ہم عصروں سے فائق ہو گئے اور ابوالحسن قدوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا کہ میں نے شافعیہ میں ابوحامد اسفرائنی سے زیادہ فقیہ نہیں دیکھا۔ (البدایۃ والنہایۃ، ج:۶، جز:۱۲، ص:۳)

تدریسی شان:

امام ابوحامد نے تدریس کا سلسلہ شروع کیا آپ کے درس کی بہت شہرت ہوئی یہاں تک کہ آپ کی درس گاہ فیض سے بڑے بڑے جلیل القدر علما پیدا ہوئے مثلاً ماوردی، رازی، سنجی اور قفال وغیرہ۔ وہ منارہ علم تھے ان سے روشنی حاصل کرنے والوں کی تعداد بے شمار ہے۔ بقول امام شیرازی، روئے زمین ان کے شاگردوں سے معمور تھی، بغداد کے فقہا اور ائمہ نے تو عام طور سے ان سے اکتساب فیض کیا۔ ان کی ایک ایک مجلس میں تین تین سو تلامذہ تو عام طور سے شریک ہوا کرتے، کبھی کبھی یہ تعداد سات سو تک پہنچ جاتی، وہ مسجد عبداللہ بن مبارک میں درس دیتے تھے یہ مسجد قطیعۃ الربیع کے قلب میں واقع ہے۔ (ایضاً، وفیات الاعیان، ج:۱، ص:۷۳)

ان کے شاگردوں کی اس کثرت کو دیکھتے ہوئے ان کے نام شمار نہیں کیے جا سکتے، ان کے درس میں شائقین علم کا ہجوم ان کی علمی جلالت اور فنی کمال بین ثبوت ہے۔

انہوں نے نامور محدثین سے حدیث کی سماعت وروایت کی، اگرچہ ان کی مرویات کی تعداد بہت کم ہے مگر وہ ثقہ تھے اور طبقہ محدثین میں بھی درجہ امامت رکھتے تھے۔

تجدیدی خدمات کا اعتراف:

مذہب اسلام کے تعلق سے آپ کی خدمات اور کارناموں کو دیکھ کر آپ کو علمائے کرام نے تجدید والی حدیث کا مصداق بتایا ہے، چنانچہ ''مقاصد حسنہ'' میں امام سخاوی نے ''جامع الاصول'' میں ابن اثیر جزری نے ''مجمع بحار الانوار'' میں طاہر محدث پٹنی نے "مرقاۃ الصعود، تحفۃ المھتدین اور التنبئۃ" میں امام سیوطی نے ''تاریخ دمشق'' اور "تبیین کذب المفتری" میں ابن عساکر نے ''امام احمد رضا اور جدید افکار ونظریات'' میں مولانا یٰسین اختر مصباحیؔ نے انہیں مجدد شمار کیا ہے۔

چوتھی صدی کے مجدد

حضرت قاضی ابوبکر محمد بن طیب باقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت: ۳۳۸ھ۔ وصال: ۴۰۳ھ

تجدیدی کارنامے

قاضی ابوبکر باقلانی پوری زندگی فرق باطلہ سے برسرپیکار رہے، آپ کے زمانہ میں رافضی، معتزلی اور خارجی فرقے بام عروج پر تھے، آئے دن عقل وقیاس سے اسلام کے بنیادی عقائد پر طرح طرح کے اعتراضات کرتے تھے، چنانچہ آپ اہل سنت وجماعت کی اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ان باطل فرقوں کے مقابل کھڑے ہوئے اور ان کے تمام اعتراضات کے جوابات میں ایسی کتابیں تحریر کردیں جن کے تعاقب سے مخالفین علما عاجز رہ گئے، ضرورت کے مطابق ان فرقوں کے بڑے بڑے علماء سے مناظرہ بھی کیا اور انہیں شکستیں بھی دیں۔ اس طرح مسلمانوں کو فرق باطلہ کے گمراہ کن عقائد سے بچا کر ان کے ایمان وعقیدے کی حفاظت فرمائی۔

ابن الاہدل نے فرمایا:

"سیف السنة القاضی ابوبکر محمد بن طیب المشهور بابن الباقلانی الاصولی الاشعری المالکی مجددالدین علیٰ راس المائة الرابعة علی الصحیح"۔

مناظرہ:

فن مناظرہ میں ید طولیٰ حاصل تھا، مناظرہ کی وجہ سے معاصرین میں معروف ومشہور تھے۔ آپ بہت ہی حاضر جواب اور زیرک تھے، فرق باطلہ مثلاً: رافضی، معتزلی، خوارج کے بڑے بڑے عالموں سے مناظرہ کیا، بحمدہ تعالیٰ مد مقابل آپ کے انداز بیان، طریق

تعبیر اور آپ کی پیش کردہ دلائل ونکات کے جواب سے مبہوت ہوکر اپنی شکست تسلیم کر لیتا۔

مشہور مناظرے:

(۱) ''تاریخ الاسلام'' میں لکھا ہے: ابن معلم جو رافضیوں کا شیخ اور متکلم تھا، ایک دفعہ اپنے شاگردوں کے ساتھ مناظرہ کی مجلس میں آکر بیٹھا تھا، قاضی ابوبکر باقلانی جب وہاں تشریف لائے تو ابن معلم نے اپنے شاگردوں سے کہا: "قد جائکم الشیطان" دیکھو تمہارے سامنے شیطان حاضر ہوگیا۔ قاضی ابوبکر باقلانی نے دور سے ہی ابن معلم کی بات سن لی، جب مجلس میں آئے تو ابن معلم کی طرف متوجہ ہوکر قرآن کی یہ آیت کریمہ تلاوت کی: "الم تر انا ارسلنا الشیٰطین علی الکٰفرین توٴزھم ازاً"۔ کیا تم نے نہ دیکھا کہ ہم نے کافروں پر شیطان بھیجا کہ وہ انہیں خوب اچھالتے ہیں۔

"ان کنتُ شیطاناً فأنتم کفار وقد ارسلت علیکم" اگر میں تمہارے قول کے مطابق شیطان ہوں تو تم کافر ہو، تمہاری طرف میں بھیجا گیا ہوں۔ یہ سن کر ابن معلم بالکل خاموش ہوگیا۔

(۲) صاحب وفیات الاعیان بیان کرتے ہیں: ''ایک دن قاضی ابوبکر اور ابوسعید ہارونی کے درمیان مناظرہ ہوا، تو قاضی ابوبکر نے ایک طویل عبارت پڑھی اور بڑی زوردار گفتگو فرمائی، پھر حاضرین کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا: گواہ ہوجاؤ! اگر اس (ابوبکر سعید ہارونی) نے میری پیش کردہ عبارت کو بعینہ میری طرح بیان کر دیا تو میں اس کی بات تسلیم کرلوں گا۔

ابوسعید ہارونی نے آپ سے کہا: اگر آپ اپنی پیش کردہ عبارت پہلے کی طرح بعینہ بیان فرمادیں تو میں آپ کی بات تسلیم کرلوں گا۔ چنانچہ آپ نے برجستہ بعینہ پوری عبارت دوبارہ بیان کردی۔ وما توفیقی الا باللہ۔

(۳) قاضی ابوبکر عضدالدولۃ کی طرف سے شاہ روم کے پاس قاصد بن کر گئے، وہاں چند واقعات پیش آئے۔

(ا) جب بادشاہ کو آپ کی علمی جلالت وشان کی خبر ہوئی تو بادشاہ یہ سمجھ گیا کہ یہ میرے

سامنے جھکنے والا نہیں (جیسا کہ اس کے درباری اس کے سامنے جھکا کرتے تھے) غور وفکر کے بعد اس نے اپنا تخت ایک تنگ دروازہ کے سامنے لگوایا تا کہ آپ اندر جھک کر داخل ہوں اور بادشاہ اپنے مقصد میں بھی کامیاب ہو جائے۔ جب آپ دروازہ کے پاس پہنچے تو سارا ماجرا سمجھ گئے، اور الٹے قدم بادشاہ کی طرف پشت کر کے جھک کر داخل ہوئے۔ بادشاہ آپ کی ذہانت وعقل مندی دیکھ کر حیران وششدر رہ گیا۔

(۲) ایک دن شاہ روم کے پاس کچھ پادری بیٹھے تھے، قاضی ابو بکر جب وہاں تشریف لائے تو ان لوگوں سے دریافت کیا: "کیف الاهل الاولاد؟" اہل وعیال خیریت سے ہیں؟ بادشاہ نے کہا: "اما علمت ان الراهب یتنزه عن هذا" آپ کو معلوم نہیں کہ راہب اس سے محفوظ ہوتے ہیں۔ (یہ شادی نہیں کرتے تو اہل وعیال کیسے ہوں گے) آپ نے برجستہ اس سے فرمایا: کیسا گھٹیا اور غلط عقیدہ رکھتے ہو؟ ان راہبوں کو تم اہل وعیال سے بری ومحفوظ سمجھتے ہو، اور اللہ رب العزت کو اہل وعیال سے منزہ اور پاک نہیں سمجھتے کہ جس نے تمہیں پیدا کیا اور بے شمار نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔ بادشاہ آپ کی بات سن کر لاجواب ہو گیا۔

(۳) بادشاہ مذکور نے قاضی ابو بکر کو خاموش کرنے کے ارادے سے سوال کیا کہ حضرت عائشہ کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا؟ آپ نے جواب دیا کہ جو معاملہ حضرت مریم کے ساتھ پیش آیا، یعنی دونوں کی عفت وپاک دامنی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادی۔

لوگوں نے حضرت مریم اور حضرت عائشہ دونوں پر تہمت لگائی، لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت مریم کو فرزند عطا فرمایا، خرق عادت قوت گویائی سے انہیں سرفراز فرما کر حضرت مریم کی عفت وپاک دامنی لوگوں پر ظاہر کردی لیکن ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کو کوئی اولاد عطا نہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی آیت نازل فرما کر ان کی پاک دامنی وپارسائی کو ثابت فرمادیا۔ لہٰذا حضرت عائشہ کی عفت وپاک دامنی حضرت مریم سے زیادہ واضح ہے۔ ان باتوں کو سن کر بادشاہ حیرت میں پڑ گیا اور اس کے دل میں آپ کا خوف پیدا ہو گیا۔

(تاریخ الاسلام، ج:۲۸، ص:۸۹، دار الکتاب العربی)

چوتھی صدی کے مجدد

ابو العباس احمد بن مقتدر الملقب بہ قادر باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت: ۳۳۶ھ۔ وصال: ۴۲۶ھ

تجدیدی کارنامے

عباسی دور حکومت میں نئے نئے فتنے سر اٹھانے لگے، خدا بیزاری عام ہونے لگی، نفس پرستی اور خود پسندی میں خلقِ خدا گرفتار ہونے لگے، دین سے دو ہونے لگے، نئے نئے باطل فرقے سر اٹھانے لگے۔ مگر جب حضرت قادر باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ منصب خلافت پر فائز ہوئے تو آپ نے ان تمام فتنوں کا انتہائی پامردی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ پوری دیانت کے ساتھ انجام دیا۔ آپ کے عہد میں کافی علمی ترقی ہوئی۔ آپ احکام شریعت کے مطابق امور سلطنت انجام دیتے۔ گو کہ خلافت عباسی کا دائرہ محدود تھا مگر علما کی قدر دانی اور عزت افزائی کا بڑا خیال کیا جاتا انہیں مال و دولت سے نوازا جاتا جس کی وجہ سے آپ کے عہد مبارک میں کافی علمی ترقی ہوئی اور کثرت سے علما اور فضلا پیدا ہوئے۔

(تاریخ الخلفا،ص:۲۸۸، ناشر: تجار الکتب)

فرقۂ روافض کا رد:

اسی عہد میں روافض کا فتنہ اٹھا۔ یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ دیگر صحابۂ کرام کی شان میں تبرا کہتے اور لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے مختلف ہتھ کنڈے استعمال کرتے جس کی وجہ سے بہت سارے لوگ ان کے فتنہ میں مبتلا ہو گئے۔ ۳۹۸ھ میں بغداد میں شیعوں اور سنیوں میں زبردست فساد ہوا۔ رافضیوں نے یا حاکم یا منصور کے نعرے لگانے شروع کر دیے۔ قادر باللہ نے بڑی مشکل سے اس فساد کو دفع کیا اور جو اہل فارس حضرت قادر باللہ کی حفاظت کے لیے موجود تھے ان کو اہل سنت کی مدد کے لیے بھیجا اور

انہوں نے شیعوں کی سرکوبی کر کے اس فتنہ کو ختم کیا، یہ حضرت قادر باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا انتہائی تجدیدی کارنامہ ہے۔ (تاریخ الخلفا، اردو، ص: ۵۳۴، ناشر: اسلامک پبلیشر دہلی، سن طباعت: ۱۴۲۴ھ)

آپ کے عہد مبارک میں گو کہ فرقہ ہائے باطلہ کے بڑے بڑے سر برآوردہ افراد موجود تھے جن میں رئیس معتزلہ قاضی عبدالجبار، رئیس روافض شیخ مفید، رئیس فرقہ مراکیہ محمد بن الہیثم اور زندیقوں کا پیشوا حاکم بامر اللہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں مگر حضرت قادر باللہ کا رعب و دبدبہ اور جاہ و جلال اس قدر تھا کہ یہ لوگ سر اٹھانے کی جرأت نہ کر سکے۔ (ایضاً)

آپ کے عہد میں ہونے والے نئے کارناموں میں سے ایک اہم کارنامہ ''عظیم کتب خانہ'' کا قیام ہے کرخ میں ۳۸۲ھ میں آپ کے وزیر ابونصر سابور اردشیر نے عظیم الشان کتب خانے کی عمارت تعمیر کی اور اس کا نام دارالعلوم رکھا اس نے اس میں جملہ علوم وفنون کی کتابوں کا معتد بہ ذخیرہ جمع کیا اور انتظام کے لیے علما کی ایک مجلس بنائی اور اسے وقف کر دیا۔ (حوالہ سابق، ص: ۵۳۵)

راضی حاکم سے مقابلہ:

۳۹۵ھ میں ایک حاکم نے مصر میں عمائد و اشراف کی ایک جماعت کو قتل کرا دیا اس کی جرأت اتنی بڑھی کہ مسجدوں کے دروازوں اور شہراہوں پر صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی شان میں گستاخانہ کلمات لکھوائے اور عمال کو حکم دیا کہ صحابۂ کرام کو گالیاں دلواؤ۔ ۳۹۶ھ میں حاکم نے تمام قلمروں میں یہ حکم عام دیا کہ جس جگہ یا جس مقام پر میرا نام لیا جائے بازار ہو یا جلسۂ عام سننے والا ادب و تعظیم کے لیے کھڑا ہو جائے اور سجدہ کرے۔

تاریخ الخلفا میں مذکور ہے: ''امر الناس بمصر والحرمین اذا ذکر الحاکم ان یقوموا ویسجدوا'' آپ نے ان تمام خرابیوں کی انتہائی حکمت و دانائی کے ساتھ اصلاح کی اور ان کا استیصال کیا۔ (ماخوذ تاریخ الخلفا اردو، : ۵۳۴)

مختلف اقوام ومذاہب کے اختلاف کی وجہ سے بغداد ہر قسم کے عقائد وخیالات کا مرکز بن گیا تھا جس سے مسلمان بھی متاثر ہورہے تھے۔ حضرت قادر باللہ نے اپنی دانائی وہنرمندی سے اس کی اصلاح کی ۴۰۸ھ میں محمود غزنوی کو احیائے سنت کا حکم دیا اس نے سختی سے اس پر عمل کیا۔ (ماخوذ ابن اثیر، جلد:۹، ص:۴۴)

پانچویں صدی کے مجدد

حجۃ الاسلام سیدنا ابو حامد محمد بن محمد غزالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت: ۴۵۰ھ۔ وصال: ۵۰۵ھ

تجدیدی کارنامے:

آپ کی پوری زندگی فکر اصلاح امت سے عبارت ہے، ذیل میں ہم ان کی اصلاحی اور تجدیدی کارناموں پر قدرے روشنی ڈالتے ہیں:

فلاسفہ کا رد بلیغ:

پانچویں صدی ہجری میں فلاسفہ کا دور دورہ تھا، فلسفہ لوگوں کے عقلوں پر اس قدر حاوی ہو گیا تھا کہ وہ اسلام سے متضاد فلسفہ کے افکار و نظریات کو بھی خوشی سے ہضم کیے جا رہے تھے، بلکہ اس کی روشنی میں اسلام کے مستحکم اور مضبوط قوانین تار عنکبوت کی طرح کمزور نظر آرہے تھے۔ امام غزالی نے فلسفہ کے سارے نشیب و فراز میں در آئی غلطیوں سے پردہ ہٹا کر لوگوں کے ایمان و عقیدے کی حفاظت فرمائی۔

قبل اس کے کہ "امام غزالی اور فلسفہ کا رد بلیغ" کے عنوان پر کچھ لکھا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس فلسفہ زدہ ماحول کا ایک منظر نامہ خود امام غزالی کے لفظوں ملاحظہ ہو، تاکہ فلسفہ کے رد میں امام غزالی کا اسلوب اور کام کی نوعیت کا ایک واضح خاکہ سامنے آسکے:

"ہمارے زمانے میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں، جن کو یہ زعم ہے کہ ان کا دل و دماغ عام آدمیوں سے ممتاز ہے۔ یہ لوگ مذہبی احکام و قیود کو حقارت کی نظروں سے دیکھتے ہیں اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ انہوں نے سقراط، بقراط، افلاطون کے پر ہیبت نام سے اور ان کی شان میں ان کے مقلدوں کی مبالغہ آرائیاں اور قصیدہ خوانی سنی، ان کو معلوم ہوا کہ ریاضیات، منطقیات، طبعیات اور الٰہیات میں انہوں نے بڑی موشگافیاں کی ہیں، اور ان کا

عقل وذہن میں کوئی ہمسر نہ تھا۔اس عالی دماغی اور ذہانت کے ساتھ وہ مذاہب اوران کی تفصیلات کے منکر تھے۔اوران کے نزدیک مذاہب کے اصول وقواعد مصنوعی ہیں۔

بس انہوں نے بھی تقلیداً انکار مذہب کواپنا شعار بنالیااور تعلیم یافتہ اورروشن خیال کہلانے کے شوق میں مذاہب کاانکار کرنے لگے،تاکہ ان کی سطح عوام سے بلند سمجھی جائے اوروہ بھی عقلاو حکما کے زمرے میں شمار ہونے لگیں۔(تہافت الفلاسفہ،ص:۷۷)

فلسفہ مذہب اسلام کی جڑوں کودن بہ دن کھوکھلا کیے جارہا تھا،نت نئے اعتراضات کے ذریعے اسلام کے ماننے والوں کوشک وشبہ میں مبتلا کررکھا تھا،بلکہ کچھ وہ بھولے بھالے بھی تھے جن کی عقل وخرد پر فلسفہ کا خبط اس قدر سوار تھا کہ وہ ایمان سے ہاتھ ہی دھو بیٹھے تھے، اس سے زیادہ حسرت کی بات یہ تھی کہ خود مسلم کہلانے والے حضرات فلسفہ کے افکار ونظریات سے متاثر ہوکر اسلامی افکار کامذاق اڑارہے تھے۔

فلاسفہ کے اعتراضات کے جوابات:

ایسے سنگین حالات میں وقت کے علما گو کہ حالات سے نبرد آزما تھے،اسلام پر ہونے والے اعتراضات کاجواب دے رہے تھے اور صفائی کے وکیل بن کر علم کلام کے ذریعے اپنا فریضہ انجام دے رہے تھے مگر ایسے پر خطر حالات میں مدافعانہ کوششوں کاکوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہورہا تھا،ضرورت تھی کہ اقدامی کوشش کر کے فلسفہ کی غلط بنیادوں پر ہی دلائل کے ذریعے اس کا بطلان ثابت کردیا جائے،امام غزالی نے وقت کی نبض پر ہاتھ رکھ کر مرض ٹٹول لیا،حالات کے تقاضوں کوسمجھا،فلسفہ کا تنقیدی مطالعہ کیااور''مقاصد الفلاسفہ'' کے نام سے ایک کتاب لکھی،جوآسان زبان اور سہل پیرائے میں منطق،الٰہیات اور طبعیات کا مجموعہ تھی، پوری غیر جانب داری کے ساتھ فلاسفہ کے نظریات اور مباحث کومدون کر کے شائع کردیا۔ ساتھ ہی اس کے مقدمے میں اتنی وضاحت بھی ضروری سمجھی:''ریاضیات میں قیل وقال کی گنجائش نہیں اور دین کااس سے نفیاً واثباتاً کوئی تعلق نہیں لیکن اصل مذہب کاتصادم الٰہیات سے ہے،منطقیات میں بھی شاذونادر غلطیاں ہیں اگر کچھ اختلاف ہے تو اصطلاحات کا

،طبعیات میں ضرور حق و باطل کی آمیزش ہے، اس لیے اس کا موضوع دراصل الٰہیات اور کسی قدر طبعیات ہے، منطق محض تمہید و اصطلاحات کے لیے“۔(المیزان کا صوفیہ نمبر، ج:۱،ص: ۱۷۷، ناشر: صوفی فاؤنڈیشن، دہلی)

ظاہر بیں حضرات نے تو یہ سمجھا کہ یہ کتاب بھی عام کتابوں کی طرح فلسفہ کی ترجمان ہے مگر دور اندیش حضرات نے مقدمے میں مذکور باتوں کو پڑھ کر ہی محسوس کیا کہ یہ کتاب عام کتاب نہیں بلکہ فلسفہ کی موت کا ایک اشاریہ ہے۔

ہوا بھی یہی کہ اس کتاب کے بعد ایک اور تہلکہ خیز کتاب ”تہافت الفلاسفہ“ کے نام سے تحریر فرمائی۔ وجہ تالیف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”جب میں نے یہ رگ حماقتان بے وقوفوں کی پھڑکتی دیکھی، قدمائے فلاسفہ کے رد میں یہ کتاب لکھنے پر کمر ہمت باندھی، اس طرز سے کہ الٰہیات سے متعلق بحثوں میں ان کے نظریات کا تناقض، اور باتوں کا باہمی ٹکراؤ اور ان کی سرحد مذہب کے وہ خلل وشگاف عیاں کروں، جو علی التحقیق عقلا کے لیے مضحکہ خیز اور سمجھ والوں کے لیے حیرت انگیز ہیں“۔

ذات وصفات باری کے متعلق ایک جگہ فلاسفہ کے عجائبات اور عقول وافلاک کا پورا شجرۂ نسب لکھ کر بڑے طنزیہ انداز میں رقم طراز ہیں:

”یہ سب تحکمات ہیں، اور فلسفہ کی تقلید کورانہ کا خمار اتار کر دیکھو تو اس درجہ تیرہ وتار ہیں کہ اگر کوئی اپنا خواب بھی بیان کرتا، تو لوگ اسے دیوانہ سمجھتے۔ یا ایسی بات فقہیات میں پیش کرتا جہاں منتہائے مطلوب ظن ہے، تو بھی لوگ کہتے کہ یہ تو بے سروپا باتیں ہیں، ان سے غلبۂ ظن کہاں حاصل ہوسکتا ہے“۔(تہافت الفلاسفہ، مسئلہ ثالثہ، ص:۲۴۸، ناشر: نوری دارالافتا، بلرام پور، ۱۴۳۵ھ ۲۰۱۳ء)

ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں:

”مجھے حیرت ہے کہ دیوانہ آدمی بھی ان خود ساختہ باتوں پر کیسے قانع ہوسکتا ہے، چہ جائے کہ وہ عقلا جو بزعم خود معقولات میں بال کی کھال نکالتے ہیں“۔(ایضاً،ص:۲۶۶)

تہافت الفلاسفہ کے اثرات:

اس کتاب سے فلسفہ کی خیالی طلسم پر ایسی کاری ضرب لگی اور اس کی وہمی تقدس کو ایسی ٹھیس پہنچی کہ فلاسفہ اوندھے منہ گر پڑے، نتیجتاً جواب کی طرف متوجہ ہوئے مگر خود قوت جواب بھی جواب دے چکی تھی اس لیے قاصر ہی رہے۔ تصویر کا دوسرا رخ یہ تھا کہ کل تک جو مسلمان فلسفہ سے مرعوب ہوکر اسلامی اصول وقواعد کو کمزور سمجھ رہے تھے بلکہ اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے، اپنے موقف پر نظر ثانی کر کے اسلام کے مقدس دامن میں پناہ لینے لگے۔ اس طرح سیکڑوں افراد گمراہیت سے محفوظ رہے۔

تیسری جانب متکلمین کے حق میں یہ ایک زبردست ہتھیار ثابت ہوا، جس کے ذریعے انہوں نے فلاسفہ کی اصولی عمارتوں کو ڈھانے اور کمزور کرنے میں مستعدی دکھائی اور انہیں کامیابی بھی ملی۔

آپ کا عظیم کارنامہ رہتی دنیا کے لے بے مثال ثابت ہوا ہے، سچ تو یہ ہے کہ فلسفہ کی جراحی کا یہ عمل آپ ہی سے شروع ہوکر آپ ہی پر منتہی ہوگیا ہے۔ شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال نے بجا فرمایا ہے ۔

رہ گئی رسم اذاں روح بلالی نہ رہی　　　فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی

فرقۂ باطنیہ کا رد وابطال:

آپ کے دور میں دوسرا خطرناک فرقہ باطنیہ تھا، جس سے امت مسلمہ کو دور رکھنا از حد ضروری تھا۔ اپنی من گھڑت تاویلوں کے ذریعے عوام الناس کو کافی حد تک مسحور کر لیا تھا، آپ نے وعظ وخطابت، تصنیف وتالیف ہر ممکن طریقے سے لوگوں کو اس فتنے سے آگاہ کر کے دور رہنے کی تلقین فرمائی، چنانچہ اس کے خوش گوار اثرات بھی مرتب ہوئے۔

باطنیہ: اس لقب کی وجہ یہ ہے کہ یہ ظاہر قرآن کو چھوڑ کر اس کا باطن معنی لینے کے قائل ہیں۔ چنانچہ اس فرقہ نے کہا کہ قرآن کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے لیکن مراد باطنی

معنی ہے نہ کہ ظاہری معنی جو لغت سے معلوم ہوتے ہیں۔ باطن کو ظاہر سے ایسے ہی نسبت ہے جیسے گودے کو چھلکے سے ظاہری معنی سے استدلال کرنے والا ترک عمل تک پہنچتا ہے۔ اپنے اس دعوے پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول پیش کرتے ہیں "فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُورٍ لَّهُ بَابٌ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ" یعنی تو ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی، جس میں ایک دروازہ ہے اس کے اندر کی طرف رحمت اور اس کے باہر کی طرف عذاب۔ (الحدید: ۱۳)

احکام شرعیہ میں تاویل کرتے ہیں، مثلاً کہتے ہیں:

وضو سے مراد امام کی دوستی ہے۔

تیمم سے مراد ماذون سے علم حاصل کرنا ہے جو امام کی عدم موجودگی میں حجت ہوتا ہے۔

نماز سے مراد ناطق یعنی رسول ہے اور دلیل میں یہ آیت پیش کرتے ہیں: ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر "یعنی یقیناً صلوٰۃ بے حیائی اور برائی سے منع کرتی ہے (وہ کہتے ہیں کہ منع کرنا کسی ناحق ہی کا فعل ہوسکتا ہے، اس لیے صلوٰۃ سے مراد رسول ہیں)

احتلام سے مراد خواب میں بلا قصد و ارادہ کوئی راز فاش کر دینا ہے۔

غسل تجدید عہد کا نام ہے۔

زکوٰۃ سے مراد اپنے دین کی معرفت حاصل کر کے نفس کو پاک کرنا ہے۔

کعبہ سے مراد نبی، باب کعبہ سے مراد علی۔

صفا سے مراد نبی اور مروہ سے مراد علی ہیں۔

میقات سے مراد مانوس کرنا ہے۔

تلبیہ سے مراد مدعو کا جواب دینا ہے۔

کعبہ کے گرد سات چکر لگانے سے مراد سات اماموں کی دوستی ہے۔

جنت سے مراد احکام شرعیہ کی تکلیف سے بدن کا راحت پانا۔

جہنم سے مراد احکام شرعیہ کی تکلیف میں پڑ کر مشقت اٹھانا۔

اللہ تعالیٰ نہ موجود ہے نہ معدوم، نہ عالم ہے نہ جاہل، نہ قادر ہے نہ عاجز۔ (حدوث الفتن وجہاد اعیان السنن، از: علامہ محمد احمد مصباحی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور، ۱۴۲۱ھ مترجم: عبد الغفار اعظمی، ص: ۴۳، تا ۴۷، المجمع الاسلامی، طبع سوم: ۱۴۳۲ھ ۲۰۱۱ء)

محترم قارئین! مذکورہ باطنی تفصیلات پر نظر ڈال کر سمجھ سکتے ہیں کہ یہ گمراہ کن افکار کس طرح اسلام کی روح کو پژمردہ کردینے والے تھے اور اس کا انجام کس قدر بھیانک ہوسکتا تھا، امام غزالی نے امت مسلمہ کو اس کی گمراہی سے بچانے کے لیے کئی کتابیں تصنیف فرمائی اور ہر ممکنہ طریقے پر ان کا رد بلیغ فرما کر قوم مسلم کو گمراہیت سے بچالیا۔

المستظہری:

یہ خلیفہ مستظہر باللہ کے اشارے پر آپ نے تصنیف فرمائی، جو باطنیہ کے رد میں کافی مؤثر اور زود اثر ثابت ہوئی۔ اس کے بعد مسلسل حجۃ الحق، مفصل الخلاف، قاصم الباطنیہ، فضائح الاباحیہ اور مواہم الباطنیہ جیسی اہم تحقیقی کتب تحریر فرما کر انہیں کیفر کردار تک پہنچادیا۔

میدان تجدید واصلاح میں ''احیاء العلوم'' کا کردار:

احیائے علوم دین کا شمار ان کتابوں میں ہوتا ہے جس نے اسلامی معاشرے کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ امام غزالی نے یہ کتاب دراصل اس وقت لکھی تھی، جب کہ بغداد سے تدریس کو خیر آباد کہہ کے تلاش یقین اور طلب حق ''احیاء العلوم'' کے لیے بادیہ پیمائی کی تھی ،دس سال کے باطنی سفر کے بعد جب مخلوق کی جانب آنے کا خیال ہوا تو اپنے قلبی تاثرات، علمی تجربات، اصلاحی خیالات اور وجدانی کیفیات پر مبنی یہ سوغات لے کر اہل وطن کے درمیان تشریف لائے۔

حکام وسلاطین کی اصلاح:

احیاء العلوم میں امام غزالی نے اہل دولت وثروت کی کوتاہیوں اور ان کی نفسیاتی

بیماریوں کو کھول کر بیان کیا ہے، سلاطین و حکام پر بڑی جرأت مندانہ تنقید کی ہے، ان کے ظلم وستم، خلاف شرع امور اور مال وقوانین کی مذمت میں بھی کئی صفحات لکھ کر ان کی غلطیوں اور کوتاہیوں کو بیان فرما کر اصلاح کی تلقین کی ہے۔ ایسے زمانے میں آپ نے یہ سب باتیں کہی تھیں جب اصحاب اقتدار کے خلاف کچھ بولنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا، مگر آپ نے ان سب خطرات سے خوف کھائے بغیر اعلان حق کرتے ہوئے لکھا:

''بادشاہوں کے مال اس زمانے میں عموماً حرمت سے خالی نہیں، حلال مال ان کے پاس یا تو سرے سے ہوتا ہی نہیں یا بہت کم ہوتا ہے، سلاطین وقت سے ان رقوم کا قبول کرنا بھی مناسب نہیں، جن کے متعلق یہ گمان ہو کہ یہ مشتبہ اور ناجائز ہیں، اس لیے کہ اس میں بکثرت دینی مفاسد ہیں۔

علما کی اصلاح:

یہ بات گزر چکی ہے کہ امام غزالی کی نظر میں معاشرے کے بگاڑ کے ذمہ دار علما و سلاطین ہیں، اسلیے جہاں سلاطین وحکمراں کے رویے پر تنقید کی ہے وہیں علما کو بھی ان کی کوتاہیوں اور خرابیوں پر تنبیہ کی ہے۔ ایک جگہ عہد صحابہ اور بعد کے عہد میں علما کی اصلاحی خدمات، دعوتی واقعات اور اس کے فوائد و برکات بتانے کے بعد انہیں ان الفاظ میں جھنجھوڑتے ہیں:

''علمائے کرام کا طریقہ یہ تھا کہ وہ بلا خوف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے تھے، بادشاہوں کے دبدبے اور ان کے جاہ وحشمت کی ذرا بھی پروانہ کرتے تھے، وہ اللہ تعالیٰ کے فضل پر اعتماد رکھتے تھے اور انہیں اطمینان تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرمائے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے پر راضی رہتے تھے کہ وہ انکو شہادت کا مقام عطا فرمائے گا، چوں کہ ان کی نیت خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی تھی تو ان کے کلام میں یہ تاثیر تھی کہ سخت دل بھی نرم ہو جاتے تھے اور بڑے سے بڑے سنگدل بھی متاثر ہو جاتے تھے۔ لیکن اب تو حالت یہ ہے کہ دنیا کی طمع نے علما کی زبانیں گنگ کر دی ہیں، اور وہ خاموش ہیں، اگر بولتے بھی ہیں تو

ان کے اقوال واحوال میں مطابقت نہیں ہوتی، اس لیے کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اگر آج بھی وہ خلوص وصداقت سے کام لیں اور علم کا حق ادا کرنے کی کشش کریں تو کامیابی ضرور ان کے قدم چومے گی۔ (احیاء العلوم، ج:۲،ص:۷۹۷، مترجم: مولانا صدیق ہزاروی، پاکستان)

احیاء العلوم میں بارہا ایسے مواقع آئے ہیں جہاں علما کو ان کی منصبی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلایا گیا ہے اور انہیں حق گوئی کے ساتھ ساتھ راست بازی کی بھی تلقین کی گئی ہے۔

مسئلہ تکفیر میں امام غزالی کا حزم واحتیاط:

امام غزالی کے عہد میں فروغ اسلام کے نام پر متعدد فرقے وجود میں آگئے تھے، ہر فرقہ اپنے مخالف گروہ کی تکفیر کا قائل تھا، کسی کو مباح الدم اور مستحق جہنم قرار دینا انکے لیے ایک معمولی بات تھی، آپ نے بڑے شد ومد کے ساتھ ان نظریات کی تردید فرمائی اور اس موضوع پر دو کتابیں "الاقتصاد فی الاعتقاد" اور "فیصل التفرقہ بین الاسلام والزندقۃ" لکھ کر راہ اعتدال کو اختیار کرنے اور غلو سے بچنے کی تلقین فرمائی۔

ایک جگہ "الاقتصاد" میں فرماتے ہیں: اگر تکفیر سے بچنے کی کوئی راہ نکل سکے تو تکفیر سے بچنا چاہیے، اس لیے کہ اہل قبلہ جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے قائل ہیں ان کے جان ومال کو مباح قرار دینا خطا ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"امرت ان اقاتل الناس حتی یقول لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ. فاذا قالوا فقد عصموا منی دمائھم ،واموالھم الا بحقھا"۔ (ریاض الصالحین ص:۳۸۵)

آگے مزید لکھتے ہیں:

"ہمارے نزدیک یہ بات پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچ سکی کہ خطافی التکفیر موجب تکفیر ہے، اس لیے تکفیر کے لیے دلیل کی ضرورت ہے اور کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی وجہ سے عصمت جان ومال وقطعی طور پر ثابت ہو چکی ہے لہٰذا ان کے مباح ہونے کے لیے

دلیل قطعی کی ضرورت ہے"۔ (الاقتصاد بحوالہ قلمی رشحات، ساجد رضا مصباحی، ص: ۱۲۰، ۱۲۱، مکتبہ صمدیہ، پھپھوند شریف)

"فیصل التفرقہ بین الاسلام والزندقة" میں تکفیر میں غلو کرنے والوں کو امام غزالی نے شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہے، کیوں کہ متکلمین کی ایک متعصب گروہ نے عوام المسلمین کے لیے یہ ضروری قرار دیا تھا کہ وہ علما کی طرح عقائد دینیہ ان کے ادلہ کے ساتھ جانیں اگر وہ ایسا نہیں کر پاتے تو وہ ان کی نظر میں کافر ٹھہریں گے۔ اس پر امام غزالی فرماتے ہیں:

"تکفیر میں غلو کرنے والوں میں متکلمین کا ایک گروہ بھی ہے جنہوں نے عوام مسلمین کی تکفیر کی اور یہ کہا کہ جو ہماری طرح علم کلام کی معرفت نہ رکھے اور عقائد شرعیہ کو ہماری بیان کردہ دلائل کے ساتھ نہ جانے وہ کافر ہیں۔ اس گروہ نے اللہ کے بندوں پر اس کی وسیع رحمت کو تنگ کر دیا اور جنت کو متکلمین کی ایک مشت بھر جماعت کی جاگیر بنا ڈالا۔ یہ لوگ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی متواتر احادیث سے ناواقف تھے، کیوں کہ عہد نبوی اور عہد صحابہ میں ایسی جماعت موجود تھی جنہیں عقائد کا علم تو تھا لیکن وہ دلائل سے واقف نہیں تھے۔ بندے کے دل میں ایمان کا نور متکلمین کے دلائل سے نہیں پیدا ہوتا یہ تو اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم سے ہوتا ہے"۔ (التفرقہ، بحوالہ: قلمی رشحات، ص: ۱۲۱، مکتبہ: صمدیہ، پھپھوند)

تصنیفات:

آپ نے احیاء العلوم کے علاوہ دیگر فنون میں بھی مختلف کتابیں لکھ کر اصلاح و تجدید کی خدمت انجام دی ہے۔ چند کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں:

تفسیر اور اس کے متعلقات میں:

یاقوت التاویل (۴۰، جلدوں میں) اور جواہر القرآن۔

تصوف و اخلاق اور اس کے متعلقات میں:

احیاء علوم الدین، کیمیائے سعادت، مکاشفة القلوب، جواهر

القرآن، جواهر القدس فی حقیقة النفس، منهاج العابدین، مشکوٰۃ الابرار اور مجالس غزالیه۔

فلسفہ اور اس کے متعلقات میں:

تهافت الفلاسفة اور مقاصد الفلاسفة۔

فقہ اور اس کے متعلقات میں:

الوسیط، البسیط، بیان القول للشافعی، مجموعۃ الفتاوىٰ، اور الوجیز فی الفروع۔

اُصول فقہ اور اس کے متعلقات میں:

المستصفیٰ فی اصول الفقه۔ (یہ امام غزالی کی آخری تصنیف ہے)

منطق اور اس کے متعلقات میں:

معیار العلم، میزان العمل، محک النظر۔

ردِ عقائد باطلہ میں:

المستظهری فی الرد علی الباطنیة، حجة الحق، مفصل الخلاف، قاصم الباطنیة، فضائح الباطنیه، مواهب الباطنیة، الدرج المرقوم بالجداول، القسطاس المستقیم۔

خودنوشت سوانح:

المنقذ من الضلال۔ ترجمہ: بنام ''اُجالوں کا سفر'' ناشر: دارالعلوم محبوب سبحانی، کرلا، ممبئی۔

پانچویں صدی کے مجدد

غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت: ۴۷۰ھ۔ وصال: ۵۶۱ھ

تجدیدی خدمات

آپ کی ذات ستودہ صفات نے اپنے علم وعمل، کردار وگفتار اور مواعظ ونصائح سے عالم اسلام کے اس تاریک دور کی اصلاح وفلاح کے لیے جو کارہائے نمایاں انجام دیے اور دین متین کو جس عروج پر پہنچایا تاریخ کا ورق ورق اس کی شہادت دے رہا ہے۔

بطور دلیل چند امور سپرد قرطاس ہیں۔

مختلف فیہ فروعی مسائل میں تشدد کرنے والوں کو تنبیہ:

جماعت ناجیہ اہل سنت وجماعت کے چاروں فقہی مذاہب حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی حق وصداقت اور جادۂ مستقیم پر ہیں اور آپسی فروعی مسائل میں اختلاف کے باوجود بھی چاروں مذاہب پر عمل کرنے والے سنی صحیح العقیدہ قرار دیئے گئے۔ جو ان سے منحرف ہو وہ گمراہ بد دین ہے۔ چنانچہ علامہ طحطاوی قدس سرہٗ رقم طراز ہیں:

"وهذه الطائفة الناجية قد اجتمعت اليوم فى مذاهب اربعة وهم الحنفيون والمالكيون و الشافعيون والحنبليون رحمهم الله ومن كان خارجا عن هذه الاربعة فى هذاالزمان فهو من اهل البدعة والنار"۔ (طحطاوی علی الدر، ج:۴،ص:۱۵۳)

مگر نیرنگیٔ زمانہ اور شومیٔ قسمت سے بعد کے دور میں ان ائمہ اربعہ کے کچھ مقلدین علمائے کرام کی وجہ سے آپس میں دست بگریباں ہونے کا جو ماحول پیدا ہو گیا تھا اور معمولی معمولی امر میں بھی جنگ وجدال کا جو بازار گرم ہو جاتا تھا حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس

رویہ پر لوگوں کی سرزنش فرمائی اور راہ اعتدال اپنانے کی تلقین فرمائی۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''جن امور میں علما و فقہا کا اختلاف ہے اور اجتہاد کی گنجائش ہو ان کا رد یا انکار بھی جائز نہیں۔ جیسے امام اعظم کے مقلد کا تہبند پہننا اور بغیر ولی کے عورت سے نکاح کرنا جیسا کہ حنفیہ کا مشہور مذہب ہے کہ امام احمد اور امام شافعی کے مقلد کے لیے اس کے خلاف آواز اٹھانا جائز نہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ کسی فقیہ کے لیے جائز نہیں کہ وہ لوگوں کو اپنے مذہب پر ابھارے اور اس سلسلہ میں ان پر سختی کرے۔ حقیقت میں مخالفت کی آواز صرف اسی صورت میں اٹھانا درست ہے جب اجماع (علما) کے خلاف ہو رہا ہو''۔ (غنیۃ الطالبین، ص: ۱۲۷، مترجم: ادیب شہیر حضرت شمس صدیقی بریلوی، ۱۴۲۳ھ ۲۰۰۲ء ناشر: اسلامک پبلشر مٹیا محل جامع مسجد، دہلی)

مکار اور بے علم صوفیوں کی اصلاح:

یہ حقیقت مثل آفتاب درخشندہ ہے کہ شریعت مطہرہ کی پیروی ہی دارین میں فلاح و بہبود کی ضامن، آخرت کی کامیابی کا مدار اور قرب خداوندی کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اگر کوئی حدود شرعیہ سے تجاوز کرتا ہے تو اس کے لیے منزل ولایت تو پانا بہت دور، وہ کمال ایمان کا درجہ بھی نہیں پاسکتا ہے۔ غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''اگر حدود شریعت میں سے کسی میں خلل آجائے تو جان لے کہ تو فتنہ میں پڑا ہوا ہے بے شک شیطان تیرے ساتھ کھیل رہا ہے''۔ (طبقات اولیا، ج:۱، ص:۳۱۱)

مگر بعض نام نہاد صوفی شریعت سے بیگانہ، احکام شرع کا تمسخر و استہزا کرنے، علم اور علمائے دین کا مزاق اڑانے، رشد و ہدایت کے نام پر بدعت و ضلالت اور گمراہی و جہالت پھیلانے میں سرگرم تھے۔ آپ نے ایسے صوفیوں کی سخت تنقید فرمائی اور کھلم کھلا ایسی جماعت متصوفہ کی مذمت کی۔ چنانچہ اپنی ایک پاکیزہ مجلس میں ان نام نہاد صوفیوں پر یوں برق باری فرماتے ہیں:

''اے منافقو! اے آخرت کو دنیا کے عوض بیچنے والو! اے حق کو مخلوق کے عوض اور باقی کو فانی کے عوض بیچنے والو! تمہارے کاروبار تجارت میں ٹوٹا ہے اور تمہارا اصل مال بھی گارت

ہو گیا تم پر افسوس ہے کہ تم اللہ کے غضب و غصہ کا خود کو نشانہ بنانے والے ہو، کیوں کہ جو ایسی چیز سے اپنا بناؤ سنگار کرتا ہے جو اس میں نہیں ہوتی اس پر اللہ تعالیٰ غصہ فرماتا ہے۔ تو مکاری نہ کر۔ اپنے ظاہر کو آداب شریعت سے اور باطن کو اس میں مخلوق کو نکال دینے سے آراستہ کر۔ (ارشادات غوث اعظم، ص: ۲۴۴)

اے غلام! تیرا انفاق تیری فصاحت و بلاغت، چہرہ کے زار بنا لینے، تیرے پیوند گانٹھ لینے، مونڈھوں کے سکڑ لینے اور رونے رلانے سے خدا کی بارگاہ سے تیرے لیے کچھ نہ آئے گا۔ یہ تمام باتیں تیرے نفس شیطانی اور مخلوق کو شریک خدا سمجھنے اور ان سے دنیا باطنی کے سبب سے پیدا ہو گئی ہیں ذرا سوچ!۔ (ایضاً، ص: ۲۰۸)

اے خانقاہوں اور گوشوں میں بیٹھنے والو! آؤ میرے وعظ سے اگرچہ ایک ہی حرف کا ہو مزہ چکھ لو۔ تو میری صحبت میں ایک دن یا ہفتہ بھر رہو، تاکہ تم اپنی نفع کی باتیں مجھ سے سیکھ لو۔ تم پر افسوس تم میں سے اکثر تو سراپا ہوس ہی ہوس ہو۔ تم اپنی خانقاہوں میں بیٹھ کر مخلوق سے پوجا کراتے رہتے ہو۔ یہ امر محض خلوتوں میں بیٹھنے سے جہالت کے ہوتے ہوئے حاصل نہیں ہو سکتا ہے جہالت چھوڑ دو"۔ (ایضاً، ص: ۲۱۰)

علما و زہاد کا چشم کشا اسلوب:

ہر دور میں ایسے علما کا وجود رہا ہے جو امرا و سلاطین کی تملق و چاپلوسی اور خوشامد سے اپنی دنیا آباد اور آخرت برباد کرتے رہے۔ برصغیر میں ابوالفضل، فیضی، ننگ خاندان، محمد اسماعیل دہلوی اور قاسم نانوتوی وغیرہ کو بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے، جن کی بدولت ملت اسلامیہ نامعلوم کتنے فتنے میں مبتلا ہو گئی۔ کچھ ایسے ہی علما حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں تھے۔ آپ نے ان کو مخاطب فرما کر لوم لائم کی پرواہ کیے بغیر ان کی اصلاح یوں فرمائی:

"اے عالمو! اے زاہدو! تم کب تک بادشاہوں اور حاکموں کے لیے نفاق برتتے رہو گے تاکہ تم ان سے دنیا کا مال و زر، شہوات و لذات حاصل کرتے رہو، تم اور اکثر شاہان وقت اللہ کے مال اور اس کے بندوں کے متعلق ظالم اور خائن ہو"۔

"اے اللہ! منافقوں کی شان وشوکت توڑ دے اور ان کو ذلیل فرما۔ ان کو توبہ کی توفیق دے اور ظالموں کا قلع قمع فرما، زمین کو ان سے پاک کر دے یا ان کی اصلاح فرما۔ آمین"۔ (غنیۃ الطالبین مقدمہ، ص:۲۱)

سلاطین وقت کی اصلاح کا طریقہ:

سلطنت واقتدار کی حرص وہوس بے شمار مفاسد ومنکرات کے ساتھ ساتھ ظلم وستم اور جبر وتشدد کا بھی باعث بنتی ہے۔ جب امرا وسلاطین ہوس کا شکار ہوتے ہیں تو اس کے لیے ظلم و تعدی کے تمام حدود توڑ کر اپنی ناکام منزل تک پہنچنا ان کے نزدیک عین انصاف بن جاتا ہے۔ چنانچہ حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں بھی ایسے سلاطین وامرا موجود تھے جن کے دست ظلم وبربریت سے ملت طمانچے کھا رہی تھی ان کے جور واستبداد کا نشانہ بنی ہوئی تھی مگر آپ ان کی شان وشوکت، جاہ وحشمت، رعب ودبدبہ اور سطوت وحکومت سے کبھی مرعوب نہ ہوئے اور بے خوف وخطر ایسے ظالم حکمرانوں کو ظلم وستم سے روکا اور ان کی اصلاح فرمائی۔ اس حوالہ سے علامہ شطنوفی قدس سرہٗ نے متعدد واقعات بیان کیا ہے، یہاں ایک واقعہ جو بڑا ہی نصیحت آمیز اور عبرت خیز ہے ذکر کیا جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

غوث پاک کی خدمت میں بادشاہ مستنجد باللہ ابوالمظفر یوسف حاضر ہوا۔ اس نے آپ کو سلام کیا اور نصیحت چاہی۔ آپ کے سامنے دس تھیلیاں رکھ دیں جن کو دس غلاموں نے اٹھا رکھا تھا۔ آپ نے فرمایا: مجھے ان کی حاجت نہیں اور قبول کرنے سے انکار کیا۔ اس نے بڑی عاجزی کی تب آپ نے ایک تھیلی کو اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑا اور دوسری بائیں ہاتھ میں اور دونوں کو ہاتھ سے نچوڑا تو وہ خون ہو کر بہہ گئیں۔ آپ نے فرمایا: اے ابوالمظفر! کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے کہ لوگوں کا خون لیتے ہو اور میرے سامنے لاتے ہو۔ وہ بے ہوش ہو گیا۔ (بہجۃ الاسرار، اردو، ص:۱۷۸، مصنف: امام ابوالحسن شطنوفی، مترجم: مولانا حافظ احمد علی شاہ لاہوری، ناشر: مکتبہ رضویہ، لاہور)

ایک مرتبہ بادشاہ وقت خلیفہ المقتفی بامر اللہ نے قاضی ابو الوفا یحییٰ بن سعید بن یحییٰ بن مظفر کو قاضی بغداد مقرر کیا۔ لوگوں نے حضرت قدس سرہٗ سے خلیفہ کی اس عوام دشمنی کی شکایت کی تو آپ نے بر سر منبر خلیفہ کو (جو آپ کی بارگاہ میں موجود تھا) اس طرح پھٹکارا۔ تم نے مسلمانوں پر ایک ایسے شخص کو حاکم بنایا ہے جو اظلم الظالمین ہے۔ کل قیامت کے دن اس رب العالمین کو جو ارحم الراحمین ہے کیا جواب دوگے۔ یہ سن کر وہ لرزہ براندام ہو گیا اس پر خشیت الٰہی سے لرزہ طاری ہو گیا۔ اس نے اسی وقت موجودہ قاضی کو قضا کے عہدہ سے معزول کر دیا۔ (غنیۃ الطالبین، ص:۱۶)

ظالموں کو قیامت کی ہولناکی بتا کر انہیں ظلم سے باز رہنے کے لیے ایک عمومی خطاب میں ارشاد فرماتے ہیں:

''اے قوم! قیامت کے دن دل اور آنکھیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی، اس دن قدم لغزش میں آجائیں گے۔ مسلمانوں میں سے ہر ایک اپنے ایمان و تقویٰ کے قدم پر کھڑا ہوگا۔ ثابت قدمی موافق اندازۂ ایمان ہوگی۔ اس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹ کاٹ کر کھائے گا کہ کیوں اور کیسے ظلم کیا تھا''۔ (ارشادات غوث اعظم، ص:۱۹۸)

اہلِ بغداد کو دل پذیر نصیحت:

بغداد معلی جو کبھی علم و فن اور عظمت و وقار کا بلند مینار تھا، چھٹی دہائی میں اس کی عظمت کا بلند مینار بھی زمین بوس ہو چکا تھا۔ طہارت و پاکیزگی اور شرافت و پرہیزگاری کے بجائے فسق و فجور، معصیت و نافرمانی، عیاشی و فحاشی کا دور دورہ تھا۔ غرض یہ کہ بغداد کا پورا معاشرتی سماجی نظام ہلاکت کے بھنور میں پھنس چکا تھا۔ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بغدادیوں کی عیش و عشرت میں ڈوبی ہوئی زندگی کو تباہ و بربادی کے طوفان سے نکال کر منزل مقصود تک پہنچانے اور ان کی اصلاح کے لیے ہر ممکن کوشش جدوجہد فرمائی۔ چنانچہ خصوصیت کے ساتھ اہل بغداد کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اے اہل بغداد! تمہارے اندر نفاق زیادہ اور خلوص کم ہو گیا ہے۔ اقوال بلا اعمال

بڑھ گئے ہیں اور عمل کے بغیر قول کسی کام کا نہیں۔ تمہارے اعمال کا بڑا حصہ جسم بے روح ہے، کیوں کہ روح اخلاص و توحید اور سنت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر قائم ہے غفلت مت کرو اپنی حالت کو پلٹو تا کہ تم کو راہ ملے۔ جاگ اٹھو اے سونے والو! اے غفلت شعار و بیدار ہو جاؤ! اے سونے والو جاگ اٹھو۔ (غنیۃ الطالبین مقدمہ، ص:۱۵)

ایک بزم میں آپ نے اہل عراق کو یوں مخاطب فرمایا:

اے اہل عراق! تم علم و ذکا کے مدعی ہو تم ذکا کا دعویٰ کرتے ہو حالاں کہ تم پر یہ امر مخفی ہے کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون ہے؟ حق پر کون ہے اور باطل پر کون ہے؟

تمہیں حق و باطل میں تمیز نہیں، تمہارے جھٹلانے کا نقصان تمہیں پر لوٹنے والا ہے اور مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ خدا کا چاہنے والا، اس کی جنت کا چاہنے والا اس کی دوزخ سے خائف نہیں ہوتا بلکہ وہ صرف اس کی ذات کو چاہتا ہے اور اس کی دوری سے ڈرتا ہے تو، تو شیطان نفس اور شہوات کا قیدی بنا ہوا ہے اور تو کچھ نہیں رکھتا، تیرا قلب مقید ہے اور تجھے کچھ معلوم نہیں۔ (ارشادات غوث اعظم، ص:۲۸۱)

نوجوانانِ ملت کے نام آپ کا اصلاحی پیغام:

عہد شباب کو دیوانگی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ انسان اس منزل میں آکر لذات و شہوات کی طرف زیادہ مائل ہو جاتا ہے اور فسق و فجور کا دلدادہ بن جاتا ہے۔ سرکار غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نوجوانوں کے کردار و عمل کی درستگی کے پیش نظر بالخصوص ان کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

اے نوجوانو! تم توبہ کرو کیا تم اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھتے کہ وہ بلا سے تمہاری آزمائش کرتا ہے تا کہ تم توبہ کر لو، مگر تمہیں سمجھ نہیں آتی اور اس کے گناہوں پر اصرار کر رہے ہو۔ اس زمانے میں سوائے چند مخصوص آدمیوں کے جس کی بھی آزمائش بلا سے ہو رہی ہے، اس کے لیے آزمائش عذاب ہے نہ کہ نعمت، گناہوں کی سزا ہے نہ کہ درجوں میں اور کرامتوں کی زیادتی۔ (ایضا، ص:۲۶)

اے قوم! تم بارگاہ خداوندی میں اپنے نفوس کو پیش کرنے اور ان کی جانچ پڑتال میں تاخیر نہ کرو۔ اس بارے میں اپنے نفوس پر قبل آخرت کے دنیا میں ہی جلدی کر لو۔ ارشاد نبوی ہے: اللہ اپنے نیک بندوں پر جنھوں نے دنیا میں پرہیزگاری کی ہے، حساب کرنے میں شرمائے گا، حساب نہ لے گا۔

تو تقویٰ اختیار کر ورنہ کل تیرے گلے میں رسوائی کی رسی ہوگی۔ تو اپنے تصرفات دنیوی میں تقویٰ لازم کر ورنہ تیری خواہشات دنیا و آخرت میں سراپا حسرتیں بن جائیں گی۔

(ارشادات غوث اعظم، ص: ۲۵۲)

آپ کی ان مواعظ حسنہ اور خطبات حکیمانہ کا یہ اثر ہوا کہ بغداد جو عیش و عشرت کا گہوارہ تھا، جہاں کے نوجوان رئیس زادے اور شرفا آداب و شرافت اور سیادت بھلا چکے تھے، بہت جلد راہ راست پر آ گئے۔ ان کی سرمستیاں ماند پڑ گئیں، ہزاروں افراد نے آپ کے دست حق پر توبہ کی۔ صرف مسلمان ہی تائب نہیں ہوئے بلکہ صدہا یہودیوں اور عیسائیوں نے اسلام قبول کیا۔ چنانچہ مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ بغداد کی ایک بڑی آبادی نے حضرت والا کے دست پاک پر توبہ کی اور بکثرت یہود و نصاریٰ اور اہل ذمی مسلمان ہوئے۔

(ماخوذ: اخبار الاخیار، ص: ۳۸)

تصنیفات:

وعظ و تقریر کے علاوہ تحریر و تصنیف سے بھی آپ نے اصلاحِ امت کا فریضہ انجام دیا۔ آپ کی بیش بہا تصنیفات اور گراں قدر کتب و رسائل آج بھی پوری دنیا کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔

(۱) الغنیة الطالبین طریق الحق فی الاخلاق والتصوف والادب الاسلامیة (۲) الفتح الربانی (۳) فتوح الغیب (۴) حجب بشائر الخیرات فی الصلاۃ علی صاحب الأیات البینات (۵) جلاء الخاطر ممن کلام

الشیخ عبدالقادر (٦) حزب الرجا، والانتها(٧) الرسالة الغوثية (٨) معراج لطيف المعانى (٩) يواقيت الحكم (١٠) المواهب الرحمانية (١١) وصايا الشيخ عبدالقادر (١٢) القصيدة الامية الغوثية (١٣) سر الاسرار فى التصوف (١٤) رسائل الشيخ عبدالقادر (١٥) ديوان الشيخ عبدالقادر (١٦) كتاب الفيوضات الربانية (١٧) ثنية الغيبى يلى روية النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم (١٨) الرد على الرافضه (١٩) حجب عبدالقادر الكيلانى (٢٠) مسك الختام (٢١) الكبريت الاحمر۔(الشيخ عبدالقادر الجيلانی للدکتور عبدالرزاق الکیلانی، ص: ۳۲۰، مطبوعہ: مرکز اہل سنت برکات رضا، گجرات)

چھٹی صدی کے مجدد

فخر المفسرین امام فخر الدین محمد بن عمر رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت: ۵۴۴ھ۔ وصال: ۶۰۶ھ

تجدیدی کارنامے

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ آج کے زمانے کی طرح نہ تھا، بلکہ وہ زمانہ ایسا تھا کہ علوم وفنون اپنے عروج وارتقا کی آخری حدوں کو چھو رہا تھا، کیا غریب اور کیا امیر سبھی کو دینی وعصری علوم میں دلچسپی تھی، خود امام رازی اور خوارزم شاہ بطور دلیل پیش کیے جا سکتے ہیں، ایسے وقت میں ہدایت وگمراہی دونوں کے لیے کتابوں کا استعمال کیا جاتا تھا، چنانچہ کچھ باطل پسند عناصر، علم کلام وفلسفہ کے ذریعے اسلامی تعلیمات کی روح اور مسلمانوں کے عقائد کو متزلزل کرنے کے درپے ہو گئے اور تصنیف وتالیف کے ذریعہ کلام وفلسفہ کے فاسد نظریات کو دین اسلام پر جبراً چسپاں کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے امام رازی جیسے بالغ نظر شخص کو پیدا فرما کر متکلمین وفلاسفہ کی شر پسندی سے اسلام کو بچایا، چنانچہ آپ نے اکثر کتابیں صرف رد میں تحریر فرمائیں، جس فلسفہ اور کلام کے ذریعے حملہ آوروں نے اسلام کو چیلنج کیا، اسی فلسفیانہ طریقے سے آپ نے ان علوم کو اسلام کی سربلندی کا سبب بنا دیا۔ خدائے قدیر نے آپ کو علم کلام میں وہ مہارت عطا کی تھی کہ بڑے سے بڑا متکلم آپ کے سامنے طفل مکتب معلوم ہوتا، چنانچہ آپ نے بہت سی تحریکوں اور باطل فرقوں کی تردید محض علم کلام کے ذریعے کی اور واصلیہ، کرامیہ، عمریہ، ہذیلیہ، کعبیہ وغیرہ کے سوالات کا وہ دنداں شکن جواب دیا کہ بہتیروں نے اسلام کی حقانیت کو سمجھ لیا اور بے دریغ دین حق کی پناہ میں آ گئے۔

آپ کے زمانے میں بدعقیدوں نے ہر چہار جانب سے دین اسلام پر حملے کیے اور اس کی روحانیت کو بدلنے کی کوشش کی، لیکن آپ نے نہایت سنجیدگی سے تمام طرح کی

مشکلات کا سامنا کیا، باطل فرقوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اسلام کا پرچم حق بلند و بالا کر دیا۔ جب آپ نے روافض کی جانب رخ کیا تو ان کی بنیادوں کو اکھاڑ کر پھینکا، جب خوارج کے باطل نظریات کی گرفت فرمائی تو ان کے بطلان کو ثابت کر دیا، جب فرقہ معتزلہ کی طرف بڑھے تو ان کی اینٹ سے اینٹ بجادی لیکن معتزلہ اور اس کی شاخیں اتنی زیادہ پھیل چکی تھیں کہ محض تحریر کے ذریعے انہیں خاموش کرنا ایک مشکل امر تھا، ضرورت تھی کہ لوگوں کے سامنے زبانی بحث ہو، حقانیت ظاہر ہو، باطل روپوش ہو جائے اور عالم و جاہل میں سے ہر ایک اسلام کے صحیح عقائد کو سمجھ جائے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر آپ نے معتزلیوں خوارج و روافض سے مناظرے کیے اور، ان کی پوری پوری جماعت پر آپ تنہا غالب ہونے لگے۔ یہ دیکھ کر انہیں اپنی بے عزتی کا احساس ہوا اور انہوں نے آپ کو پریشان کرنا شروع کر دیا۔ صاحب طبقات الشافیہ لکھتے ہیں: آپ نے ان کی زیادتیوں سے تنگ آکر مقام خوارزم چھوڑ دیا اور ماوراء النہر چلے گئے، یہاں بھی اہل باطل کا ایک گروہ فتنہ انگیزیوں میں مصروف عمل تھا، چنانچہ آپ نے ان سے بھی مناظرے کیے اور ان پر بھی غلبہ حاصل کر لیا تو ''کھسیانی بلی کھمبا نوچے'' کے مصداق وہ پھر آپ کو پریشان کرنے لگے، جب ان کی زیادتیاں حد سے بڑھ گئیں تو آپ اپنی جائے پیدائش ''رے'' میں تشریف لائے اور تائید غیبی کے ساتھ تائید ظاہری حاصل کرنے کے لیے سلطان شہاب الدین غوری اور علاء الدین خوارزم شاہ سے تعلقات استوار کیے پھر باطل گروہوں کا رخ کیا۔ (طبقات الشافعیہ الکبریٰ، ج:۴، ص:۲۸۶، طبعۂ اولیٰ: ۱۹۹۹ء، مکتبہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

قلمی جواہر پارے:

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے علوم دینی وعصری کی تکمیل کے بعد ہی تالیف و تصنیف کو اپنا اہم مشغلہ بنا لیا اور تقریباً دو سو کتابیں مختلف علوم وفنون میں لکھیں، جن میں سے چند معرکۃ الآرا کتب کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) تفسیر کبیر:

اس کا نام خود امام رازی نے "مفاتیح الغیب" رکھا تھا۔ دونوں ناموں میں سے کسی بھی نام سے موسوم کیا جائے مسمیٰ پر حرف بہ حرف صادق آئے گا، کیوں کہ یہ تفسیر حجم و معلومات کے اعتبار سے تمام تفسیروں میں تقریباً بڑی ہے اور واقعتاً طالبوں کے لیے غیب کی کنجیاں اس میں جمع کی ہوئی ہیں۔ اس تفسیر کی تعریف میں خود صاحب تفسیر علیہ الرحمہ کا ایک بیان شافی و کافی ہے، فرماتے ہیں کہ: یاد رکھو! بعض اوقات میری زبان پر یہ بات گزری ہے کہ سورۂ فاتحہ کے فوائد اور اس کے محاسن سے دس ہزار مسائل کا استنباط کیا جانا ممکن ہے، تو بعض حاسدوں نے اسے بعید سمجھا، اس لیے میں نے اس کتاب کی تصنیف کر دی اور ایک مقدمہ لکھا تاکہ یہ اس کے اوپر دلیل ہو جائے تو جو میں بیان کروں کہ یہ امر ایسا ہے جو بالکل ممکن الحصول ہے۔ ابن خلکان فرماتے ہیں کہ انہوں نے اس کتاب کے اندر ہر غریب و نادر چیزوں کو جمع کر دیا ہے اور یہ بہت بڑی بات ہے لیکن وہ اس کی تکمیل نہیں کر پائے، شیخ نجم الدین احمد بن محمد القموی نے اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا ارادہ کیا لیکن وہ بھی تکمیل سے پہلے دارِ بقا کی طرف چل بسے، پھر قاضی شہاب الدین بن خلیل دمشقی نے اس کو مکمل کیا۔ (مصدر سابق)

(۲) نہایۃ العقول:

جس کا پورا نام "نہایۃ العقول فی الکلام فی درایۃ الاصول" ہے، علم فقہ میں ایک جامع کتاب ہے۔

(۳) اساس التقدیس:

علم کلام میں لکھی گئی ہے، جس میں جسمانیت اور عوارض جسمانیت سے بحث کی گئی ہے۔

(۴) اسرار التنزیل وانوار التاویل:

اس کے چار حصے ہیں: پہلا اصول میں، دوسرا فروع میں، تیسرا اخلاق میں، چوتھا

مناجات و دعائیں، لیکن ابھی پہلی جلد بھی مکمل نہ ہو پائی تھی کہ حضرت کا انتقال ہو گیا۔

(۵) تفسیر سورۂ فاتحہ و بقرہ اور اخلاص:

تفسیر کبیر کے علاوہ ان سورتوں کی بھی مکمل علاحدہ تفسیر فرمائی ہے۔ (۱۵، کشف الظنون، ص:۱۷۰۶)

(۶) معالم فی اصول الدین:

جس میں عقائد کے مباحث کو بیان کیا گیا ہے۔

(۷) معالم فی اصول الفقہ:

جس میں فقہی قواعد کا بیان ہے۔

(۸) معالم فی الکلام:

جس میں علم کلام کے نکات بیان کیے گئے ہیں۔

(۹) الاربعین فی اصول الدین:

اس میں علم کلام کے چالیس مسائل بیان کیے گئے ہیں۔

(۱۰) المحصول:

اس میں فقہی اصول و قواعد کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، چنانچہ متعدد حضرات نے اس کی تلخیصیں کی ہیں۔ ملخصین کی صف میں خود امام رازی علیہ الرحمہ بھی شامل ہیں۔

(۱۱) شرح الارشادات:

بو علی سینا نے علم منطق اور علمِ حکمت میں ''اشارات'' نامی نہایت جامع اور مختصر کتاب لکھی تھی، حضرت نے ''کتاب الانارات'' نام سے اس کی شرح کی اور بو علی سینا پر اس کثرت سے اعتراضات وارد کیے کہ لوگوں نے اس کتاب کو ''جرح'' سے موسوم کر دیا۔

چھٹی صدی کے مجدد

حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین حسن چشتی سنجری

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت: ۵۳۴ھ۔ وصال: ۶۳۲ھ

تجدیدی کارنامے

ہندوستان کی حالت:

ہندوستان میں حضرت خواجہ غریب نواز کے قدم میمنت لزوم کے وارد ہونے سے پہلے باشندگان ہند، جبر وظلم اور کفر وشرک کی تاریک اور غبار آلود فضا میں گھٹ گھٹ کر جی رہے تھے، ہر چھوٹی بڑی چیز کو معبود سمجھ کر اس کی پوجا پاٹ کر کے اسے ذریعۂ نجات خیال کرتے، جادو ٹونا کا دور دورہ تھا، گھٹیا اور بے بنیاد مراسم پر سختی سے عمل کیا جاتا تھا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ حضرت آدم علی نبینا علیہ السلام کے بعد سے ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک اللہ تعالیٰ نے کسی نبی یا رسول کو ہندوستان کی جانب مبعوث نہیں فرمایا تھا، اگرچہ حضرت عمر اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے سے آمد خواجہ غریب نواز سے پہلے تک فرزندان اسلام وفود کی شکل میں ہندوستان کی جانب آتے رہے، مگر اس وسیع وعریض ہندوستان کے بعض خطوں میں کلمہ توحید ورسالت بلند ہوا البتہ تبلیغ وارشاد کا کام اعلیٰ پیمانے پر نہ ہوا، آمد خواجہ غریب نواز کے بعد اس خطہ میں ایک عظیم انقلاب آگیا اور اس کی تاریکی نور اسلام سے بدل گئی، جہاں مشرکانہ صدائیں بلند ہوتی تھیں وہ کلمۂ توحید ورسالت سے گونجنے لگی۔

"مرأۃ الاسرار" میں ہے: حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے لے کر رسول صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک تک ملک ہندوستان میں کوئی نبی مبعوث نہیں ہوئے ، چنانچہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے پانچ سو سال تک آپ کے سوا حق تعالیٰ نے کسی ولی اللہ کو اس قدر تصرف عطا نہیں کیا کہ جس نے پورے ہندوستان کو جو ابتدائے آفرینش سے شرک کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا، اپنی ولایت کی قوت سے نور وحدانیت سے منور کر دیا، جیسا کہ اظہر من الشّمس ہے، اس بارے میں اس زمانے کے ایک بزرگ نے کیا خوب کہا ہے

ہم غافل از حکم دین شریعت ہمہ بے خبر است خدا و پیمبر
نہ ہرگز کسے دید منجار قبلہ نہ ہرگز شنیدہ کس اللہ اکبر

ترجمہ: سب لوگ شریعت کے احکام سے غافل اور اللہ جل جلالہ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بے خبر تھے، نہ کسی نے کعبہ دیکھا تھا نہ کبھی اللہ اکبر کی آواز سنی تھی۔

از فیض او بجائے صلیب وکلیسا در دار کفر مسجد و محراب و منبر است
آں جا کہ بود نعرۂ فریاد مشرکاں اکنوں خروش نغمۂ اللہ اکبر است

(ص: ۵۹۳)

ترجمہ: خواجہ غریب نواز کے فیض سے کفرستان میں صلیب وکلیسا کے بجائے مسجد، محراب اور منبر ہے۔ جس جگہ مشرکوں کے فریادی نعرے تھے اب (وہاں) اللہ اکبر کی صدائیں ہیں۔

ہندوستان میں آمد:

حضرت خواجہ غریب نواز کو ہندوستان آنے کا حکم بارگاہ نبوی سے ملا تھا اور مختارِ کائنات خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی ولایت بھی انہیں عطا فرما دی چنانچہ آپ ایک دن مدینہ کی مقدس زمین پر مصروفِ عبادت تھے کہ بارگاہِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آپ کو یہ بشارت ملی:

”اے معین الدین! تو میرے دین کا معین ہے، میں نے تجھے ہندوستان کی ولایت

عطا کی، وہاں کفر و ظلمت پھیلی ہوئی ہے، تو اجمیر جا، تیرے وجود سے ظلمتِ کفر دور ہوگا اور اسلام کی رونق بڑھے گی"۔ (سیر الاقطاب، ص:۱۲۴)

اس ارشاد و بشارت نبوی کے بعد چند خدا رسیدہ خادموں کو لے کر بغداد، چشت، خرقان، جھنہ، بخارا، تبریز، اصفہان، ہرات، سبزوار اور مختلف مقامات میں توحید و رسالت کی شمع روشن، درجنوں مردمانِ خدا سے ملاقات، سینکڑوں نفوس کا تزکیہ اور ہزاروں قلوب کا تصفیہ کرتے ہوئے لاہور آئے اور سید علی داتا گنج بخش کے مزارِ مبارک سے فیض یاب ہوئے۔ (خلاصہ مرأۃ الاسرار، ص:۵۹۶، ۵۹۷)

رخصت ہوتے وقت حضرت داتا کی شان میں آپ نے یہ شعر کہا۔

گنج بخشِ فیضِ عالم، مظہرِ نورِ خدا ناقصاں را پیرِ کامل، کاملاں را رہنما

یعنی حضرت داتا کا فیض پورے عالم میں ہے اور آپ نورِ خدا کے مظہر ہیں، راہ طریقت میں جو ناقص ہے اس کے لیے پیرِ کامل ہیں اور کاملوں کے رہنما ہیں۔ (سیرت خواجہ غریب نواز، ص:۱۲)

لاہور سے پنجاب پھر اجمیر تشریف لائے، اس زمانے میں پتھورا (پرتھوی راج چوہان) اجمیر کا حکمراں تھا، "اہلِ سنت کی آواز" میں ہے: آپ رائے پتھورا کے دورِ حکومت میں ہندوستان تشریف لائے اور اجمیر سے اپنی اصلاحی تحریک کا آغاز کیا جو ان دنوں رائے پتھورا کا دار السلطنت تھا اور کفر و شرک کی آماجگاہ بھی۔ (اہلِ سنت کی آواز، نومبر، ۲۰۰۸ء، ص:۱۶۴)

رائے پتھورا نہایت ہی مغرور اور سرکش راجا تھا، اس کی ماں جانوروں کی بولی سمجھتی تھیں، ایک دن رانی کے محل پر ایک مرغ نے آکر بانگ دی، مرغ یہ کہہ رہا تھا:

"اب اس سرزمین پر اسلام کا دور دورہ ہوگا، اور تمہارا راج ختم ہوجائے گا، یہاں ایک مرد کامل آئے گا، جس کی بدولت تیری سلطنت زوال پذیر ہوجائے گی"۔ (اہلِ سنت کی آواز، نومبر ۲۰۰۸ء ص:۱۵۸، بحوالہ: خواجہ غریب نواز، ص:۲۷، ملخصا)

راجا کی ماں نے زوال سلطنت کی یہ خبر اسے آمد خواجہ غریب نواز سے بارہ برس پہلے ہی دے دی تھی۔ (دینی دعوت جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، ص: ۱۲۵) یہ خبر راجا کے لیے انتہائی دل دوز، جگر سوز اور جاں گسل تھی، اس لیے اس نے حضرت خواجہ کی آمد پر انہیں اور ان کے پیروکاروں کی ایذا رسانی اور ریشہ دوانی میں ہزاروں ناکام اور بے سود کوششیں کیں، پھر بھی تبلیغ وارشاد کے سلسلے میں اس درویش کے پائے ثبات میں سرِ مو لغزش نہ آئی، آپ نے اپنا کام جاری رکھا، آپ کے جمال باکمال اور خرق عادات افعال دیکھ کر راجا کے کارندے، ہرکارے، راجپوت اور دیگر لوگ جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے حتیٰ کہ راجا کے معتمدِ خاص رام دیو اور جے پال نے بھی اسلام قبول کرلیا۔

اونٹوں کا نہ اٹھنا:

اجمیر پہنچنے کے بعد آپ نے ایک درخت کے نیچے سکونت اختیار کی، وہاں ایک میدان تھا جس میں راجا کے اونٹ بیٹھا کرتے تھے، ساربانوں نے آپ سے بشدت کہا کہ یہاں سے اٹھ جاؤ! یہاں راجا کے اونٹ بیٹھا کرتے ہیں، آپنے یہ کہہ کر ''اچھا ہم جاتے ہیں، تمہارے اونٹ یہاں بیٹھیں'' اناساگر کے کنارے قیام فرمایا، یہ بہت ہی صاف ستھری اور خوب صورت جگہ تھی، آپ وہاں عبادت وریاضت میں مشغول ہو گئے، ادھر اونٹوں کے پیٹ زمین سے اس طرح چمٹ گئے کہ ہزارہا کوششوں کے باوجود اٹھایا نہ جاسکا، ساربانوں نے متحیر ہوکر راجا سے یہ ماجرا بیان کیا، راجا نے کہا کہ تم لوگ اس درویش کے پاس جاکر معافی مانگ لو! ساربانوں نے جب معافی مانگی تو پیکر عفو نے کہا کہ جاؤ! تمہارے اونٹ اٹھ گئے ہیں۔ اس کرامت نے درجنوں دلوں سے کفر کا زنگ چھڑا کر اسلام کا رنگ چڑھایا۔

(خلاصہ اقتباس الانوار، ص: ۳۶۱)

رام دیو کا قبول اسلام:

اناساگر کے اردگرد بے شمار بت خانے تھے، جن پر روزانہ درجنوں من تیل اور

ہزاروں پھول صرف ہوتے تھے، صبح سے شام تک لوگوں کا ازدحام رہتا تھا، حضرت کے خدام روزانہ وہاں گائے خرید کر ذبح کر کے کھاتے، یہ دیکھ کر پجاریوں اور برہمنوں کے دل میں غیض وغضب کی چنگاری بھڑک اٹھی، چنانچہ ایک دن راجہ اور اہل شہر پوجا کے لیے حاضر ہوئے تو مہنتوں کا سردار ''رام دیو'' ایک بڑی جماعت لے کر خواجہ اقدس کی جانب بڑھا، آپ مصروف عبادت تھے، آپ کا نورانی چہرہ دیکھ کر سبھی ساکت وصامت اور بے زباں ہو گئے، ان کے اجسام پر رعشہ طاری ہو گیا، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو کفار کی طرف مڑ کر دیکھا، آپ کی ایک ہی نگاہ نے رام دیو کے دل کی دنیا بدل دی اور وہ مشرف بہ اسلام ہو گیا، لکڑی اور پتھروں سے کفار کو مار مار کر آپ کے گرد سے بھگا دیا، آپ نے اس کا نام شادی دیو رکھا۔ (خلاصہ اقتباس الانور، ص: ۳۶۳)

جے پال کا قبول اسلام:

پرتھوی راج چوہان نے جب رام دیو کو دامن اسلام سے وابستہ دیکھا تو اسے انتہائی قلق ہوا، اس نے خواجۂ بزرگ سے مقابلہ کرنے کے لیے ہندوستان کے ساحر کبیر ''جے پال جوگی'' کو مدعو کیا، جے پال جوگی اپنے سیکڑوں چیلوں کے ساتھ رزم گاہ پہنچا، سانپ اور طرح طرح کے شعبدوں کے ذریعہ خواجۂ بزرگ کو تکلیف پہنچانا چاہا، خواجۂ بزرگ نے اس کے تمام حربے پیوست خاک کر دیے، پھر اس نے فضائی حملہ کی دھمکی دی، تو آپ نے فرمایا۔

تو کار زمین را نکو ساختی　　　که با آسماں نیز پرداختی

یعنی تم نے زمین پر کیا کر لیا ہے کہ آسمان پر اڑنا چاہتے ہو۔ مگر کبر ونخوت کا لبادہ پہن کر وہ آسمان کی جانب اڑا اور اتنا اوپر گیا کہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گیا، خواجۂ بزرگ نے اپنے نعلین چوبیں کو اس کی گرفتاری کا حکم دیا، حکم پاتے ہی دونوں کفش نے پرندوں کی طرح فضا میں پرواز شروع کر دی، چند ساعت نہ گزری تھی کہ لوگ اسے خواجہ کے سامنے لرزاں وترساں دیکھ رہے تھے، پاپوش کی ضرب کاریوں نے اسکے دل دماغ سے اوہام پرستی

اور اسلام دشمنی کا خمار اتار کر طاعت الٰہی اور الفت خواجہ کا اسیر بنا دیا تھا، دیکھتے ہی دیکھتے وہ دولت اسلام سے مالا مال ہو گیا، خواجہ غریب نواز نے اسکا نام عبد اللہ رکھا، اور اپنی عطا کردہ تصرفات سے اسے قیامت تک کی زندگی دے دی۔ (ایضاً ص: ۳۶۵، ۶۷، وخلاصہ سیرت خواجہ غریب نواز، ص: ۱۰۶، ۱۰۷، ناشر: فاروقیہ بکڈپو دہلی، از: ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی)

اناساگر کا کٹورے میں آجانا:

رائے پتھورا نے حضرت خواجہ غریب نواز کو تبلیغ اسلام سے باز رکھنے اور اجمیر سے نکالنے کی کوشش میں ایڑی چوٹی کا زور لگا یا، مگر خائب وخاسر ہی رہا، حتیٰ کہ خواجۂ اقدس اور ان کے ساتھیوں پر پانی بند کرنے کے لیے اناساگر پر بھی پہرہ لگا دیا، مگر خواجہ کے حکم سے شادی دیوا ایک کٹورا لے کر اناساگر پہنچا اور پانی کو آواز دی تو سارا پانی کٹورے میں سما گیا اور اس نے کٹورا لاکر خواجہ کے سامنے رکھ دیا، اناساگر خشک ہو گیا کہ معلوم ہو رہا تھا کہ وہاں پانی ہی نہیں تھا، مگر لوگوں کی فریاد، پیاس وغسل کی دہائی اور آہ وبکاں سن کر خواجۂ بزرگ نے فرمایا کہ اسے وہیں ڈال آؤ! چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، پھر اناساگر پہلے ہی کی طرح لبالب موجیں مارنے لگا، اس کرامت سے متاثر ہو کر ہزاروں افراد نے دفتر اسلام میں اپنا نام درج کرالیا۔ (خلاصہ اقتباس الانوار، ص: ۳۶۵، خلاصہ خواجہ غریب نواز، ص: ۱۰۷، ناشر: فاروقیہ بک ڈپو، از: ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی)

رائے پتھورا کی محرومی اور قتل:

دن بدن، گروہ در گروہ لوگوں کے اسلام میں داخل ہونے کے سبب رائے پتھورا پریشان ہو گیا، دوسری جانب اس کی کاہنہ ماں کی زوال سلطنت کی پیشین گوئی اسے خار ببول بن کر چبھ رہی تھی، اس لیے اس نے مسلمانوں کو پریشان کرنا شروع کر دیا، انہیں نت نئی تکلیفیں پہنچانے لگا، اس کے برعکس خواجہ غریب نواز نے اسے اسلام کی دعوت دی اور فرمایا کہ اسلام قبول کرلو! تمہاری بھلائی اسی میں ہے، یہ سن کر اس نے حضرت خواجہ کی شان میں

کچھ نازیبا کلمات منہ سے نکالے، تو خواجہ نے فرمایا: ''من پتھورا را زندہ گرفتہ بدست لشکر اسلام دادم''، یعنی پتھورا کو میں نے زندہ گرفتار کر کے لشکر اسلام کے ہاتھوں دیا، چنانچہ ان ہی ایام میں سلطان شہاب الدین غوری ہندوستان پر حملہ آور ہوئے، اور پتھورا مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا، پھر مسلمانوں نے اسے قتل کر دیا، اسی دن سے ہندوستان میں اسلام مستحکم ہو گیا۔ (خلاصہ مرأۃ الاسرار، ص:۵۹۹)

میر سید غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

سلطان (شہاب الدین غوری) فتح یاب ہوا اور پتھورا زندہ گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا، اسی وقت سے دین کی جڑیں اس دیار میں مستحکم ہوئیں اور کفر کی بنیادیں روز بروز منہدم ہوتی گئیں۔ (اہل سنت کی آواز مارہرہ شریف، نومبر ۲۰۰۸ء، ص: ۱۶۵، بحوالہ: میر سید غلام علی آزاد، ماثر الکرام، ص:۱۷، ۲۷)

میر سید غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

سلطان (شہاب الدین غوری) فتح یاب ہوا اور پتھورا زندہ گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا، اسی وقت سے دین اسلام کی جڑیں اس دیار میں مستحکم ہوئیں، اور کفر کی بنیادیں روز بروز منہدم ہوتی گئیں، اسی وجہ سے خواجہ ہندوستان کو چھٹی صدی کا مجدد کہا جاتا ہے۔ (اہلِ سنت کی آواز، نومبر ۲۰۰۸ء، ص: ۱۶۵، بحوالہ: میر سید غلام علی آزاد، مآثر الکرام، ص:۱۷، ۲۷، جامعۃ الرضا بریلی شریف)

حاکم محمد یادگار کا سنّی ہونا:

آمد اجمیر سے پہلے آپ نے متعدد مقامات کا دورہ کیا، درجنوں میدان سلوک کے شہسوار اور بحر معرفت کے شناور سے ملے، بے راہ راؤں اور گم گشتگان راہ کی کثیر تعداد کو صحیح راہ دکھائی، چنانچہ سبزوار سے جب آپ کا گزر ہوا تو ایک متعصب اور فاسق و فاجر رافضی حاکم محمد یادگار کے باغ میں آپ نے پڑاؤ ڈالا، اس کی عصبیت کا حال یہ تھا کہ اگر کوئی اپنے بیٹے کا

نام ابوبکر، عمر یا عثمان رکھتا تو وہ اسے قتل کر دیتا، وقت مقررہ پر خدم و حشم کے ہمراہ شراب نوشی کے نشہ میں چور و مخمور وہ باغ میں داخل ہوا، حضرت خواجہ اور ان کے مریدین کو دیکھ کر وہ چراغ پا ہو گیا، اس نے حضرت خواجہ کو گزند پہنچانا چاہا مگر خواجہ کی ایک نگاہ نے اسے مرتعش اور لرزہ براندام کر دیا، اس پر بے ہوشی طاری ہو گئی، اس کے خدام کی بھی یہی کیفیت تھی، جب اسے افاقہ ہوا تو حضرت خواجہ کے قدموں سے لپٹ کر اپنے خدام و غلمان سمیت سنی مسلمان ہو گیا۔

(خلاصہ مرأۃ الاسرار، ص: ۵۹۲، وخلاصہ دینی دعوت جامعہ اشرفیہ مبارک پور)

مولانا ضیاء الدین کی توبہ:

سبزوار سے بلخ تشریف لے گئے اور وہاں کے مشائخ سے ملنے کے بعد فرحام کے مقام پر شیخ احمد خضرویہ کی خانقاہ میں آپ نے چند ماہ قیام فرمایا، وہاں ایک مشہور فلسفی مولانا ضیاء الدین رہتے تھے، جو تصوف کے منکر تھے اور اہل تصوف سے سختی کے ساتھ ملتے تھے، ایک دن خواجہ اقدس ایک درخت کے نیچے نماز میں مصروف تھے، مولانا ضیاء الدین کا ادھر سے گزر ہوا، جب حضرت نماز سے فارغ ہوئے تو مولانا نے حضرت کو سلام کیا اس بیچ آپ کے ایک، خادم نے کباب پیش کیا، آپ نے کچھ کباب مولانا کے سامنے رکھ دیئے، کھاتے ہی تمام اعتراضات ان کے دل سے صاف ہو گئے، پیشانی نور سعادت اور ضوء معرفت سے چمکنے لگی، اور قدموں میں گر کر تائب ہو کر وہ بیعت سے مشرف ہو گئے۔ (خلاصہ مرأۃ الاسرار، ص: ۵۹۷، وسیر الاقطاب)

صوفی حمید الدین ناگوری کی بیعت:

حضرت صوفی حمید الدین ناگوری خواجۂ اقدس کے اجلۂ خلفا میں شمار ہوتے ہیں، آپ کی جوانی کے ایام نہایت عیش پرستی، خودنمائی اور انتہائی بے راہ روی میں گزرے، آپ حسن و جمال کے اعلیٰ منزل پر فائز تھے، آپ کو دیکھنے کے بعد عورتیں، شیدا، فریفتہ اور دلدادہ ہو جاتی تھیں، خواجۂ بزرگ کی ایک نظر نے آپ کے دل کی دنیا، تہ و بالا کر دی، اور گناہوں سے

ایسا تائب ہوئے کہ پھر کبھی گناہ کا تصور بھی نہیں ہوا اور اپنے وقت کے ولی کامل ہوگئے، سیر العارفین میں ہے: ''وہ (صوفی حمید الدین) ابتدائی زمانے میں بہت پریشان حال تھے، چنانچہ جو عورت ان کو دیکھتی تھی فریفتہ ہوجاتی تھی، جب انہوں نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی صحبت پائی تو تائب ہوگئے، توبہ کرلینے کے بعد ان کے ہم نشینوں نے پھر فسق وفجور کی طرف بلایا، انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اپنے کمر بند کو اتنا مضبوط باندھ لیا ہے کہ معلوم نہیں کہ بہشت کے حوروں پر بھی کھولوں یا نہیں، انہوں نے تائب ہونے کے بعد حضرت شیخ کے ہاتھ پر بیعت کی اور یکبارگی ترک وتجرید اختیار کرلی، اور جو کچھ ان کی ملکیت میں تھا فقرا کو دے دیا''۔ (اہل سنت کی آواز، نومبر ۲۰۰۸ء ص: ۱۷۳، بحوالہ: سیر العارفین، ص: ۱۵، ناشر: اردو سائنس بورڈ لاہور)

خواجہ غریب نواز کا فقہی مذہب:

حضرت غریب نواز مذہباً حنفی تھے، آپ کی حنفیت کے ثبوت میں مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی نے ''اہل سنت کی آواز'' کے اندر متعدد شواہد پیش کیے ہیں، ان میں سے دو یہاں پر پیش کیے جاتے ہیں:

دلیل العارفین میں ہے: بعد ازاں فرمایا کہ میں نے فقہ ہدایہ میں شیخ الاسلام خواجہ عثمان ہارونی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی یہ حدیث دیکھی ہے۔ حدیث شریف: ''**اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر**''۔ یعنی صبح کی نماز سفیدی میں ادا کرو تا کہ ثواب زیادہ ہو۔

ظہر کی نماز میں سنت طریقہ یہ ہے کہ اس قدر تاخیر کی جائے کہ ہوا سرد ہو جائے اور جاڑے میں جب سایہ ڈھلے تو ادا کی جائے، چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے: ''**ابردوا بالظهر فان شدة الحر من فيح جهنم**''۔ یعنی گرمی میں ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت میں ادا کرو! (اہل سنت کی آوز، نومبر ۲۰۰۸ء، ص: ۱۴۴، بحوالہ: دلیل العارفین مترجم، ص: ۱۱)

اسی کتاب (دلیل العارفین) میں حضرت خواجہ فرماتے ہیں: فتاویٰ ظہیریہ میں میں

نے لکھا دیکھا ہے کہ آدمی کا منہ پاک رہتا ہے، جب تک جنب کی حالت میں رہے جو کچھ پانی وغیرہ پیئے وہ ناپاک نہیں ہوتا، اگرچہ وہ بے طہارت ہے، یا جنبی ہے یا حائض، مومن ہو یا کافر اس کا منہ پاک ہے۔ (ایضاً ص:۱۴۵، بحوالہ ایضاً ص:۶)

ہدایہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہے، فتاویٰ ظہیریہ بھی فقہ حنفی کے مسائل کا مجموعہ ہے، پیش کردہ دونوں شواہد میں اگر آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ حضرت خواجہ غریب نواز نے یہاں پر تین مسئلے بیان کیے ہیں (۱) فجر میں اسفار (۲) گرمی میں ظہر کو تاخیر سے ادا کرنا (۳) ہر حالت میں انسان کے جوٹھے کا پاک ہونا، یعنی اگر انسان جنابت، حیض یا کفر کی حالت میں پانی پی لے تو بچے ہوئے پانی سے طہارت جائز ہے، یہ تینوں مسئلے مذہب حنفی کے مطابق اور شوافع کے برخلاف ہیں۔

حضرت خواجہ غریب نواز کا فقہ حنفی کے مطابق مسائل بیان کرنا ان کے حنفی ہونے پر ثبوتِ قاطع ہے۔ الحمد للہ آج بھی خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کے احاطہ درگاہ میں تینوں مساجد کے ائمہ ومصلیان سنی حنفی اور پورے ہندوستان میں اکثر مساجد اہل سنت سنی حنفی مذہب کے پیروکار حضرات کی پائی جاتی ہیں۔ یہ فیضان خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ عنہ ہی ہے کہ مذہب امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اقطار ہند و پاک میں مروج ہوا اور کروڑوں مسلمان مذہب حنفی کے عامل ہو گئے حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت سے مذہب حنفی امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو بہت تقویت ملی حتیٰ کہ اہل علم نے کہا "ان الدلیل علی صحۃ مذهب ابی حنیفة ، کون السید معین الدین الحسن جشتی علی مذهبه" اھ۔

ساتویں صدی کے مجدد

حضرت امام تقی الدین محمد بن دقیق العید قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت: ۶۲۵ھ۔ وصال: ۷۰۲ھ

تجدیدی وکارنامے

حضرت ابن دقیق العید نے دین متین کی بے شمار خدمتیں انجام دیں۔ لوگوں کے مسائل کا حل فرماتے، درس وتدریس کے ذریعے کتاب اللہ اور احادیث رسول کی تبلیغ فرماتے۔ آپ نے کئی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ علمائے اسلام نے آپ کی خدمات اور کارناموں کی بنیاد پر ساتویں صدی ہجری کا مجدد قرار دیا ہے۔ حضرت علامہ تاج الدین ابونصر عبد الوہاب سبکی فرماتے ہیں:

"ولم ندرك احدا من مشائخنا يختلف فی ان ابن دقيق العيد هو العالم المبعوث على رأس سب مأة المشار اليه فی الحديث النبوی صلى الله تعالى عليه وسلم"۔ (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، ج:۵، ص:۱۱۶)

ترجمہ: ہمارے مشائخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ابن دقیق العید وہ عالم ہیں جو ساتویں صدی ہجری میں بھیجے گئے، جس کی طرف حدیث نبوی میں اشارہ کیا گیا ہے۔

تصانیف:

درس وتدریس اور عبادت وریاضت کی مشغولیت کے باوجود کئی نادر اور علمی حقائق سے لبریز کتابیں بھی تصنیف فرمائیں۔

(۱) كتاب الالمام فی احاديث الاحكام (۲) شرح العمده (۳) اربعين فی الرواية عن رب العالمين (۴) علوم الحديث (۵) الاربعون (۶) شرح مقدمة المطرزی وغیرہ۔

(۱) تاتاریوں نے اپنی یلغار اور حملہ سے عالم اسلام اور بلاد اسلام میں عجیب حالت پیدا کر دی تھی، جس بستی میں جاتے گھر کا گھر ویران کر دیتے۔ جب انہوں نے بلاد شام کا رخ کیا تو بادشاہ نے ان کے فتنوں اور حملوں سے امن پانے کے لیے علما کو حکم دیا کہ بخاری شریف ختم کریں تاکہ اس کی برکتوں سے یہ بلائے عظیم دفع ہو جائے۔

ختم بخاری شریف کی برکت:

چنانچہ علما نے بخاری شریف کا دور کیا، جب آخری حصہ رہ گیا تو انہوں نے اسے چھوڑ دیا تاکہ جمعہ مبارکہ کے دن بخاری شریف ختم کریں۔ جمعہ کے دن شیخ الاسلام تقی الدین علما کے پاس جامع مسجد میں تشریف لائے اور پوچھا کہ بخاری شریف کے ختم سے فارغ ہو گئے؟ سب نے عرض کیا کہ ہم نے آج ہی کے دن کے لیے تھوڑا سا حصہ چھوڑا ہے اور اسے آج ختم کریں گے۔ تو حضرت ابن دقیق العید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: ”انفصل الحال من امس العصر و بات المسلمون علیٰ کذا“، یعنی مقدمے کا فیصلہ کل عصر کے وقت ہی ہو گیا یعنی تاتاری فوج شکست کھا گئی اور مسلمان اس وقت فلاں مقام پر قیام پذیر ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ کیا ہم اس خبر کو عام کر دیں؟ فرمایا: ہاں! چنانچہ چند روز کے بعد وہی خبر موصول ہوئی جس کی آپ نے بشارت دی تھی۔ (ملخصاً، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، ج:۵، ص:۱۱۷)

ساتویں صدی کے مجدد

حضرت خواجہ سیدنا نظام الدین اولیا محبوبِ الٰہی دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت: ۶۳۶ھ۔ وصال: ۷۲۵ھ

تجدیدی کارنامے

ہندوستان کی تاریخ میں دعوت و عزیمت اور سلوک و تصوف کے اعتبار سے سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کو ایک خاص مقام و مرتبہ حاصل ہے۔ حضرت والا نے اسلامی معاشرے کی تطہیر اور مسلمانوں کے ظاہر و باطن کے تزکیہ کا کام جو دہلی میں بیٹھ کر انجام دیا وہ اپنی جگہ بڑی اہمیت کا حامل ہے، جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

شیخ المشائخ نے اپنے عہد میں تجدید و احیائے دین اور دعوت و اصلاح کے ذریعے مردہ دلوں کو زندگی عطا کی تھی اور سرکشی و طغیانی کی پر پیچ وادیوں میں بھٹکنے والے انسانوں کی رہنمائی فرمائی تھی، وہم و گمان کی تاریکیوں میں یقین و اذعان کی شمعیں فروزاں کی تھیں۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کا ایک اہم کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اخلاقی و روحانی تصورات کو ایک ہمہ گیر عالمی تحریک کی شکل دے دی تھی، روحانیت و اصلاح کی یہ طاقتور تحریک خانقاہ چشتیہ نظامیہ دہلی سے آپ کے نامور خلفا و مریدین کے ذریعے گجرات، دکن، بنگال، اودھ، مالوہ اور برصغیر ہند کے اکثر شہر و قریہ تک پہنچ گئی۔ آپ کے خلفا و مریدین اپنے وقت کے ایک عظیم مبلغ و مصلح بن کر افق اصلاح و تبلیغ پر چھا گئے اور ہند و پاک کے مختلف مقامات پر ان کی خانقاہیں روحانیت و تصوف کی عظیم تربیت گاہ بن گئیں۔

شاہی درباروں سے دوری:

خلاصۂ کلام یہ کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے دور میں ہندوستان میں لوگوں کے

درمیان حکومت کی بہت بڑی وقعت ہوا کرتی تھی، بادشاہوں کے دربار میں عوام الناس علمائے کرام کا جم غفیر ہوا کرتا تھا، مگر حال یہ تھا کہ بادشاہ جو کچھ کہہ دیتا علمائے کرام ومفتیان عظام اسی پر سرِ تسلیم خم کر دیتے لیکن آپ نے بادشاہوں سے نہ کوئی تعلق رکھا اور نہ ہی ان کی کوئی بات سنی بلکہ ان کی مخالفت کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے مردان خدا کی روش اختیار کی اور حق بات کو واضح طور پر پیش کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کے دلوں میں بادشاہوں کے دربار کی جگہ صوفیائے کرام کی خانقاہوں کی طرف رغبت پیدا ہونے لگی، لوگ علمائے کرام سے مسائل شرعیہ جاننے اور ان پر عمل کرنے لگے اور علمائے کرام کے حلقۂ درس میں اضافہ ہونے لگا ساتھ ہی لوگ برائیوں کو ترک کر کے نیک کاموں کی طرف پیش قدمی کرنے لگے۔

روحانی خانقاہی علمی انقلاب:

حضرت شیخ المشائخ نے اپنے خلفا ومریدین خاص کی روحانی تربیت بڑے ہی انہماک کے ساتھ فرمائی تھی۔ خواجہ موئدالدین سلطان علاء الدین خلجی کے بڑے معتمد راز دار تھے، وہ خواجہ کے ارادت مندوں میں شامل ہوکر شاہی دربار کے جھمیلوں سے دست بردار ہو گئے، اس پر سلطان علاء الدین نے کہا کہ حضرت تو سب کو اپنے ہی جیسا بنانا چاہتے ہیں۔ شیخ المشائخ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ: ''اپنے جیسا کیا اپنے سے بہتر بنانا چاہتا ہوں''۔

(محبوب الٰہی، ص: ۳۵۸)

حضرت شیخ المشائخ نے اپنے خلفا کے اندر وہ تمام اوصاف وکمالاتِ روحانی پیدا کرنے کی جد وجہد فرمائی جو اولیائے کرام پر جلوہ افروز ہونے والوں کے لیے ناگزیر تھے، حضرت اپنے خلفا سے مجاہدات کراتے، ان کے قلوب کی نگرانی کرتے، جو لوگ نور علم سے عاری تھے ان کی تعلیم کا بندوبست فرماتے، اصلاح وتربیت کا جو عالم گیر آپ کے پیش نظر تھا اور اپنے خواص واصحاب سے جو دین کی دعوت کا کام لینا تھا اس میں جو چیز ضرر رساں نظر آئی آپ نے اسے ترک کر دیا۔

آٹھویں صدی کے مجدد

حضرت عبدالرحیم بن حسین امام زین الدین عراقی

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت:۷۲۵ھ۔وصال:۸۰۶ھ

تجدیدی کارنامے

ہر زمانے کا یہ معمول رہا ہے کہ اسلام کے دشمنوں نے اسلام کا قلع قمع اور اس کی بیخ کنی کرنے کے نہ جانے کیسے کیسے ناپاک حربے استعمال کیے، مگر ان ناپاک کوششوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے اللہ کے فضل وکرم سے ہر صدی میں مجدد پیدا ہوتا رہا جیسا کہ حدیث پاک "ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا"۔(سنن ابی داؤد کتاب الملاحم، ج:۲،ص:۵۸۹، مطبع:اصح المطابع) اس کی روشن دلیل ہے۔

احیائے حدیث:

مجددین اسلام کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ جو لوگ کتاب وسنت پر عمل ترک کر چکے ہوں اور سنتیں مٹتی جارہی ہوں تو وہ مردہ سنتوں کو زندہ کریں، اور کتاب وسنت پر عمل کرنے کا حکم دیں اور باطل پرستوں سے جہاد کریں، بالکل بعینہ یہی صورت حال علامہ زین العابدین عراقی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے زمانے میں تھی، اس وقت بھی کئی فتنے رونما ہوئے، اسلام کے صحیح افکار ونظریات کو مسخ کرنے کی ناکام کوشش کی گئی، اسلامی تعلیمات اور نبوی تعلیمات کے مفاہیم کو غلط ٹھہرانے اور صفحہ ہستی سے مٹانے کی ناکام سعی کی گئی، حدیث: "التوسعۃ علی العیال یوم عاشوراء صوم ست من الشوال" اور "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" کے حقیقی مفاہیم مطالب پر پردہ ڈالنے کی زبردست کوششیں کی گئیں، مگر آپ نے

حدیث پر پڑے پردے کو چاک کر کے ان کے صحیح معانی ومطالب سے لوگوں کو روشناس کرایا، اور ان احادیث کے معانی کو مسخ کرنے والوں کو چہرہ عیاں فرمایا، اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محو کی جانے والی سنتوں کا احیا فرمایا۔

تصانیف:

آپ نے مختلف علوم وفنون میں کتابیں تصنیف فرمائیں جن کے مطالعہ سے آپ کے تبحر علمی اور آپ کی جامعیت اور آپ کی احیاے سنت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، آپ کی تصنیفات کم وبیش ۵۰۷، ہیں، آپ نے ساری کتابیں عربی زبان میں تحریر فرمائی ہیں جو تحقیقات کا انمول خزانہ ہیں جن کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے آپ کو ہر علم وفن میں کمال عطا فرمایا تھا، خلاصہ یہ کہ قدرت نے آپ میں وہ ساری خوبیاں بیک وقت جمع فرمادی تھیں جو ایک مجدد کے لیے ضروری ہیں، آپ نے ساتویں صدی کا آخری زمانہ آٹھویں صدی کے شروع کا زمانہ بھی پایا، عشق رسول تو گویا آپ کی رگ رگ میں موجزن تھا آٹھویں صدی کے شروع میں آپ کی ذات سے لوگوں نے بے پناہ فائدہ اٹھایا، اس کے علاوہ آپ نے ایک گراں قدر اور زبردست احیائے سنت کا اہم فریضہ یہ انجام دیا کہ برسوں سے املائے حدیث کا سلسلہ ختم ہو چکا تھا، آپ نے اس محو شدہ سنت کو زندہ فرمایا چنانچہ ۹۶ے ھ سے آپ نے املائے حدیث کا سلسلہ شروع فرمایا، آپ نے املا کی مجلس قائم کی اور چار سو سے زائد مجلس میں املا کرایا، جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"وشرع فی املاء الحدیث من سنة ست تسعین فاحیا اللہ بہ سنة الاملاء فاملی اکثر من اربع مأة مجلس" (طبقات الحفاظ المطبوع مع ذیل تذکرہ الحفاظ، امام جلال الدین السیوطی، ج:۵، ص:۲۴۵،۲۴۶، دار الکتب العمیہ، بیروت، ۱۹۹۸ء)

آٹھویں صدی کے مجدد

حضرت ابو حفص عمر سراج الدین بلقینی شافعی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: ۷۲۴ھ۔ وصال: ۸۰۵ھ

تجدیدی کارنامے:

آٹھویں صدی کے اخیر مین اور نویں صدی کے آغاز میں آپ کی شخصیت مرجع خلائق تھی، اطراف عالم میں آپ کا طوطی بولتا تھا۔ طالبان علوم نبوت دور دراز خطوں سے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے۔ ہند، یمن، خراسان، بلاد، روم، مغرب وشام اور حجاز سے لوگ آپ کے پاس استفادہ کے لیے آتے تھے۔ (طبقات المفسرین، ص: ۳۰۴)

آپ کے تدریسی مراکز ''جامع طولون'' اور ''بربوقیہ'' تھے، جہاں آپ درس حجازیہ، درس ملکیہ، بدیریہ اور تفسیر وغیرہ کی تعلیم دیتے تھے۔ ''جامع عمرو بن عاص'' میں آپ نے تقریباً تیس سال تک ''خشابیہ'' کا درس لیا، آپ یکے بعد دیگرے مصر وشام اور دمشق کے عہدۂ قضا پر بھی متمکن ہوئے۔ اب سبکی کی وفات کے بعد لشکریوں کے قضا کی ذمہ داری بھی آپ کو تفویض ہوئی، اس دوران آپ نے امت مسلمہ کے ہزاروں مسائل کا خوب صورت حل پیش فرمایا اور انہیں جادۂ مستقیم پر چلنے کی ہدایت کی۔

نویں صدی کے آغاز میں بھی آپ کی شخصیت مشار الیہ اور مرجع علما وفقہا تھی، مشکل اور پیچیدہ مسائل میں آپ کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ علوم شرعیہ ودیگر علوم وفنون کے ماہرین آپ کی بارگاہ میں سرنیاز خم کرتے تھے۔ ابن قاضی شہبہ فرماتے ہیں:

"وظهر له الاتباع والاصحاب، وصار هو المشار اليه والعول فى الاشكالات والفتاوىٰ عليه واتته الفتاوىٰ من الاقطار البعيدة ورحل الناس من الاقطار النائية للقرأة عليه وخضع له كل من

ینسب الی علم من العلوم الشرعیه وغیرها"۔ (طبقات الشافعیہ، ج:۴،ص:۴۸)

تصنیفات:

آپ کے قلمی جواہر پارے یوں تو بیس سے زائد ہیں لیکن ان میں بھی بہت کم پایہ تکمیل کو پہنچ سکے۔ امام سخاوی نے اس کی وجہ بیان کی ہے کہ آپ جب کسی موضوع پر لکھنا شروع کرتے تو علمی وسعت اور کثرت استحضار کی وجہ سے موضوع بہت طویل ہو جاتا تھا یہی وجہ ہے کہ آپ نے بخاری شریف کی تقریباً بیس احادیث کی شرح دو ضخیم جلدوں میں تحریر فرمائی اور "الروضہ" کی کئی جلدوں میں توضیح وتشریح کی۔ (الضوء اللامع، ج:۵،ص:۸۰)

عدم تکمیل کا سبب بیان کرتے ہوئے قاضی شہبہ رقم طراز ہیں:

"والسبب فی عدم اکماله لغالب مصنفاته اشتغاله بالاشغال والتدریس والتحدیث والافتاء"۔

ترجمہ: درس وتدریس، افتاوقضا، روایت حدیث ودیگر مصروفیات کی وجہ سے آپ کی بیشتر تصانیف پایہ تکمیل تک پہنچنے سے قاصر رہیں۔ (طبقات الشافعیہ، ابن قاضی شہبہ، ج:۴،ص:۵۲)

تاریخ وسیر کی مختلف کتابوں میں آپ کی کامل ونامکمل تصانیف کا جوذکر ملتا ہے ان کی اجمالی فہرست درج ذیل ہے:

(۱) فیض الباری علیٰ صحیح البخاری (۲) العرف الشذی علی جامع الترمذی (۳) التدریب، فقه، (غیر تام) (۴) الفوائد المحضة علی شرح الروضة، جلد:۲، (۵) تضمین ابن الصلاح (۶) حواشی الرافعی (۷) کتاب الام، ترتیب (۸) محاسن الاصلاح (۹) الفتح الموهب فی الحکم بالصحة والموجب (۱۰) اظهار المستند فی بیان تعدد الجمعة فی البلد (۱۱) طی العبیر لنشر الضمیر (۱۲) الجواب الوجیه فی تزویج الوصی السفیه (۱۳) الاجوبة المرضیة عن المسائل المکیة (۱۴) تصحیح المنهاج (۱۵)

الکشاف علی الکشاف جلد :۳(۱۶) التادیب مختصر التدریب(۱۷) اصول الدین (۱۸) الملمات بردالمهمات (۱۹) کتاب المنصوص والمنقول عن الشافعی فی الاصول (۲۰) الینبوع فی اکمال المجموع (۲۱) فتح اللہ تعالیٰ بما لدیه فی بیان المدعی والمدعی علیه۔

آٹھویں صدی کے مجدد

حضرت امام شمس الدین محمد بن محمد جزری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت:۷۵۱ھ۔وصال:۸۳۳ھ

تجدیدی کارنامے

علم حدیث و علم قرأت کی ترویج واشاعت:

امام ابن جزری درس وتدریس میں عدیم المثال تھے۔ مستقل طور پر آپ کہیں پر نہ رہے بلکہ چلتے پھرتے مبلغ تھے جس شہر میں بھی اقامت فرمائی تو وہاں کے لوگوں نے آپ کو علم حدیث اور قرأت پڑھانے کے لیے اعلیٰ منصب پر فائز رکھا۔ جامع اموی میں آپ نے کئی سال تک قرأت وحدیث کی خدمات انجام دی۔ ۷۹۳ھ میں آپ دمشق کے قاضی مقرر کیے گئے۔ دمشق کے بعد شیراز کے کئی سال تک قاضی رہے۔ دونوں جگہ دو ادارے قائم کیے۔ پھر عادلیہ میں قرأت کے شیخ کی حیثیت سے آپ کی تقرری ہوئی۔ عادلیہ کے بعد دار الحدیث الاشرفیہ اور بیت المقدس میں کچھ دنوں تک علم حدیث کی تعلیم دی۔ (الغایۃ شرح الہدایہ، جلد:۱، ص:۶۶، ۶۷)

امام ابن جزری جب شام میں قاضی کے منصب پر فائز تھے اس وقت وہاں کے سارے اوقاف آپ کے ماتحت چلتے تھے۔ کچھ دنوں بعد آپ سے اوقاف کا حساب وکتاب طلب کیا گیا تو اسی دوران آپ کے اور قطب التمش کے درمیان جھگڑا ہو گیا اور آپ وہاں سے بلاد روم کی طرف نکل پڑے اور بادشاہ ابو یزید بن عثمان سے ملے۔ انہوں نے آپ کی خوب تعظیم وتکریم فرمائی۔ چند سال آپ وہاں پر رہے یہاں تک کہ وہ جھگڑا اتنا طول پکڑ گیا کہ اس کی وجہ سے ابو یزید بن عثمان کو بھی قتل کر دیا گیا۔ (حاشیۃ ذیل التذکرۃ ص:۷۰،۲)

بادشاہ ابویزید بن عثمان کے قتل کے بعد امام ابن جزری بلاد روم سے نکلے اور بادشاہ تیمور کے ساتھ مل کر بلاد عجم میں آ گئے۔ تیمور کی وفات کے بعد ۸۰۷ھ میں بلاد ماوراء النہر سے نکلے اور خراسان پہنچ کر شہر ''ہرات'' میں داخل ہوئے۔ پھر وہاں سے یزد تشریف لائے اور کچھ دن وہاں درس دیا۔ پھر اصفہان میں ایک جماعت نے آپ سے قرأت عشرہ کی تعلیم حاصل کی، کچھ طلبہ نے قرأت مکمل پڑھ لی اور کچھ نہ پڑھ سکے تھے کہ آپ ۸۰۸ھ میں شیراز آ گئے۔ شیراز کے بادشاہ نے آپ کو وہاں روک لیا اور لوگوں کی ایک بڑی جماعت نے آپ سے استفادہ کیا۔ چند دن گزرنے کے بعد آپ کو جبراً قضا کا منصب بھی سونپ دیا گیا اور طویل مدت تک آپ وہاں خدمات انجام دیتے رہے۔ (ایضاً)

خواجہ شمس الدین ۸۲۲ھ میں فریضہ حج ادا کرنے کے لیے مکہ شریف کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں ڈاکوؤں کے خوف کی وجہ سے اس سال حج نہ کر سکے اور اس کے چند سال بعد ۸۲۸ھ میں حج کیا اور حج سے واپس آ کر قاہرہ میں علم قرأت وحدیث کا درس دیا۔

(انباء الغمر بابناء العمر، جلد:۱،ص:۱۹۸)(شذرات الذہب، جلد:۳،ص:۶۷)

امام ابن جزری کے پاس کئی ایک لوگوں نے قرأت عشرہ کی تعلیم مکمل طور سے حاصل کی ان میں سے چند لوگ یہ ہیں:

(۱) شیخ محمد بن حسین بن سلیمان الشیرازی۔ (۲) شیخ ابوبکر بن مصبح الحمودی۔

(۳) شیخ عبداللہ بن قطب بن الحنین البیہقی۔ (۴) شیخ مومن بن علی بن محمد الرومی۔

(۵) شیخ علی بن حسین بن علی الیزدی۔

تصنیفات:

امام ابن جزری ایسی کتابوں کے مؤلف ہیں کہ جن کے بارے میں علامہ امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ آپ نے ایسی کتابیں تصنیف فرمائی ہے کہ جن کی مثال دنیا میں نہیں ملتی ہے۔

قرأت وتجوید کی کتابیں:

(۱) تحبیر التیسیر فی القرأت العشر۔

(۲) تقریب النشر فی القرأت العشر۔

(۳) التمهید فی علم التجوید۔

(۴) طیبة النشر فی القرأت العشر۔

(۵) منجد المقرئین مرشد الطالبین۔

(٦) النشر فی القرأت العشر۔

(۷) ارتحاف المهره فی تتمة العشرة۔

(۸) اصول القرأت۔

(۹) اعانة المهره فی الزیادة علی العشرة۔

(۱۰) جامع الاسانید فی القرأت۔

(۱۱) البیان فی خط عثمان۔

(۱۲) رسالة فی الوقف علی المهره لحمزة وهشام۔

ان کے علاوہ بھی بہت ساری کتابیں قرأت وتجدید کے موضوع پر آپ نے تصنیف فرمائی ہیں۔

کتب حدیث:

(۱) الاربعون حدیثا

(۲) الاولیة فی احادیث الاولیة

(۳) البدایة فی علوم الروایة

(۴) الهدایة فی علم الروایة

(۵) الحصن الحصین من کلام سید المرسلین

کتب تاریخ وفضائل ومناقب:

(۱) الاجلاء والتعظیم فی مقام ابراھیم

(۲) اسنی المطالب فی مناقب علی ابن ابی طلب

(۳) ذیل طبقات القراء للذھبی

(۴) غایۃ النہایۃ فی اسماء رجال القرأت

(۵) التعریب بالمولد الشریف

(۶) ذات الشفا فی سیرۃ المصطفی ومن بعد من الخلفا

(۷) نہایۃ الدرایات فی اسماء رجال القرأت۔

نویں صدی کے مجدد

حضرت امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابوبکر سیوطی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت: ۸۴۹ھ۔ وصال: ۹۱۱ھ

تجدیدی کارنامے:

حضرت امام جلال الدین سیوطی کو اللہ جل شانہ نے متعدد علوم و فنون کی بے کراں صلاحیت سے بہرہ مند فرمایا تھا، اس خداداد صلاحیت کو آپ نے تصنیف و تالیف میں صرف کر دیا، یہی آپ کی زندگی کا سب سے اہم کارنامہ ہے۔ آپ کے نوک قلم سے بے شمار کتابیں معرض وجود میں آئیں جن سے ایک جہاں فیض یاب ہو رہا ہے، آپ نے مختلف موضوعات پر قلم اٹھا کر طالبان فکر و فن کی علمی اور تحقیقی تشنگی کو سامان تسکین فراہم کیا۔ آپ کی ذات میں گوناگوں صوری و معنوی خوبیاں من جانب اللہ ودیعت کر دی گئیں تھیں۔ آپ کے علمی فضائل و کمالات کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ تقریباً چھ سو عربی زبان کی کتابوں کے عظیم المرتبت مصنف ہیں۔ کثرت تصانیف کے لحاظ اگر مصنفین اسلام کی ایک فہرست تیار کی جائے تو امام سیوطی صف اول کے مصنفین میں جگہ پائیں گے۔

جب آپ کی عمر چالیس سال کی ہوئی، تو آپ نے دنیا سے قطع تعلق کر کے دریائے نیل کے قریب روضۃ المقیاس میں گوشہ نشینی اختیار کر لی، اس وقت آپ نے عام صوفیہ کی طرح محض ذکر و اذکار اور اوراد و وظائف میں وقت نہیں گزارا، بلکہ اس علمی اعتکاف میں آپ نے اتنا عظیم الشان علمی کارنامہ انجام دیا جس کی مثال نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہے، آپ نے تقریباً ہر فن میں طبع آزمائی کی اور اس میں عظیم تصنیفی یادگار چھوڑی، آپ کے علمی و فنی محاسن و محامد کا اعتراف دنیائے اسلام کی عبقری شخصیتوں نے کیا، آپ کی محققانہ تصانیف کو

آپ کی زندگی ہی میں اسلامی بلاد وامصار میں شہرت دوام حاصل ہوگئی تھی۔

اپنے مجدد ہونے کا بیان:

امام سیوطی کو اپنے علم وفضل کے متعلق جو یقین تھا اس بنا پر آپ خود کو نویں صدی کا مجدد خیال فرماتے تھے۔ چنانچہ رسالہ "انتنبئة بمن یبعث الله لهذا الامة علی راس کل مائة" میں لکھا ہے کہ جس طرح امام غزالی کو اپنے مجدد ہونے کا خیال تھا اسی طرح مجھ کو بھی امید ہے کہ میں نویں صدی کا مجدد ہوں گا، اس لیے کہ میں فضل وکمال میں منفرد وبے مثال ہوں، علم اصول لغت کو میں نے ایجاد کیا، میری تصنیفات سارے عالم میں پہنچ کر خراج تحسین حاصل کر رہی ہیں۔ شام، روم، یمن، حجاز، اور تکرور ہر جگہ میرے علوم اور مصنفات کی رسائی ہے، ان کمالات میں میرا کوئی شریک وسہیم نہیں فالحمد لله رب العالمین۔

(محدثین عظام، ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی کچھ تصنیفات کی علمی حیثیت کے ساتھ تبصرہ کر دیا جائے کہ قارئین کرام ان کتاب کی جملہ خوبیوں سے کچھ آگاہی حاصل کرلیں۔

الاتقان:

امام سیوطی نے علوم قرآن وعلم تفسیر میں گراں قدر خدمت انجام دیں، تفسیر در منثور، تکملہ تفسیر، جلالین المحلی (جلالین) اور اس کے علاوہ "مجمع البحرین" اور "مطلع البدرین" تحریر فرمائی، الاتقان اسی تفسیر کا مقدمہ ہے جسے امام سیوطی نے ۸۷۸ھ میں مکمل کیا اور یہ گراں قدر مقدمہ کتاب کا درجہ رکھتا ہے۔ تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ علوم قرآن پر سب سے زیادہ جامع کتاب "الاتقان" ہے۔ حاجی خلیفہ "کشف الظنون" میں اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ کتاب ان (امام سیوطی) کے علمی آثار میں عمدہ ترین اور مفید تر ہے۔ اس کتاب میں امام سیوطی نے اپنے شیخ کافیاجی کی تصنیف اور علامہ بلیقنی کی "مواقع العلوم" اور

علامہ زرکشی کی "البرھان فی علوم القرآن" کے علوم کو خاص طور پر جمع کیا ہے۔ علامہ سیوطی نے اپنی تصنیف "التبحیر" پر اضافہ کرنے کے بعد ۸۰، انواع پر مشتمل "الاتقان" تحریر فرمائی، جو درحقیقت ان کی بڑی تصنیف "مجمع البحرین" کا مقدمہ ہے۔ تفسیر میں ان کی ایک مشہور کتاب "ترجمان القرآن فی التفسیر المسند للقرآن" ہے جس میں انہوں نے وہ تمام احادیث جمع کی ہیں جن کا تعلق قرآن پاک کی تفسیر سے ہے۔

الخصائص الکبریٰ:

سیرت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر لکھی جانے والی یہ ایک بے نظیر اور بے مثال کتاب ہے۔ یہ کتاب دو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ غزوات وسرایا، سفر وحضر اور خلوت و جلوت میں بے شمار معجزات وکمالات جو آپ کے دست حق پرست سے ظاہر ہوئے اور جو آپ کی نبوت کے دلائل اور صدق وصفا کے براہین ہیں سب کو شب وروز، ماہ وسال کی تعیین کے ساتھ تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔ رسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ پر یہ ایک بہترین دستاویز ہے جس کا مطالعہ محبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اضافے کا باعث اور ایمان ویقین میں پختگی کا ذریعہ ہے۔ فن حدیث پر مشتمل یہ تصنیفی شاہکار امام سیوطی کی حدیث دانی کے دعوی کا صحیح ترجمان ہے۔ اس فن میں آپ کی کئی ایک اور تصنیفات ہیں اور ایک مشہور تالیف ''جامع الجوامع'' بھی ہے، جس میں ااپ نے بخاری، مسلم، موطا، سنن ابن ماجہ، ترمذی اور نسائی کو دس مسانید کے ساتھ جمع کیا ہے لیکن خصائص الکبری ااپ کا وہ تصنیفی کارنامہ ہے جس میں آپ نے سخت کوشش وکاوش کی ہے۔

آپ خود فرماتے ہیں: میں نے اس کتاب کی تالیف میں بارہ سال کا ایک طویل عرصہ صرف کیا، خصائص الکبری کے مقدمے میں آپ نے فرمایا: معجزات سے متعلق کوئی ایسی حدیث نہیں جو اس میں موجود نہ ہو، ہر نا معلوم اور نا مانوس حدیث کو بھی میں نے اس میں نقل کر دیا۔

اس سے آپ کی قوت حافظہ کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے دراصل یہ سب نتیجہ تھا اس دعا کا جو آپ نے آب زمزم پی کر کی تھی کہ اے اللہ! مجھے فقہ میں سراج الدین بلقینی اور حدیث میں ابن حجر عسقلانی کا مقام عطا فرما۔ اسی دعا کی برکت تھی کہ اللہ نے آپ کو علم حدیث میں وہ درک وکمال عطا فرمادیا کہ آپ کے عہد مسعود میں آپ جیسی شان کا کوئی محدث نظر نہیں آتا۔ جو محدثانہ شان آپ کی تھی۔ اس کا اظہار ایک مقام پر آپ خود فرماتے ہیں:

"لیس علی وجہ الارض من مشرقھا الی مغربھا اعلم بالحدیث والعربیۃ منی الا ان یکون الخضر او القطب او الاولیاء"۔

مشرق سے مغرب تک روئے زمین میں کوئی شخص ایسا نہیں جو حدیث اور عربیت میں مجھ سے زیادہ علم رکھتا ہو سوائے خضر، قطب، یا کسی ولی کے وہ مستثنیٰ ہیں۔ (مقدمہ تدریب الراوی، بحوالہ محدثین عظام)

علامہ امام سیوطی کا یہ دعویٰ کرنا تحدیث نعمت اور بیان واقعہ کے طور پر تھا، اس لیے کہ علمائے اسلام نے انہیں حدیث اور علوم عربیہ میں عبقری اور امتیازی شخصیت تسلیم کیا۔ بلاشبہ علم حدیث میں آپ کے رتبہ کا کوئی عالم نہ تھا، خود فرماتے ہیں: "مجھے دولاکھ احادیث یاد ہیں اگر ان سے بھی زیادہ ملتی تو انہیں بھی یاد کر لیتا"۔ (محدثین عظام، ص:۶۰۵)

آپ کی دینی وعلمی خدمات کو بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں قبولیت کا شرف ملا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عالم رویا میں آپکو یا شیخ السنۃ، یا شیخ الحدیث کہہ کر مخاطب فرمایا۔ شیخ شاذلی سے منقول ہے کہ جب آپ سے دریافت کیا گیا کہ آپ سرور ذی شان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دیدار سے کتنی مرتبہ مشرف ہوئے تو آپ نے فرمایا ستر مرتبہ سے زیادہ۔ (حوالہ سابق، ص:۶۰۵)

ایک اہم کارنامہ:

آپ کا ایک ایمان افروز کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

ابوین کریمین (حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے ایمان کو دلائل وبراہین کی روشنی میں ثابت فرمایا اور اس پر صرف ایک کتابچہ نہیں بلکہ چھ کتابیں تصنیف فرمائیں جو اپنے موضوع میں منفرد و بے مثال ہیں اور صرف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین ماجدین ہی کا ایمان نہیں بلکہ آپ کا نور نبوت حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ تک حضرت حوا سے لے کر حضرت آمنہ تک جن اصلاب رجال اور ارحام امہات میں منتقل ہوتا رہا سب کے ایمان واسلام کو ثابت فرمایا اور کہا کہ سب آبائے کرام اور امہات طاہرات اہل ایمان وتوحید ہیں اور حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ اللہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لم یزل اللہ ینقلنی من الاصلاب الکریمة والارحام الطاهرات حتی اخرجنی بین ابوی"۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ مجھے کرم والی پشتوں اور طہارت والے شکموں میں نقل فرماتا رہا یہاں تک کہ مجھے میرے ماں باپ سے پیدا فرمایا۔

اس کے علاوہ اس مضمون کی کئی اور حدیثیں ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضور کے آباواجداد کا ایمان نص سے ثابت ہے جسے امام سیوطی نے اپنے رسائل ستہ میں درج فرمایا ہے ان کے نام یہ ہیں:

(۱) مسالك الحنفاء فی والدی المصطفی (۲) التعظیم والمنة فی ان ابوی رسول اللہ تعالیٰ علیه وسلم فی الجنة (۳) الدرج المنیفه فی الاباء الشریفة (۴) نشر المنیفین فی احیاء الابوین الشریفین (۵) المقامة السندسیه فی النسبة المصطفویة (۶) السبل الجلیة فی الاباء العلیة۔

نویں صدی کے مجدد

حضرت امام شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت: ۸۳۱ھ۔ وصال: ۹۰۲ھ

تجدیدی کارنامہ

تالیفات:

آپ نے بیس سال کی عمر سے پہلے ہی تصنیف وتالیف کا آغاز فرمادیا تھا۔ آپ کی تصنیفات حسن تحریر، عمدہ اسلوب بیان اور صحت نقد کا حسین گلدستہ ہیں، آپ نے تقریباً دوسو کتابیں تالیف فرمائی۔ آپ کا خاص میدان حدیث اور تاریخ وتراجم رہا اور زیادہ تر تصانیف انہیں دوفنون پر مشتمل ہیں۔ (ایضاً)

آپ نے فن حدیث کے مختلف گوشے مثلاً: مشیخات، اربعینات، مسلسلات، فہارس، رحلات، جرح وتعدیل، تخریج شرح حدیث، تاریخ الوفیات اور طبقات میں طبع آزمائی کی۔ فن حدیث میں آپ کی سب سے زیادہ شہرت یافتہ کتاب "المقاصد الحسنہ فی بیان کثیر من المشتہرۃ علی الالسنہ" ہے۔ یہ کتاب زبان زد مشہور احادیث پر مشتمل ہے، آپ نے ان احادیث کی تخریج فرمائی اور علمی نکات بھی تحریر فرمائی جو دیگر کتابوں میں نہیں ہے۔ اس کی ترتیب آپ نے حروف تہجی کے مطابق رکھی ہے اور دوسرے باب میں ابواب کے اعتبار سے احادیث کی تخریج فرمائی ہے۔

ابن عماد حنبلی نے فرمایا: یہ کتاب اس موضوع پر امام سیوطی کی کتاب "الدر المنتشرہ فی الاحادیث المشتہرہ" سے زیادہ جامع ومفید ہے۔ یہ ایک ضخیم جلد میں دارالکتب العلمیہ، بیروت سے چھپ چکی ہے۔ اس کے علاوہ "فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث، الایضاح فی شرح نظم العراقی للاقتراح،

والسامع فی ختم الصحیح الجامع، الجواهر المکلله فی اخبار المسلسلة، القول البدیع فی احکام الصلوٰة علی الحبیب الشفیع" بھی آپ کی عمدہ تصانیف ہیں۔

تراجم کے باب میں آپ کی شہرۂ آفاق کتاب "الضوء اللامع لاهل القرن التاسع" ہے، آپ نے یہ کتاب اپنے شیخ کی کتاب "الدرج الکامنہ فی اعیان المائة الثامنہ" کے طرز پر تحریر فرمائی، یہ کتاب نویں صدی کے مشائخ پر مشتمل ہے، آپ نے حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دی اور اس میں نام، آباد واجداد اور کنیت کا اعتبار کیا۔ اس میں نویں صدی کے اعیان کی وفات، ولادت، اساتذہ مقروات اور تصنیفات کا ذکر ہے۔ آپ نے محدثین کی عادت کے مطابق اپنا تعارف تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے اور آپ کی شان میں کہے گئے علما و مشائخ کے اقوال و اشعار بھی نقل کیے ہیں اور اخیر میں اپنی کوتاہیوں کا بھی اعتراف کیا ہے۔ یہ کتاب بارہ ضخیم جلدوں میں دار الکتب العلمیہ، بیروت سے شائع ہو چکی ہے۔

قاضی شوکانی نے "الضوء اللامع" کو "الدرالکاملہ" پر فوقیت دی ہے اور وجہ فرق یہ بیان کی ہے کہ شیخ ابن حجر عسقلانی نے آٹھویں صدی کے علما کا تعارف لکھا۔ آٹھویں صدی میں شیخ صرف ۲۷، سال باحیات رہے۔ جب کہ امام سخاوی نویں صدی میں تقریباً ۶۸، سال بقید حیات رہے۔ اور ان کے حالات کا گہرائی سے مطالعہ کر کے انہیں سپرد قرطاس فرمایا۔ (مقدمہ المقاصد الحسنہ، ص:۱۹، دار الکتب العلمیہ بیروت)

دسویں صدی کے مجدد

حضرت امام شمس الدین محمد بن شہاب الدین رملی

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت: ۹۱۹ھ ـ وصال: ۱۰۰۴ھ

تجدیدی کارنامے

مجدد دین اسلام کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ حق وصداقت کے اوپر لگ جانے والے زنگ کو صاف کرتے ہیں، اس کے فروغ واشاعت کے لیے کسی شعبے کو تشنہ نہیں چھوڑتے ہیں اور ہر طریقے پر احیائے اسلام کی ترویج واشاعت میں لگے رہتے ہیں۔ اسلام کی تبلیغ وترسیل کا ایک پائدار ذریعہ تحقیقی، علمی تصنیف وتالیف بھی ہے لہٰذا مجدد دین اسلام نے اس جانب بھی خصوصی توجہ فرمائی اور تصنیفات وتالیفات کے ذریعے فروغ دین واحیائے سنت کا فریضہ کو انجام دیا۔ امام علامہ شمس الدین رملی نے بھی بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں، جن میں ہدایت وسچائی کے اصول وضوابط رقم فرمائے ہیں جن سے علامہ رملی کی دینی وعلمی بصیرت وتجدیدی خدمات کا اندازہ ہوتا ہے۔

قلمی نقوش:

ذیل میں چند تصانیف کے اسما درج کیے جا رہے ہیں:

(۱) نھایۃ المحتاج شرح المنھاج۔ یہ امام نووی کی کتاب ''منھاج الطالبین'' کی شرح ہے جس کی تصنیف ۹۷۳ھ میں مکمل ہوئی اور آفاق عالم میں بہت زیادہ مشہور ہوئی یہاں تک کہ بہت سے علمانے اس کو پڑھانے اور اس کی شرح لکھنے میں بے انتہا کوششیں صرف کیں یہ کتاب جامع ازہر میں طلبۂ شافعیہ کے لیے داخل نصاب ہوئی اور ایک لمبے زمانے تک اس

کا درس وتدریس جاری رہا۔

(۲) الغرر البہیۃ شرح المناسک النووی، یہ امام نووی کی کتاب ''ایضاح المناسک'' کی شرح ہے۔

(۳) غایۃ البیان فی شرح زبد ابن ارسلان۔ یہ ابن ارسلان کی کتاب ''صفۃ الزبد'' کی شرح ہے جو فقہ شافعی میں ہے۔

(۴) عمدۃ الرابح فی معرفۃ الطریق الواضح۔ یہ شیخ احمد زاہدی کی کتاب ''ھدایۃ الناصح وحزب الفلاح الناجح'' کی شرح ہے۔

(۵) غایۃ المرام۔ یہ آپ کے والد شہاب الدین احمد کے اس رسالے کی شرح ہے ،جس کا نام ''شروط الماموم والامام'' ہے۔

(۶) شرح البہجۃ الوردیہ (۷) شروح العقود فی النحو (۸) شرح الاجرومیۃ فی قواعد العربیۃ'' اھ۔ (معجم المؤلفین، ج:۸،ص:۷)

دسویں صدی کے مجدد

حضرت شیخ محقق علی الاطلاق شاہ عبدالحق محدث دہلوی

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت: ۹۵۸ھ۔ وصال: ۱۰۵۲ھ

تجدیدی کارنامے

محقق علی الاطلاق حضرت شیخ محدث دہلوی علیہ الرحمہ (۱۰۰۰ھ / ۱۵۹۳ء) میں ہندوستان واپس آئے، اس وقت یہاں مختلف افکار ونظریات کی حامل تحریکیں پروان چڑھ رہی تھیں، جن کا مقصد صرف اسلام کی جڑ کو کمزور کرنا تھا۔ ہندوستان بدعات ومنکرات کا گہوارہ بن چکا تھا، شعار اسلام کا کھلم کھلا مذاق اڑایا جارہا تھا، دربار اکبری میں ''علمائے سوٗ'' کا دبدبہ تھا، جو ذاتی فائدے کے لیے خلاف شرع امور کو عین شریعت کے مطابق قرار دیتے تھے، تو ایسے نازک دور میں آپ نے ان تمام تحریکوں کا تحریر وتقریر کے ذریعہ ڈٹ کر مقابلہ کیا، اور دین کے خلاف اٹھنے والے تمام فتنوں کا قلع قمع کیا، حقیقت میں آپ کی زندگی کا مقصد ہی احیائے دین وملت اور تبلیغ شریعت وطریقت تھا۔

اس وقت دین متین کے خلاف اٹھنے والے یہ چند فتنے خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں:

عقیدۂ مہدویت، نظریۂ الفی، دین الٰہی۔

مہدوی تحریک کا سدّ باب:

شیخ کے زمانے کا بہت بڑا فتنہ مہدوی تحریک تھی، مہدوی تحریک کا بانی سید محمد جون پوری تھا جو جمادی الاولیٰ ۸۴۷ھ مطابق ۱۴۴۳ء میں پیدا ہوا، اس نے ۱۴۹۵ء میں مہدویت کا اعلان کر دیا، مہدویت کا تصور اسلام کے ایک مسلم اصول ختم نبوت سے ٹکراتا

تھا، اس تحریک کا بانی محمد جون پوری کہتا تھا: ''ہر وہ کمال جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل تھا، مجھے بھی حاصل ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ وہاں اصالۃً تھا اور یہاں تبعاً ہے''۔ (شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مصنف: مولانا عارف اللہ مصباحی، ص: ۱۵، ناشر: المجمع الاسلامی)

اس عقیدۂ باطل اور خیال فاسد کے خلاف شیخ نے بروقت قدم اٹھایا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر ''مدارج النبوۃ'' تصنیف فرما کر اس فتنے کا سد باب کیا اور عوام الناس کو پیغمبر اسلام کے اعلیٰ وارفع مقام سے روشناس کرایا۔

نظریۂ الفی:

نظریۂ الفی میں عام طور پر لوگوں کو بتایا جاتا تھا کہ اسلام کی مدت صرف ایک ہزار سال کی تھی اور اس مدت کے خاتمہ کے بعد احکام اسلامی اور شریعت اسلامیہ کے اتباع کی ضرورت ختم ہوگئی۔

شیخ محدث دہلوی نے مذکورہ نظریہ کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ: اسلامی احکام ہر زمانہ اور ہر قوم کے لیے ہے، زمان ومکان کی پابندی بے معنی ہے، نیز شریعت محمدی اعتدال کا راستہ ہے اور یہی اس شریعت کے ابدی ہونے کی دلیل ہے۔

دربار اکبری کا فتنہ:

شیخ کے زمانے کا ایک بہت بڑا فتنہ دربار اکبری کا فتنہ تھا جسے اس وقت کے ''علمائے سو'' نے برپا کیا تھا، قاضی خان بدخشانی نے اکبر کو سجدہ کرنے کا فتویٰ دے دیا تھا، داڑھی ترشوانے کی حدیث شیخ امان اللہ پانی پتی کے بھتیجے نے نکالی تھی، اور فریضۂ حج کے ساقط ہونے کا فتویٰ مخدوم الملک نے دیا تھا، عبد ومعبود کے درمیان فرق بے معنی سمجھا جارہا تھا۔ اس وقت کے گمراہ صوفیا نے بھی مذہب کو نقصان پہنچانے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا، ان کے نزدیک شریعت وطریقت دو مختلف چیزیں تھیں، ان کا عقیدہ تھا کہ بندہ صرف معرفت کا مکلف ہے، شریعت پر عمل کرنے کا مقصد محض معرفت حق تعالیٰ ہے اور جب معرفت خداوندی

حاصل ہو جاتی ہے تو تکالیف بھی ساقط ہو جاتی ہیں، اپنے استشہاد میں وہ یہ آیت کریمہ پیش کرتے تھے: ''واعبد ربک حتی یاتیک الیقین'' نیز رقص وسرود اس وقت تصوف کی جان تھی۔

انہیں عقائد باطلہ اور خیالات فاسدہ رکھنے والے علما وصوفیا نے اکبر بادشاہ کو دین سے برگشتہ کر دیا تھا، اکبر نے دین کو خیر آباد کہہ دیا تھا، جس کا ثبوت دربار اکبری میں ہونے والی غیر شرعی حرکات سے ملتا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) نبوت ورسالت، دیدار الٰہی اور حشر ونشر کے متعلق تمسخرانہ انداز میں شکوک و شبہات ظاہر کیے جاتے تھے۔

(۲) قرآن کے تواتر اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے، جسم کے فنا ہونے کے بعد روح کے باقی رہنے اور ثواب وعقاب کو محال سمجھا جاتا تھا۔

(۳) دیوان خانے میں اعلانیہ کسی کو نماز ادا کرنے کی مجال نہ تھی۔

(۴) اسلام کی مخالفت میں ''سور'' اور ''کتا'' کے ناپاک ہونے کا مسئلہ منسوخ قرار دے دیا گیا تھا، شاہی محل کے نیچے یہ دونوں جانور باندھے جاتے تھے، بادشاہ ان کا دیکھنا عبادت خیال کرتا تھا۔

(۵) فقہ، تفسیر اور حدیث پڑھنے والے مردود ومطعون قرار دیئے جاتے تھے۔

(دینی دعوت، ص:۱۳۹)

شیخ محدث دہلوی نے انہیں حالات کے پیش نظر تقریری دعوت واصلاح کے ساتھ تحریر کا بھی سہارا لیا اور ''تکمیل الایمان وتقویۃ الایقان'' تصنیف فرما کر مذکورہ عقائد باطلہ وخیالات فاسدہ رکھنے والے علما وصوفیا کا منہ توڑ اور دنداں شکن جواب دیا، عقائد کے موضوع پر شیخ کی مذکورہ کتاب عظیم شہرت کی حامل ہے، اس کتاب میں شیخ نے عقائد اسلام اور قواعد شرع کی روشنی میں معمولات اہل سنت کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

عہد اکبری میں ہر کس وناکس مذہبی معاملات میں دخل اندازی کرتا تھا جس سے بدعتیں اور گمرہیاں بکثرت جنم لیتی تھیں، شیخ نے سختی سے اس کی مخالفت فرمائی اور کس وناکس

کو دخل انداز ہونے سے منع فرمایا، غیر شرعی اور غیر اسلامی رسم و رواج کو دور کرنے کے لیے کتابیں اور رسائل تحریر فرمائے۔ چنانچہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے تعلق سے جو خرافات رائج تھیں اور ماہ صفر کے بارے میں عوام میں جو یہ مشہور تھا کہ یہ مہینہ نامسعود و نامبارک ہے، آپ نے اپنی کتاب ''ماثبت بالسنہ فی الایام والسنۃ'' میں احادیث کی روشنی میں ان خرافات کی تردید فرمائی۔ (دینی دعوت، ص:۱۴۱)

شیخ کا ایک اور عظیم کارنامہ:

شیخ محقق کی ہی وہ پہلی ذات ہے جس نے ہندوستان میں علم حدیث کے فروغ اور اس کی نشر و اشاعت کے لیے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے ذریعے اہم اور زریں خدمات انجام دی ہے، آپ نے کتب احادیث کو نصاب کا لازمی جز قرار دیا اور اپنے مدرسے میں احادیث کا باقاعدہ درس دیا۔ آپ کی مشہور و معروف تصنیف ''اشعۃ اللمعات'' شرح مشکوٰۃ، حدیث رسول کی توضیح و تشریح میں ایک قیمتی سرمایہ ہے جسے ہر دور میں مقبولیت حاصل رہی، آج اس کے کئی تراجم شائع ہو چکے ہیں۔ شیخ محقق شب و روز درس تدریس اور تصنیف و تالیف میں مصروف رہے، آپ کی تصانیف جلیلہ کو وہ قبولیت عامہ حاصل ہے جس کی کوئی مثال نہیں، آپ کی تصانیف، امت محمدیہ پر احسان عظیم ہیں، آپ کی ذات، علمی و تصنیفی خدمات کے اعتبار سے نہایت ہی بزرگ اور بلند پایہ ہے، آپ کی پوری زندگی دین اسلام کی تبلیغ اور اشاعت میں بسر ہوئی۔

تصنیفات

آپ نے اسلام کے اہم موضوعات پر اپنی تصانیف کا گراں قدر سرمایہ چھوڑا ہے۔

صرف حدیث اور علم حدیث میں انہوں نے مندرجہ ذیل تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں:

(۱) اشعۃ اللمعات فی شرح مشکاۃ

(۲) لمعات التنقیح فی شرح مشکاۃ المصابیح

(۳) ترجمۃ الاحادیث الاربعین فی نصیحۃ الملوک والسلاطین

(۴) جامع البرکات شرح مشکاۃ

(۵) جمع الاحادیث الاربعین فی ابواب علوم الدین

(۶) رسالہ شب برأت

(۷) ماثبت بالسنہ فی ایام والسنہ

(۸) الاکمال فی اسماء الرجال

(۹) شرح سفر السعادۃ

(۱۰) اسماء الرجال الرواۃ المذکورین فی کتاب المشکاۃ

(۱۱) تحقیق الاشارہ فی تعمیم البشارہ

(۱۲) ترجمہ مکتوب النبی الاھل فی نفریۃ ولد معاذ ابن جبل

(ترجمہ: اشعۃ اللمعات، ص:۹۹)

مذکورہ بالا تحریر کی روشنی میں یہ بات صاف طور پر عیاں ہوجاتی ہے کہ شیخ محقق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے گیارہویں صدی کے پر آشوب دور میں جو ہمہ گیر قلمی، فکری، تبلیغی اور اصلاحی جہاد کیا ہے، اسے تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

دسویں صدی کے مجدد

حضرت سیدنا میر عبدالواحد بلگرامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت: ۹۱۵ھ۔ وصال: ۱۰۱۷ھ

تجدیدی کارنامے

حضرت میر سید عبدالواحد بلگرامی علیہ الرحمہ گونا گوں فضائل وکمالات کے جامع تھے۔ انہوں نے باغ اسلام کی آبیاری، دین محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پاسداری و پاسبانی کے لیے اپنی حیات وقف کردی تھی اور اپنے بیش بہا وعظ وتقریر، نصیحت آمیز کلمات اور گراں قدر تصنیف وتالیف کے ذریعہ گمراہ لوگوں کے دام تزویر میں پھنسے ہوئے سادہ لوح مسلمانوں کو رشد وہدایت کے راستے پر گامزن کیا، ان کے دل کے نہاں خانوں میں چراغ ایمان روشن ومنور کیا اور ان کے اندر جوش ایمانی، الفت ربانی اور عشق رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کوٹ کوٹ کر بھر دیا۔ انہی اوصاف وکمالات نے آپ کی محبوبیت ومقبولیت میں چار چاند لگا دیئے۔

تصنیف وتالیف:

میدان تصنیف وتالیف آپ کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ آپ کے نوک قلم سے نکلنے والی تحریرات ونگارشات اتنی مؤثر ہوتیں کہ قارئین پڑھ کر آپ متحیر ہو جاتے۔ یوں تو آپ کو بہت سے علوم وفنون پر مہارت تامہ حاصل تھی لیکن فن تصوف سے خاص دلچسپی اور اس پر غیر معمولی دسترس تھی۔ اصحاب علم وفضل نے بے چوں وچرا آپ کو اس میدان کا شہسوار مانا ہے اور آپ کے سامنے سر نیاز خم کر دیا جو آپ کی علمی گیرائی وگہرائی پر شاہد ہیں۔ اور اس کا زندہ وجاوید ثبوت متصوفانہ طرز میں لکھی گئی شرح کافیہ ہے جو آج لائبریریوں کی زینت بنی ہوئی ہے۔ آپ کے رشحات قلم سے بے شمار کتابیں پردۂ عدم سے معرض وجود میں آئیں۔ ان کے نام یہ ہیں:

(۱) دیوان (۲) ساقی نامہ (۳) شرح گلشن راز (۴) شرح مصطلحات دیوان حافظ (۵) شرح الکافیہ فی التصوف (تالیف ۹۷۰ھ) (۶) حقائق ہندی (تالیف ۹۷۴ھ) (۷) شرح نزہۃ الارواح (تالیف ۹۸۵ھ) (۸) شرح غوثیہ (تالیف ۹۸۷ھ) (۹) مکاتیب ثلاثہ (۱۰) حل شبہات (۱۱) مناظرۂ انبہ وخربزہ (۱۲) شرح معمہ قصہ چار بردار (۱۳) تفسیر مفیض المحبت (۱۴) مجموعۂ اوراد (۱۵) سبع سنابل (تالیف ۹۶۹ھ)

(اصح التواریخ، ج:۱،ص:۱۱۹، ماخوذ: سبع سنابل، ص:۱۹، ۲۰)

دسویں صدی کے مجدد

حضرت امام محمد بن عبداللہ خطیب تمرتاشی غزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت: ۹۳۹ھ۔ وصال: ۱۰۰۴ھ

تجدیدی کارنامے

آپ زندگی بھر سنتوں کی نشرواشاعت اور برے رسم ورواج کے خلاف سرگرم عمل رہے۔ فقہ جو کہ قرآن وحدیث اور اسلامی تعلیمات کا نچوڑ ہے، کے ذریعے آپ امت مسلمہ کو اسلام کی حقیقی تعلیمات سے روشناس کراتے رہے۔ آپ کی خدمات کا دائرہ ایک زمانے کو محیط ہے۔ آپ نے درس وتدریس، تصنیف وتالیف، تزکیہ وارشاد اور وعظ وخطابت چاروں طریقوں سے دین وعلم کی خدمت کی ہے اور عوام وخواص کی فکری، قلبی، اور عملی تربیت فرمائی ہے۔ آپ کی انہی عظیم کارناموں کی بنیاد پر صاحبان علم وفضل نے آپ کو دسویں صدی کا مجدد تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ چودھویں صدی کے عظیم فقیہ ومحدث اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''مقاصد حسنہ'' کے حاشیے میں آپ کا شمار مجددین کی فہرست میں کیا ہے۔

تصنیفی خدمات:

آپ نے مختلف علوم وفنون میں متون، شروحات، حواشی اور رسائل تحریر فرمائے ہیں۔

ملاحظہ ہو:

(۱) تنویر الابصار:

یہ آپ کی سب سے شہرہ آفاق کتاب ہے جو اپنی ایجاز بیانی میں ''دریا بہ کوزہ'' کے

مصداق ہے یہی وجہ ہے کہ ابتدا ہی سے یہ کتاب اہل حق کی توجہات کا مرکز بنی رہی۔ بڑے بڑے فقہا و محدثین نے اس کی شرحیں لکھیں جن میں علامہ علاؤ الدین حصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۱۰۲۵ھ سنہ ۱۰۸۸ھ) کی ''در مختار'' کا نام قابل ذکر ہے۔

یہ درمختار اسی ''تنویر الابصار'' کی شرح ہے جس پر علامہ امین بن سید عمر عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۱۱۹۸ھ سنہ ۱۲۵۲ھ) نے ''ردالمحتار'' کے نام سے ایک گراں قدر حاشیہ تحریر فرمایا ہے۔ پھر چودھویں صدی ہجری کے عظیم فقیہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس ''ردالمحتار'' پر جد الممتار کے نام سے حاشیہ لکھ کر اس کی اہمیت وافادیت کو مزید دوبالا کر دیا ہے۔

(۲) معین المفتی علی جواب المستفتی

(۳) منظومۃ الفقھیۃ المسماۃ ''تحفۃ الاقران''۔

(۴) فتاویٰ الغزی: یہ ہندوستان میں پہلی بار سنہ ۱۳۳۳ھ میں مطبع اہل سنت و جماعت بریلی سے حضرت صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مقدمے کے ساتھ شائع ہوئی۔

(۵) مسعف الحکام علی الاحکام (۶) منظومۃ فی التوحید۔

شروح وحواشی:

آپ نے بہت سی مفید کتابوں پر شرحیں بھی لکھی ہیں اور بعض کتابوں پر حواشی بھی رقم فرمائے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۷) اعانۃ الحقیر: یہ امام ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ کی کتاب ''زاد الفقیر'' کی شرح ہے۔

(۸) شرح قصیدۃ بدء الامالی۔

(۹) شرح الکنز: یہ کنز الدقائق کی باب الایمان تک کی شرح ہے۔

(۱۰) شرح مختصر المنار۔

(۱۱) شرح المنار: یہ ''المنار'' کی ''باب السنۃ'' تک کی شرح ہے۔

(۱۲) شرح قطعة من الوقایہ۔

(۱۳) حاشیة الدرر شرح الغرر: یہ ''الدرر'' پر باب الحج تک کا حاشیہ ہے۔

(۱۴) شرح العوامل للجرجانی فی النحو۔

(۱۵) قطعة من شرح القطر: یہ بحث اسم فاعل کے اعمال تک کی شرح ہے۔

(۱۶) مواهب الرحمٰن: یہ تحفة الاقران کی شرح ہے۔

(۱۷) شرح منظومة فی التوحید۔

(۱۸) شرح الوهبانیة۔

(۱۹) شرح یقول العبد وغیرہ۔

رسائل:

چند موضوعات پر آپ نے رسائل بھی تحریر فرمائے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۲۰) رسالة فی خصائص العشرة المبشرة بالجنة۔

(۲۱) رسالة فی عصمة الانبیاء۔

(۲۲) رسالة فی جواز الاستنابة فی الخطبة۔

(۲۳) رسالة فی القرأة خلف الامام۔

(۲۴) النفائس فی احکام الکنائس۔

(۲۵) رسالة فی مسح الخفین۔

(۲۶) رسالة فی دخول الحمام۔

(۲۷) رسالة فی النکاح بلفظ ''جوزتک''۔

(۲۸) رسالة فی النقود۔

(۲۹) رسالة فی احکام الدروز والارفاض۔

(۳۰) رسالة فی علم الصرف۔

(۳۱) رسالة فی التصوف وغیرہ۔

دسویں صدی کے مجدد

حضرت سیدنا علامہ ملا علی قاری بن سلطان محمد بروی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت: ۹۳۰ھ۔ وصال: ۱۰۱۴ھ

تجدیدی کارنامے

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بدعات ومنکرات کا سختی سے رد فرمایا کرتے تھے اور جہاں تک ممکن ہوتا ہاتھ یا زبان سے ان کے سد باب کی بھرپور کوشش فرماتے۔ اس سلسلے میں عوام کی مخالفت کو کوئی پرواہ نہ کرتے، ضرورت پڑتی تو علما کی سرزنش سے بھی نہ چوکتے تھے۔ اپنی کتابوں میں جگہ جگہ آپ نے جرأت مندی کے ساتھ بدعات وخرافات کی نشان دہی کر کے ان کا رد فرمایا ہے۔ طوالت کے خوف سے میں صرف ایک کتاب کے حوالے سے اکتفا کر رہا ہوں۔

"المسلك المتقسط فی المنسك المتوسط" میں حج کی ادائیگی کے دوران ہونے والی خلاف شرع باتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

(۱) ''ایک بری بدعت یہ پیدا ہوگئی ہے کہ بہت سارے جہلا بیت اللہ شریف کا طواف شروع کرنے سے پہلے ملتزم سے چمٹ جاتے ہیں اور اسے چومتے ہیں، حالانکہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طریقہ کار یہ تھا کہ آپ حجر اسود سے طواف شروع فرماتے تھے۔ لہٰذا حجر اسود کے علاوہ سے طواف کی ابتدا مناسب نہیں ہے''۔

(۲) ''ایک دوسری بدعت یہ ہے کہ اس مبارک سرزمین میں قسم قسم کی زیب وزینت اور تیز خوشبوؤں سے معطر عورتوں کا مردوں سے اختلاط ہوتا ہے اور وہ مردوں کی مرکز توجہ بنتی ہیں۔

بسا اوقات ان کا کوئی عضو بے پردہ ہوتا ہے، خاص طور سے ہاتھ اور پاؤں کھلے رہتے ہیں۔ اس حالت میں کبھی کبھی مرد کے جسم کا کوئی حصہ عورت کے بدن سے چھو جاتا ہے جس سے شوافع کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس طرح مرد و عورت دونوں کا طواف جاتا رہتا ہے"۔

(۳) ''عبادات میں در آنے والی ایک خرابی یہ بھی ہے کچھ لوگ اپنے خدام کے ساتھ طواف گاہ میں آجاتے ہیں اور دوسرے لوگوں کے ساتھ دھکا مکی کرتے ہیں۔ خاص طور سے حجر اسود کی طرف متوجہ ہونے کے وقت ہر کوئی دوسرے سے پہلے پہنچنے کی کوشش کرتا ہے، بہت سارے لوگ آگے والوں کو پیچھے ڈھکیل کر خود آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح انہیں نیکی کے بجائے گناہ ملتا ہے اور مفاد سے زیادہ نقصان ہوتا ہے"۔ (الامام علی القاری واثرہ فی علم الحدیث، ص:۶۱)

تصنیفات:

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے زمانے کے عظیم فقیہ، بہترین مفسر، عمدہ قاری، اور بے مثال متکلم و محدث تھے۔ حدیث، فقہ، توحید، تفسیر، قرأت و تجوید، فرائض، تراجم، ادب، لغت، نحو اور مواعظ و نصائح وغیرہ موضوعات پر آپ کی تصنیفات نے اصلاح امت کا عظیم فریضہ انجام دیا۔ ڈاکٹر خلیل احمد قوتلای کی تحقیق کے مطابق ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصنیفات ۱۴۸، ہیں۔ ہم یہاں ان میں چند کے تذکرے پر اکتفا کرتے ہیں:

(۱) مرقات المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح (۸، ضخیم جلدوں میں) (۲) الجمالین علی الجلالین (۳) الاثمار الجنیة فی اسماء الحنفیة (۴) الاجوبة المحررة فی البیضة المنکرة (۵) شرح شرح نخبة الفکر لابن حجر (۶) شرح المؤطا بروایة الامام محمد (۷) شرح مسند الامام ابی حنیفه (۸) جمع الوسائل فی شرح الشمائل للامام الترمذی (۹) ادلة معتقد ابی حنیفة فی ابوة الرسول (۱۰) شرح رسالة الفاظ الکفر (۱۱) شرح الفقه الاکبر (۱۲) شم العوارض فی ذم الروافض (۱۳) الاحادیث

القدسية الاربعينية (١٤) الادب فی رجب (١٥) الازهار المنشورة فی الاحاديث المشهورة (١٦) الاسرار المرفوعة فی الاخبار الموضوعة (١٧) انوار القرآن و اسرار الفرقان (١٨) التبيان فی بيان ما فی ليلة النصف من شعبان وليلة القدر من رمضان (١٩) تطهير الطوية بتحسين النية (٢٠) الدرة الرضية فی الزيارة المصطفوية (٢١) الزبدة فی شرح قصيدة البردة (٢٢) شرح الهداية (٢٣) مناقب الامام الاعظم واصحابه (٢٤) نزهة الخاطر الفاتر فی ترجمة سيدی عبد القادر (٢٥) رسالة فی الرد علی من ذم مذهب الامام ابی حنيفه (٢٦) شرح الشاطبية (٢٧) شرح مغنی اللبيب عن كتب الاعاريب۔

گیارہویں صدی کے مجدد

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت: ۹۷۱ھ۔ وصال: ۱۰۳۴ھ

تجدیدی کارنامے

حضرت امام ربانی شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمہ ایک مخلص داعی اور دردمند و پرسوز مبلغ تھے، آپ کا انداز دعوت وتبلیغ انتہائی حکیمانہ، ہمدردانہ اور مصلحانہ تھا، یہی وجہ ہے کہ ان کی دعوت کے مخاطب جہاں عام لوگ تھے وہیں حکمران وقت بھی تھے حکمرانِ وقت وشاہانہ زمانہ کے مقابل پیغام حق کی تجدید وترسیل کا فریضہ انجام دینا سب سے اہم کارنامہ ہوتا ہے ''قول الحق عند سلطان الجائر'' کوئی آسان کام نہیں، بلکہ وہ دور جس میں آپ نے اپنی دعوت و اصلاحی مشن کا آغاز فرمایا، مختلف الانواع خرافات ورسومات کا مجموعہ تھا، دین خطرے میں تھا، دین دار افراد خطرے میں تھے، سب سے بڑھ کر خطرہ اس میں تھا کہ جوحق کی آواز بلند کرتا اس کے مال ہی نہیں اولاً جان کو ہی خطرہ تھا ایسے پر خطر ماحول میں آپ نے وہ اسلوب اپنایا جو مزاج دعوت واصلاح کے عین مطابق تھا، یہ اسلوب وانداز ایسا تر بہ ہدف ثابت ہوا کہ دنیا دیکھتی رہ گئی۔ پھر امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ذات وخدمات عالمی مبلغین کی صف میں اعلیٰ درجہ کی حقدار قرار پائیں، اور عالمی مفکرین نے ان کے انداز دعوت سے روشنی حاصل کی۔ امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایسے دور میں اپنی اصلاحی وتبلیغی مشن کا آغاز فرمایا جس میں جلال الدین اکبر کی غیر اسلامی حرکتوں سے اسلام کا چمن خزاں رسیدہ ہورہا تھا، مگر اس عالم میں حضرت مجدد الف ثانی نے اپنی حکیمانہ دعوت وتبلیغ سے ایسا انقلاب برپا کیا کہ چشم

فلک نے اس دور میں ویسا دوسرا انقلاب نہیں دیکھا اور جہاں گیر کے عہد میں اس انقلاب کا آفتاب سوا نیزے پر تھا۔

یہ خاموش انقلاب یوں ہی رونما نہیں ہوا، اس کے لیے بے پناہ قربانیاں دینی پڑیں۔ حضرت مجدد الف ثانی نے یہ انقلاب نہایت حکمت و دانائی سے بتدریج برپا کیا کہ پورا معاشرہ جو غیر اسلامی اور غیر شرعی افکار و نظریات کی آماجگاہ بن رہا تھا، وہ دھیرے دھیرے ان بدعات و منکرات کی تاریکیوں سے نکل کر ملت بیضا کے اجالے کی طرف آنے لگا اور اسلامی احکام پر عمل پیرا ہوگا، اس کے لیے حضرت مجدد کو بڑی مشقتیں جھیلنی پڑیں، تکالیف شاقہ اٹھائیں، گھر بار چھوڑا، وطن سے بے وطن ہوئے، جبراً لشکر شاہی میں زندگی گزاری ، قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، مگر ایک ظالم بادشاہ کے آگے سر نہ جھکایا، آپ تن تنہا تھے، مگر اکبر اور جہاں گیر کے پہلوان آپ کا کچھ بگاڑ نہ سکے، بلکہ بادشاہ کا سر جو غرور سے چور تھا وہ ضرور جھکتا نظر آیا۔

حالات اکبری کا جائزہ:

اکبری الحاد و بے دینی کا جائزہ لینے کے لیے ہم اکبر کی زندگی کو تین ادوار پر تقسیم کرر ہے ہیں۔

دورِ اوّل:

اکبر کی زندگی کا دور اول تخت نشینی کے سال ۹۶۳ھ/ ۱۵۵۶ء سے ۹۸۳ھ/ ۱۵۷۵ء تک ہے، اس دور میں اکبر دین دار سنی صحیح القعیدہ مسلمان نظر آتا ہے، اٹھارہ، بیس سال کی عمر تک اس کا یہ حال تھا کہ احکام شریعت کو باادب سنتا، جماعت سے نماز پڑھتا، مسجد میں جھاڑو لگاتا، علما و مشائخ کی نہایت تعظیم و توقیر کرتا، صوفیا اور صلحا کے گھروں اور آستانوں پر حاضری لگاتا، اکابر علما و مشائخ کی جوتیاں سیدھی کرتا، اس وقت امور سلطنت کی انجام دہی کے لیے علما، قاضی اور مفتی مقرر تھے۔ عام صحبت میں بھی اکثر خدا شناسی، معرفت شریعت اور طریقت

کا ہی تذکرہ ہوتا اور رات میں علما و فضلا کا دربار میں اجتماع لگتا۔

دورِ دوم:

عہدِ اکبری کا دوسرا دور ۹۸۳ھ/ ۱۵۷۵ء سے ۹۸۵ھ/ ۱۵۷۸ء تک ہے، اس دور میں ایک عمارت تعمیر کی گئی جس کا نام شیخ عبداللہ سرہندی نے ''عبادت خانہ'' کی سرگرمیوں سے اکبر کے دوسرے دور کا آغاز ہوتا ہے، اکبر کو اصولی و فروعی مسائل کا چسکا لگا ہوا تھا اس لیے عبادت خانہ میں ہر شب جمعہ علمی مجلس کا انعقاد ہوتا، جس میں ہر مکتبۂ فکر کے علما و دانش ور شریک مباحثہ ہوتے تھے، بادشاہ الطاف خسروانہ سے نوازتا، اسی مالی فیضان کے نتیجہ میں علما کے مابین بغض وحسد پیدا ہو گیا، اولاً علما کی نشستوں کے درمیان باہمی چپقلش شروع ہوئی مالی فیضان کی حرص وطمع اور نشستوں پر تنازع وغیرہ کے سبب بادشاہ کے دل سے علما کا وقار ختم ہو گیا، مختلف فیہ مسائل پر حکیمانہ اور عالمانہ تبادلۂ خیال کے بجائے اس طرح لڑتے جھگڑتے گویا کہ ایک دوسرے کو کھا جائیں گے، آپ میں تیغ زبان کھینچ کر ایک دوسرے کو کافر و گمراہ کہنے لگے، ایک دوسرے کو مارنے کے لیے اپنی عصا اور چھڑیاں اٹھالیں، اس قسم کی بے ہودہ اور مذہب و اخلاق سے گری ہوئی باتوں کو دیکھ کر اکبر علما سے بدظن ہو گیا۔ پھر اکبر نے ماہ رجب ۹۸۷ھ/ ۱۵۷۹ء میں درباری علمائے سو سے ایک محضر نامہ تیار کروایا جس کا مضمون یہ تھا:

''امام عادل مطلقاً مجتہد پر فضیلت رکھتا ہے، اور وہ اس بات کا مجاز ہے کہ مسئلہ مختلف فیہ میں روایت مرجوح کو ترجیح دے، معاملاتِ شرعیہ میں کسی کو اس کی رائے سے انکار کرنے کی گنجائش نہیں، کیوں کہ امام عادل معاملات کو مجتہدین سے زیادہ سمجھتا ہے، پس جو اس کی مخالفت کرے وہ دنیا و عقبیٰ میں مستوجب عذاب ہے، بلکہ امام عادل کو اس کا بھی اختیار رہے کہ کوئی حکم ایسا بھی اپنی طرف سے جاری کرے جو نص کے مخالف ہو، مگر اس میں خلائق کی رفاہت مد نظر ہو، اور امام عادل کے ایسے مسائل کی تعمیل سب پر واجب ہے''۔

اکبر کی اس بے راہ روی کو دیکھ کر قاضی القضاۃ ملا محمد یزدی نے علی الاعلان فتویٰ دیا کہ بادشاہ بدمذہب ہو گیا ہے، لیکن اکبر نے ملا محمد یزدی، معز الملک، قطب الدین خان اور شہباز

خان کو الگ الگ مقامات پر دریا میں ڈبو دیا اور باقی علما کو قید خانہ میں ڈال دیا۔

دوسرے دور کے اختتام تک اکبر اسلام سے بہت دور جا چکا تھا، مسلمان بھی نہیں تھا اور نہ کسی دوسرے مذہب کو اختیار کیا اور نہ کسی جدید دھرم کا اعلان کیا تھا۔

دورِ سوم:

الحاد اکبری کا تیسرا دور ۹۹۰ھ/ ۱۵۸۲ء سے ۱۰۱۴ھ/ ۱۶۰۵ء تک ہے، اس دور کا آغاز "دین الٰہی" سے ہوتا ہے، اس مذہب نو کی بنیاد ۹۹۰ھ/ ۱۵۸۲ء میں رکھی گئی، یہ نظریہ توحید وجودی کی ایک غیر مبہم وغیرہ واضح شکل تھی جس میں مختلف ادیان و مذاہب کے معتقدات شامل تھے۔ درحقیقت یہ جینی، ہندو اور بدھ وغیرہ ادیان باطلہ کا معجون مرکب تھا، اور اس میں اسلام کے نظریۂ توحید کو برائے نام جگہ دی گئی تھی۔ اس تیسرے دور میں اکبر مکمل ملحد و گمراہ اور کافر نظر آتا ہے، شیخ مبارک ناگوری، ابوالفیض فیضی اور شیخ تاج الدین وغیرہ نے آیات واحادیث کی من گڑھت تاویلیں جن سے خود اکبر بھی حیران و ششدر رہ گیا، اب ذیل میں الحاد اکبری (دین الٰہی) کے معتقدات کی اجمالی فہرست ہدیۂ قارئین ہے:

(۱) ملا عبد اللہ سلطان پوری نے حج کے اسقاط کا فتویٰ دیا (۲) ملا سعید نے داڑھیاں منڈوانے کے سلسلہ میں ایک حدیث گڑھی (۳) بادشاہ کے لیے سجدۂ تعظیمی کو جائز قرار دیا گیا (۴) لا الہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ کلمہ پڑھنے کا حکم دیا گیا (۵) سود کو حلال قرار دیا گیا (۶) شراب کو حلال اور پاک قرار دیا گیا (۷) چار وقت آفتاب کی پرستش لازم قرار دی گئی (۸) مساجد کو مندروں میں تبدیل کر دیا گیا (۹) روزہ رکھنے کی ممانعت قرار دی گئی (۱۰) خنزیر کے گوشت کو جائز قرار دیا گیا (۱۱) ماتھے پر قشقہ لگانا، گلے میں زنار پہننا اور غسل جنابت نہ کرنا دین الٰہی کا شعار قرار دیا گیا۔ (ص: ۴۶، تا ۷۰، ملخصاً مجدد الف ثانی، از: پروفیسر محمد مسعود احمد)

دین الٰہی کا انسداد:

دورِ اکبری میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اصلاحی و تبلیغی سرگرمیاں

خاموش طریقہ سے جاری رہیں، اور جب اکبر کی موت کے بعد ۲۱، اکتوبر ۱۶۰۵ء میں نورالدین محمد جہاں گیر "بادشاہ غازی" کے نام سے تخت نشیں ہوا تو حضرت مجدد بھی پوری تیاری اور عزم وحوصلہ کے ساتھ کھلم کھلا میدان عمل میں اتر پڑے۔ اس وقت آپ کی عمر چالیس سال ہو چکی تھی، علم ظاہر و باطن میں کمال پیدا کر لیا تھا۔ چوں کہ اس وقت بے دینی اور بے راہ روی دربار سے شروع ہوئی تھی اور دین الٰہی کو شاہی سرپرستی حاصل تھی، اس لیے حضرت مجدد نے جہاں گیری دربار کے امرا، وزرا، اعیانِ سلطنت اور ارباب اقتدار ہی کو دین حق کی طرف مائل کرنے اور اکبری عہد کی بدعات وخرافات کو دور کرنے اور اسلام کی تلافی کے لیے آمادہ کیا، اسی مقصد خیر کے لیے تمام نامور امرا کو مکتوب ارسال کیے، ان تمام مکتوبات کا صرف ایک ہی مقصد تھا کہ جس طرح ممکن ہو اس نقصان کی تلافی ہو جائے۔

اس میں شک نہیں کہ جہاں گیر راجا بہاری مَل کی لڑکی سے پیدا ہوا اور راجا بھگوان داس کی لڑکی سے شادی کی اور اس کے علاوہ اس کی اور بھی ہندو بیویاں تھیں، لیکن وہ از اول تا آخر مسلمان تھا۔ وہ تمام حضرات جو بادشاہ کے سامنے لب کشائی کی جرأت کر سکتے تھے یا اسے کوئی بھی مشورہ دینے کی صلاحیت رکھتے تھے مثلاً سید صدر جہاں، خان جہاں اور شیخ فریدی بخاری کو آپ نے تفصیلی مکتوبات ارسال کیے، جن کا خلاصہ یہ تھا کہ حکومت میں انقلاب آ گیا ہے، دوسرے مذاہب کی دشمنی خاک میں مل چکی ہے، ایسے میں علمائے کرام پر لازم ہے کہ اپنی تمام تر توجہ ترویجِ شریعت کی طرف مبذول کریں، خان جہاں کو مکتوب میں لکھا کہ جب کبھی بادشاہ سے ملاقات کریں اور وہ آپ کی بات سننے کی طرف متوجہ ہو تو کیا ہی اچھا ہوگا کہ صراحتاً یا کنایۃً معتقدات اہل سنت وجماعت کے مطابق کلمۂ حق اس کے کانوں تک پہنچائیں، شیخ فریدی بخاری کو لکھا کہ آپ تمام مواقع پر نظر رکھیں اور مسائل شرعیہ بیان کرتے رہیں تا کہ کوئی مبتدع اور گمراہ درمیان میں حائل ہو کر بادشاہ کو راہ راست سے نہ بھٹکائے، حضرت مجدد کی رہنمائی سے ان حضرات نے موقع ومحل دیکھ کر جہاں گیر کی ذہن سازی کی پھر ان تمام لوگوں کی اصلاحی اور تبلیغی مساعی جلیلہ کا یہ نتیجہ نکلا کہ ایک دن وہ آیا کہ

جب خود بادشاہ نے شیخ فریدی بخاری کو حکم دیا کہ امور شرعیہ میں مشورہ دینے کے لیے ایک مجلس قائم کی جائے، جب یہ خبر حضرت مجدد تک پہنچی تو آپ نے فوراً شیخ فریدی بخاری کو مکتوب ارسال فرمایا اور لکھا کہ ایسے دین دار علمائے آخرت جو حب جاہ وریاست کے طالب نہ ہوں اور ترویج شریعت اور تائید ملت کے علاوہ کوئی مقصد نہ رکھتے ہوں اگرچہ تعداد میں بہت قلیل ہوں۔ اگر علمائے سوہوئے تو ترویج شریعت کے بجائے تخریب دین ہو جائے گا، اس لیے کہ خلائق کی رست گاری اور فلاح وصلاح علمائے حق کے وجود سے وابستہ ہے، علمائے حق بہترین مخلوق ہیں، اسی طرح دنیا کا زیاں اور مخلوق کا بگاڑ وفساد علما کے وجود سے وابستہ ہے، علمائے سو بدترین مخلوق ہیں، ہدایت وگمرہی ان ہی دونوں پر موقوف ہے۔

(خلاصہ مکتوب دفتر اول، مکتوب نمبر: ۴۷، مکتوبات امام ربانی، مترجم: مولانا سعید احمد نقش بندی، رضا اکیڈمی، ۲۰۰۶ء)

علمائے سو کا کردار:

آگرہ کے علمائے سو نے جب دین الٰہی کو خاک میں ملتا دیکھا تو دوبارہ سرگرم ہو گئے اور موقع پاتے ہی جہاں گیر بادشاہ کو اطلاع دی کہ سرہند کا ایک شیخ زادہ اپنے کو صدیق اکبر سے افضل سمجھتا ہے اور ایسے دعوے کرتا ہے جن سے کفر لازم آتا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خلائق میں مقبولیت اور اس سے حکومت کو پہنچنے والے خطرات سے بادشاہ کے کان بھرے، مخالفین وحاسدین کی یہ سازش کارگر ثابت ہوئی اور اس مسئلہ کو سیاسی رنگ دے دیا گیا۔ اس کے بعد جہاں گیر نے حاکم سرہند کی معرفت حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو دربار میں طلب کیا، حضرت مجدد کو دربار شاہی میں حاضر کیا گیا، جہاں گیر نے اپنا اعتراض پیش کیا، حضرت مجدد نے مدلل ومفصل جواب دیا کہ جس سے بادشاہ مطمئن ہو گیا اور اس کا عتاب جاتا رہا۔ اسی دوران ایک درباری نے بادشاہ سے کہا، حضور ظل اللہ اور خلیفۃ اللہ ہیں، اس نے سجدۂ تعظیمی تو کجا معمولی تواضع بھی نہیں بجالایا،

اس بات پر بادشاہ خفا ہوگیا اور بالآخر ربیع الثانی ۱۰۱۸ھ میں حضرت مجدد کو قلعہ گوالیار میں اسیر کردیا۔ آپ نے ایک سال سنت یوسفی ادا فرمائی، قلعہ گوالیار میں بھی دوران اسیری آپ دین الٰہی کی تردید اور دین اسلام کی دعوت وتبلیغ کرتے رہے، جس کے نتیجہ میں پورا قید خانہ کفر وشرک اور فسق وفجور سے تائب ہوکر مسلمان ہوگیا، یہ صورت حال دیکھ کر جہاں گیر نے آپ کو قید خانہ سے رہا کردیا، آپ اس شرط پر رہا ہوئے کہ دین الٰہی کے تمام اصول کالعدم قرار دیئے جائیں اور شریعت اسلامیہ کو عملاً نافذ کیا جائے، بادشاہ نے یہ شرط تسلیم کی اور آپ قلعہ گوالیار کی جیل سے باہر آئے۔ (ملخصاً، تذکرہ مشائخ عظام، ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی، ص: ۳۸۶، تا ۳۸۸، ناشر: المجمع الاسلامی مبارکپور)

مکار صوفیوں کا استیصال:

عہد اکبری میں تصوف وطریقت کے جو افکار ورسوم ہوا پرست صوفیوں نے وضع کرلیے تھے، جن میں فلسفۂ یونان، حکمت اشراق، عجمی وہندی تصورات کی ایسی آمیزش کرلی گئی تھی جس سے اسلامی تصوف کا کوئی واسطہ نہ تھا، جاہل صوفیا نے شریعت وطریقت کو الگ الگ خانوں میں بانٹ کر ایسا نظام رائج کردیا تھا، جہاں دینی احکام اور شرعی نزاکتوں کا دور دور تک گذر نہ تھا، نام نہاد روحانیوں کا مسلک دین حق کے لیے سم قاتل تھا، حضرت مجدد نے اس جانب بھی خاص توجہ فرمائی اور شریعت کی برتری کا احساس دلایا۔ اس زندیقی نظریہ تصوف وسلوک کی خامیوں سے لوگوں کو روشناس کر کے صحیح اسلامی فکر اور اسلامی تصوف کی راہ دکھائی جو شریعت سے ماورا نہیں بلکہ شریعت کی سراپا پابندی سے عبارت ہے۔

حضرت مجدد نے اپنی حکمت وبصیرت سے معلوم کرلیا کہ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ صوفیائے طریقت وحقیقت کو شریعت سے بالاتر سمجھتے ہیں اور حقیقت کے نام پر گمراہی اور باطنی مسلک کو رائج کررہے ہیں۔ آپ نے ان مفاسد کا رد فرمایا، لکھتے ہیں. منازل سلوک طے کرنے اور مقامات جذب قطع کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ حاصل اور مقصد تمام سیر وسلوک

سے یہ ہے کہ مقام اخلاص حاصل ہو جائے جو کہ تمام آفاقی اور انفسی معبودوں کی فنا پر منحصر ہے، شریعت کے تین اجزا ہیں، علم، عمل اور اخلاص، طریقت وحقیقت اخلاص کے خادم ہیں، یعنی طریقت وحقیقت کے جتنے منازل طے ہوں گے اسی قدر اخلاص میں قدم راسخ تر ہوتا جائے گا، اخروٹ اور کشمش جیسی معمولی اشیا پر اکتفا کیے ہوئے ہے، نہ وہ شریعت کے کمالات کو سمجھا ہے اور نہ طریقت وحقیقت کی تہ تک پہنچا ہے، وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ شریعت چھلکا ہے اور حقیقت گودا، اس کو اصل کار کی خبر نہیں ہے، وہ صوفیا کی لایعنی باتوں پر فریفتہ اور احوال ومقامات پر مفتون ہو گیا ہے، ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ سیدھی راہ پر لگائے۔ (مکتوبات امام ربانی ص: ۱۳۳، مکتوب نمبر: ۴۰، مترجم)

صوفیا خام کی بے عملیوں کی تردید اس طرح فرمائی: یہ لوگ یہ بات کہتے ہیں کہ پیر اس مقصد سے عبادت نہیں کرتا کہ وہ عبادت کا محتاج ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کے متبعین اس کو دیکھ کر عبادت کریں۔ (ایضاً، مکتوب نمبر: ۲۷۶)

خام صوفی ذکر وفکر کو اہم سمجھ بیٹھے ہیں، فرائض وسنن کی بجا آوری میں تساہلی سے کام لیتے ہیں، اور مغیبات اور ریاضیات کو اختیار کر کے جمعہ وجماعت چھوڑتے ہیں، وہ یہ سمجھتے نہیں کہ ایک فرض کو جماعت سے ادا کرنا ان کے ہزار چلوں سے بہتر ہے۔ ہاں جو ذکر وفکر آداب شرعیہ کے ساتھ کیا جائے وہ بہتر شایان شان اہتمام رہتا ہے۔ (ایضاً، مکتوب نمبر: ۲۶۰)

آپ نے شیخ نظام تھانیسری کو تحریر فرمایا: معتبر افراد سے معلوم ہوا کہ آپ کے بعض خلفا کو ان کے مرید سجدہ کرتے ہیں، وہ زمین بوسی پر اکتفا نہیں کرتے، اس فعل کی قباحت اظہر من الشّمس ہے، آپ ان کو تاکید کے ساتھ منع کریں، اس فعل سے ہر ایک کو بچنا لازم ہے، اور خاص کر ایسے شخص کو جو خلق کا مقتدا ہو، آپ کی مبارک مجلس میں تصوف کی کتابیں پڑھی جاتی ہیں، چاہیے کہ فقہ کی کتابیں پڑھی جائیں، فقہ کی کتابوں کا نہ پڑھنا احتمال ضرر رکھتا ہے۔ (ایضاً مکتوب نمبر: ۲۲۹)

تصانیف:

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے رشحات قلم میں سب سے زیادہ جس تصنیف کو شہرت ملی وہ ''مکتوبات امام ربانی'' ہے جس کا ترجمہ عربی اردو دونوں زبان میں شائع ہو چکا ہے اس کے علاوہ مبدا و معاد، مکاشفات غیبیہ، معارف لدنیہ، آداب المریدین، اثبات النبوت، رسالہ در مسئلہ وحدت الوجود، رد الرفضہ، شرح رباعیات خواجہ یرنگ، رسالہ مقصود الصالحین، رسالہ جذب وسلوک، رسالہ تہلیلیہ، اثبات وثبوت اور رسالہ در علم حدیث وغیرہ آپ کی یادگار تصانیف ہیں۔ (ایضاً ص:۱۹)

گیارھویں صدی کے مجدد

حضرت امام علامہ محمد بن عبد الباقی زُرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت: ۱۰۵۵ھ۔ وصال: ۱۱۲۲ھ

تجدیدی کارنامے

آپ کے تجدیدی کارناموں میں آپ کی تصنیفات وشروحات اور بے مثال علما کی ٹیم تیار کرنا ہے۔ چنانچہ علامہ عبد الحی کتانی فہرس الفہارس میں فرماتے ہیں: امام شہاب مرجانی نے وفیات اسلاف میں امام کو گیارھویں صدی کا مجدد شمار کیا ہے۔

وہ فرماتے ہیں: آپ اس کے زیادہ لائق تھے کیونکہ آپ نے لوگوں کے لیے بے شمار تصنیفات وتالیفات اور علمائے اعلام کی ایک لمبی جماعت تیار کردی۔ (مرجع سابق)

ہم پہلے آپ کے تلامذہ اوران کے مختصر کارناموں کو ذکر کرتے ہیں پھر کتابوں کی فہرست اوراس پر علما کا تبصرہ بھی پیش کریں گے۔

شروحات ومختصرات:

آپ نے مستقل کتاب لکھنے کی بجائے زیادہ تر مطولات کا اختصار اور مختصرات کے شروحات لکھیں۔ اس اجمال کی تفصیل ملاحظہ کریں۔

(۱) شرح موطا امام مالک:

اس کو عمر رضا کحالہ نے "ابھج المسالک بشرح موطا الامام مالک" سے موسوم کیا ہے۔ (معجم المؤلفین، عمر رضا کحالہ، ج: ۱۰، ص: ۱۲۴، دار احیاء التراث، بیروت) امام مالک کی جمع کردہ مشہور ترین اور فن حدیث میں معتبر کتاب موطا امام مالک جامع ازہر کے اساتذہ وطلبہ کے زیر مطالعہ تھی، اس وقت اس کی شرحیں کم یاب تھیں اور جو شروح موجود تھیں وہ طویل بحثوں پر مشتمل تھیں۔ اس لیے اکثر اساتذہ وطلبہ اس سے استفادہ سے گریز کرتے تھے۔

آپ نے ان مشکلات کا احساس کیا اور نئے طرز پر ایک متوسط شرح لکھنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ ۱۰، جمادی الاولیٰ ۱۱۰۹ھ کو لکھنے کا آغاز فرما دیا، یہاں تک کہ ۱۰، ذوالحجہ ۱۱۱۲ھ کو مؤطا کی ایک متوسط شرح لکھ کر علمائے ازہر کے سامنے پیش کیا۔ آپ کی اس شرح کو طلبہ و اساتذہ نے ہاتھوں ہاتھوں لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے عالم میں اس کی شہرت ہوگئی۔ (مختصر المقاصد الحسنہ، امام زرقانی، ص: ۷، ۲، المکتب الاسلامی)

آپ کی اس شرح کی اس قدر بے پناہ مقبولیت کا سبب یہ تھا کہ آپ نے اپنی شرح کے شروع میں ہی امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مختصر مگر جامع سوانح حیات لکھی۔ اور اہل علم کے نزدیک موطا کے مقام و مرتبہ، اور اہمیت و افادیت پر بھرپور روشنی ڈالی۔ نیز قدیم طرز کے بجائے جدید طرز پر بڑے اہتمام کے ساتھ غریب الفاظ کی تفسیر و توضیح کر کے معتمد و مستند، لغت و معاجم سے کتاب کے تمام الفاظ کی شرح کے ساتھ ہی اعراب کا بھی اہتمام کیا۔ شرح کی ترتیب میں متن کو ہی اصل بنایا اور اسی کے مطابق اس کی شرح کی، شرح میں مسائل فقہیہ کو بیان کرنے کے بعد علما کے اختلافات کو ان کی دلیلوں کے ساتھ واضح کیا، ساتھ ہی مذہب مالکیہ کی فوقیت و برتری اور ترجیح کو بڑے حسین انداز میں پیش کیا۔ مذہب مالکیہ پر ہونے والے تمام اعتراضات کا مکمل، مدلل اور مفصل جواب دیا۔ امام مالک کے مذہب کو جن لوگوں نے اختیار کیا، انکے ناموں کے ساتھ ان کا ذکر بھی کیا اور احادیث کی تخریج میں صحاح ستہ کا التزام کیا۔ خاص کر آپ نے ان احادیث کو جمع کرنے کی کوشش کی جن میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے۔

بظاہر متعارض حدیثوں کے درمیان علمائے سابقین کے اقوال و افعال سے تطبیق دی اور علمائے سابقین کے اقوال نہ مل سکے تو اپنے خداداد علمی اجتہاد و استنباط سے اس کا خوب صورت جواب دیا۔

ان تمام خصوصیات کی بنا پر یہ شرح ایسی نفع بخش اور علما کے نزدیک معتمد و مستند ثابت ہوئی کہ دیگر تمام شرحوں سے بے نیاز کر دیا۔

(۲) شرح مواھب اللدنیہ:

اس کو کحالہ نے ''اشراق مصابیح السیر المحمدیۃ بمزج اسرار المواھب اللدنیۃ'' سے موسوم کیا ہے۔ (معجم المؤلفین، عمر رضا کحالہ، ج:۱۰، ص: ۱۲۴، ناشر: دار احیاء التراث، بیروت)

مواہب اللدنیہ امام احمد بن محمد قسطلانی (۹۲۳ھ) کی شہرۂ آفاق تصنیف ہے۔ اس میں آپ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص ومحامد پر مشتمل احادیث کو مرتب کیا ہے۔ اسی کی شرح امام زرقانی نے ۱۲، ضخیم جلدوں میں کی ہے آپ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ کے خصائص اور اوصاف وکمالات کے سلسلہ میں مروی اکثر احادیث کو نقل کردیا۔ ادب بارگاہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس پر پُرزور تبصرہ بھی کیا، یہی وجہ ہے کہ سیرت کے باب میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ امام زرقانی خود اس کے مقدمہ میں فرماتے ہیں: اس کتاب میں جو بھی ہے وہ اللہ رب العزت کی جانب سے عطا کردہ ہے۔ اللہ کی عطا سے جو بھی ہمارے دل میں حضور کے خصائص وکمالات کا خیال گزرا، ان میں سے ہم نے نفیس، عمدہ اور سب سے بہتر جواہر پاروں کو اس میں رکھ دیا، جب قاری اسے پڑھے گا تو اس کی ترتیب اور انداز پیش کش سے اس کی آنکھیں خیرہ ہوجائیں گی اور پکار اٹھے گا کہ اس طرح کے الہامات اس بندۂ پُرتقصیر کو کہاں سے حاصل ہوئے؟ تو زبان حال کہے گی وہاّب، طاقتور، اور قادر وقیوم کی جانب سے۔ (مختصر المقاصد الحسنہ، امام زرقانی، ص: ۲۸، ۲۹، المکتب الاسلامی)

آپ بارہویں جلد کے آخر میں فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے حقیر، عاجز اور کمزور بندے کو طویل مدت کے بعد ظہر وعصر کے درمیان اتوار کے دن ۱۳، جمادی الآخرہ ۱۱۱۷ھ کو اس شرح کی تکمیل کی توفیق بخشی۔ (مرجع سابق)

الہامی ہیرے موتی اور منفرد الشال خصائص کی بنیاد پر یہ کتاب آپ کی زندگی میں ہی کئی بار شائع ہوکر داد وتحسین حاصل کرچکی تھی۔ چنانچہ آپ خود کتاب کے خاتمہ میں فرماتے ہیں: اللہ کے فضل واحسان سے ابھی نصف کتاب بھی نہیں لکھی گئی تھی کہ اس کی شہرت مشرق و مغرب میں ہوگئی اور اس کے بے شمار نسخے شائع ہوئے۔ (مرجع سابق)

گیارہویں صدی کے مجدد

حضرت قاضی محب اللہ بہاری علیہ الرحمہ

ولادت: ۱۰۵۶ھ۔ وصال: ۱۱۱۹ھ

تجدیدی و علمی کارنامے

علامہ قاضی نے عہدۂ قضا کی اہم ذمہ داریوں کے باوجود میدان تصنیف وتالیف میں بھی قدم رکھا اور ایسی معرکۃ الآرا تحریریں سپرد قرطاس کیں جو آج تک اپنے موضوع پر اپنی مثال آپ ہیں اور درحقیقت آپ کی زندگی کا وہ گرانمایہ سرمایہ ہے جس کی وجہ سے آج تک ہندو بیرون ہند کے علمی آماجگاہوں میں آپ کی جلالت علمی کا طوطی بولتا ہے، بلاشبہہ وہ آپ کی معرکۃ الآراء تصانیف ہیں۔ کثیر تلاش وجستجو کے بعد جن کتابوں کی فہرست سامنے آئی ہے وہ درج ذیل ہیں:

(۱) سلم العلوم:

یہ کتاب فن منطق میں ہے، درس نظامی میں داخل نصاب اس کتاب کی اہمیت وافادیت کا منطقی دنیا میں اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ چودہ سے زائد اس کے حواشی وشروحات لکھی جا چکی ہیں اور بعض شرحیں خود محتاج شرح ہونے کی وجہ سے داخل نصاب بھی ہیں، چند کے اسماء درج ذیل ہیں:

(۱) شرح سلم معروف بہ قاضی مبارک، از: قاضی مبارک بن محمد دائم گوپاموی (م: ۱۱۶۴ھ)

(۲) شرح سلم معروف بہ حمد اللہ، از: حمد اللہ بن حکیم شکر اللہ سندیلوی (م: ۱۱۶۰ھ)

(۳) ملاحسن، از: ملاحسن قاضی غلام مصطفیٰ فرنگی محلی (م: ۱۱۹۹ھ)

(۴) شرح سلم: از: محمد مبین بن ملا محب اللہ بن احمد عبد الحق۔

(۵) بحر العلوم: از: مولانا عبد العلی بن نظام الدین قطب الشہید۔

(۶) اصعاد المفہوم: از: مولانا برکت اللہ بن محمد احمد اللہ لکھنوی۔

(۷) ضیاء النجوم: از: علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی۔

(۸) کشف الاسرار: از: ملا کندیا مرحوم۔

(۹) شرح سلم: از: ملا احمد عبد الحق بن قطب الدین فرنگی محلی۔

(۱۰) شرح سلم: از: قاضی احمد علی بن سید فتح محمد سندیلوی۔

(۱۱) شرح سلم: (ابتدا تا لایحد ولا یتصور) از: مفتی شریف الدین رامپوری۔

(۱۲) شرح سلم: از: علامہ محمد بن علی الصبان (م: ۱۲۰۶ھ)

(۱۳) شرح سلم: از: محمد وارث رسول بنارسی۔

(۱۴) انوار العلوم (اردو) از: انوار الحق کاکا خیلی پشاوری۔

(۲) مسلم الثبوت:

یہ کتاب فن اصول فقہ میں ہے اور یہ اس کا تاریخی نام ہے جو ''مسلم الثبوت'' کے عدد سے ۱۱۰۹ھ برآمد ہوتا ہے۔ اس کتاب کی جامعیت و معنویت کا صحیح اندازہ مصنف کی خود نوشت عبارت سے لگایا جا سکتا ہے تحریر فرماتے ہیں:

''ثم لامر ما اردت ان احرر فیه سفرا وافیا و کتابا کافیا یجمع الی الفرع و اصولا والی المشروع معقولا ویحتوی علی طریقی الحنفیه والشافعیه ولا یمیل میلا ما عن الواقعیه فجاء بفضل اللہ تعالیٰ وتوفیقه کما تری معدن ام بحر بل سحر لا یدری''۔

یعنی ایک وجہ وجیہ کے سبب میں نے ارادہ کیا کہ اس علم اصول فقہ میں ایک کامل دفتر اور ایک ایسی کافی کتاب لکھوں جو فروع کی اصول کے اعتبار سے اور مشروع کی معقول کے اعتبار سے جامع ہو (یعنی اصول عقلیہ ونقلیہ کی جامع اور فروع فقہیہ پر مشتمل ہو) اور وہ کتاب طریقہ حنفیہ وشافعیہ دونوں پر مشتمل اور نفس الامر و واقعیت سے کچھ بھی ہٹی نہ ہو

(منحرف نہ ہو) تو وہ کتاب اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی توفیق سے آگئی جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ وہ معدن ہے بلکہ وہ علم کا سمندر ہے، نہیں بلکہ وہ جادو ہے جس کی تہہ تک نہیں پہنچا جا سکتا۔
(مسلم الثبوت، ص:۵)

یقیناً علامہ موصوف نے اس کتاب میں بساطت فکر ونظر، علمی گہرائی اور باریک نکتوں کے ایسے انمول موتی بکھیرے ہیں کہ وقت کے علامہ کو بھی اس کے حل میں بڑی صعوبتوں اور مشقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یوں تو یہ کتاب فن اصول فقہ میں ہے لیکن اگر وقت نظر اور باریک بینی سے دیکھا جائے تو ابتدا تا انتہا منطق وفلسفہ، عقائد وکلام، ردومناظرہ، لغات وخلافیات اور فقہ اور اصول فقہ بلکہ حساب وریاضی وغیرہ علوم وفنون کی جلوہ سامانیاں دکھائی دیتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس کتاب نے اسلامی دنیا میں بڑی شہرت ومقبولیت کا شرف حاصل کیا ہے۔

ڈاکٹر شبیر احمد رقم طراز ہیں:

''یقیناً اگر یہ کتاب ابن خلدون تک پہنچتی تو عبارت کی دلکشی اور سلاست، مسائل کی لطافت اور وضاحت میں جس طرح اس نے نصیر الدین طوسی، امام رازی اور بعد میں سعد الدین تفتازانی کی تعریف کی ہے، محب اللہ بہاری کو بھی داد وتحسین دیے بغیر نہیں رہ سکتا تھا''۔ (عربی زبان وادب عہد مغلیہ، اول، ص:۲۶۶،۲۶۵)

سلم کی طرح مسلم کی بھی متعدد تعلیقات، حواشی اور شروحات لکھی گئی ہیں، ان میں سے چند کے اسما ذیل میں بیان کیا جاتا ہے:

(۱) التعلیق المنعوت علی مسلم الثبوت: از مولانا برکت اللہ محمد بن احمد اللہ بن محمد نعمت اللہ لکھنوی (۲) فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت: از بحر العلوم علامہ عبد العلی محمد بن نظام الدین (م: ۱۲۲۵ھ) (۳) کشف المبہم مما فی المسلم: از مولانا محمد بشیر الدین بن محمد کریم الدین عثمانی قنوجی (۴) مفاتح البیوت فی مسلم الثبوت: از مولانا فیض الحسن بن مولانا فخر الحسن سہارنپوری (۵) شرح مسلم الثبوت: از ملا محمد مبین بن ملا محب اللہ لکھنوی (۶) شرح

مسلم الثبوت: از مولانا عبدالحق بن فضل حق خیر آبادی (۷) شرح مسلم الثبوت (الی مبادی الاحکام) از مولانا سید محمد حسن بن قاضی غلام مصطفیٰ (۸) نفائس الملکوت شرح مسلم الثبوت: از مولوی ولی اللہ بن حبیب اللہ بن ملا محب اللہ فرنگی محلی (۹) شرح مسلم الثبوت: از سید نظام الدین بن قطب الدین سہالوی (۱۰) حاشیہ منہیہ: یہ مصنف کا خود نوشت حاشیہ ہے (۱۱) اشرف النعوت (اردو) از مفتی معین الدین اشرفی مصباحی بھاگلپوری (۱۲) الجوہر المنظم (اردو) از مفتی شبیر حسن رضوی بستوی۔

(۳) الجواهر الفرد:

یہ رسالہ فن فلسہ میں ہے، اس میں مصنف علام نے "جزء الذی لا یتجزی" کی نہایت تنقیحی وتوضیحی بحث فرمائی ہے۔

(۴) رسالة فی ان مذهب الحنفیة ابعد من الرای من مذهب الشافعیة:

یہ بھی ایک رسالہ ہے جس میں علامہ موصوف نے یہ ثابت کیا ہے کہ مذہب حنفیہ بنسبت شافعیہ کے بنسبت قیاس ورای سے بہت دور ہے۔

(۵) عامة الورود:

یہ رسالہ مغالطات کے بیان میں ہے۔

(۶) حاشیہ منهیه:

یہ مصنف کا خود نوشت حاشیہ ہے۔

(۷) الافادات:

اس کتاب کا تذکرہ مصنف نے مسلم الثبوت میں کیا ہے، چنانچہ ایک جگہ رقم طراز ہیں: "قد فرغنا عنها فی المسلم والافادات"۔ (مسلم، ص: ۱۰)

(۸) الفطرۃ الالٰھیہ:

اس رسالہ میں اصول غامضہ کا بیان ہے، ان ہی مسائل میں سے ایک مسئلہ اختیار کا بھی ہے، اس کا تذکرہ بھی مسلم میں موجود ہے، اس کے متعلق علامہ موصوف فرماتے ہیں:

"وشرح ذالك فی الفطرۃ الالھیہ وانھا لاجدی من تفاریق العصا"۔

(مسلم، ص:۱۹)

مجددیت اوران کے تجدیدی کارنامے:

علامہ قاضی نے اپنی پوری زندگی تعلیم وتدریس، پند ونصائح اور تقریر وتحریر کے ذریعہ احقاق حق وابطال باطل میں گزاری، خواہ وہ عہدۂ قضا جیسا عظیم منصب ہو یا میدان تصنیف و تالیف ہر جگہ آپ عدل وانصاف اور صدق وفا کے پیکر بنے رہے، منکرات سے لوگوں کو روکا، اچھائیوں کی طرف رہنمائی کی، بدعات وخرافات کا دفع کیا اور تاحیات اعلائے کلمۃ اللہ کے خواہاں رہے اور اس راہ میں نہ کبھی لومۃ لائم کی پروا کی اور نہ کبھی شہرت ومدح کی طرف رغبت کی اور نہ ہی کسی کے طعن وقدح کے خیال سے حق کہنے میں کوتاہی فرمائی۔ علما نے جب آپ کی ان صفات کو دیکھا تو متفقہ طور پر آپ کو گیارہویں صدی کا مجدد تسلیم کیا۔ جیسا کہ اس کا تذکرہ ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری نے "تیرہویں صدی کے مجدد اعظم" میں اور علامہ یٰسین اختر مصباحی نے "امام احمد رضا اور افکار ونظریات" میں کیا ہے۔

گیارھویں صدی کے مجدد

حضرت شیخ کلیم اللہ چشتی جہاں آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت: ۱۰۶۰ھ۔ وصال: ۱۱۴۲ھ

تجدیدی کارنامے

حضرت شاہ کلیم اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا کارنامہ یہ تھا کہ آپ نے چشتیہ سلسلہ کے بے ترتیب نظام میں پھر سے باقاعدگی پیدا فرمائی جس کا مرکزی نظام تقریباً دو سو سالوں سے سرد پڑا ہوا تھا اور مشائخ متقدمین کی روایات بالکل بھلا دی جا چکی تھیں۔ آپ نے اپنی پر خلوص جدوجہد سے متقدمین صوفیہ کی نہج پر اصلاح و تربیت کا ایسا نظام قائم کیا کہ دور اول کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آگیا۔ آپ نے تنزل و انحطاط کے اس دور میں احیائے ملت اور علائے کلمۂ حق کے لیے جو کاوشیں کیں ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔

سلطنت مغلیہ کے ایک انصاف پرور بادشاہ اورنگ زیب کی بادشاہت اختتام کے قریب تھی۔ ہندوستان کا نظام سیاست مکمل طور پر جنوب کی گرفت میں آچکا تھا۔ خود بادشاہ اور فوج کا بیشتر حصہ دکن میں مقیم تھا۔ دہلی، آگرہ اور لاہور سب اپنی عظمت رفتہ کو کھو چکے تھے۔ ایسے وقت میں شاہ صاحب نے وقت کے تقاضے کو پہچان کر اپنے عزیز ترین مرید شاہ نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو تبلیغ و اصلاح کے کام کے لیے دکن روانہ فرمایا۔ انہوں نے دکن میں سلسلہ کی نشر و اشاعت کے لیے بے پناہ جدوجہد کی اور ان کی خانقاہ سے ہزاروں گم گشتگان راہ اپنی روحانی پیاس بجھانے لگے۔ شاہ صاحب نے دہلی میں قیام فرما کر بھی اپنے باکمال مریدوں کے سبب دکن کے حالات ناسازگار پر قابو پالیا۔ آپ کے مکتوبات سے آپ کی تبلیغی سرگرمیوں کا پورا نقشہ ہماری نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے۔ بطور مثال چند باتیں یہ

ہیں جن پر وہ ہمیشہ زور دیا کرتے تھے:

''جان و مال خود صرف ایں کار کنید'' اپنی جان و مال کسی کام میں صرف کر دو۔

''در آں کوشید کہ صورت اسلام وسیع گردد ذاکرین کثیر'' کوشش یہ کرو کہ اسلام ترقی کرے اور ذکر کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو۔

''متوجہ بہ اعلائے کلمۃ الحق باشد وَاللہ متم نورہ وَلَو کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ'' کلمۂ حق کو بلند کرنے کی طرف توجہ کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ہدایت کی روشنی کو کمال تک پہنچائے خواہ کفار اس کو پسند نہ کریں۔

''بر دل بندگان خدا محبت دنیا سرد گردانند'' بندگان خدا کے دل سے دنیا کی محبت ختم کر دینا چاہئے۔

''اے دوست! دنیا جائے نفس پروری و تن آسانی نیست'' اے دوست! دنیا نفس پروری اور تن آسانی کی جگہ نہیں۔

اعلائے کلمۂ حق کے لیے آپ کی پر خلوص جدوجہد، چشتیہ سلسلہ کی ترقی کے لیے پیہم کاوش اور ملت اسلامیہ میں روحانی تعلیم و تربیت کے لیے سعی بلیغ کا علم انہیں مکتوبات سے ہوتا ہے۔ (مکتوبات کلیمی، م: ۲۱،۶، ۷۶، ۸۰، ۱۳، ۷۴)

بیعت و خلافت میں فکر کلیمی کا معیار:

آپ ہر کس نا کس کو بیعت و خلافت سے سرفراز نہیں فرماتے تھے بلکہ جو لوگ اشاعت اسلام اور اعلائے کلمۂ حق کے لیے کمر بستہ ہوں محض وہی آپ کی خلافت کے مستحق قرار پاتے حتی کہ ایک دفعہ آپ کے مرید خاص شاہ نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک شخص کے لیے خلافت کی سفارش کی تو جواب دیا کہ جب تک اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کمر ہمت نہ باندھی جائے خلافت سے کیا فائدہ۔ خلافت سے متعلق آپ کے اصول یہ ہیں۔

(۱) خلافت دینے کا مقصد اشاعت اسلام کے لیے جدوجہد شرط اول ہے۔

(۲) خلافت جس کو دی جائے اس کے تفصیلی حالات مرکز کو لکھے جائیں تا کہ اس کی

صلاحیت اور اہلیت کا اندازہ ہو سکے۔

(۳) صرف اہل علم کو خلافت دی جائے۔ اس لیے کہ ان کی صحبت میں گمراہیت پھیلنے کا اندیشہ نہیں۔

(۴) خلافت کی دو قسمیں کیں: ایک خلافت ربانی اور دوسری خلافت سلوک۔ اول میں ہر اس شخص کو داخل فرما لیتے جو فقیری اختیار کرنا چاہے خواہ وہ عالم ہو یا غیر عالم اور دوم میں یہ تاکید تھی کہ جو نمونۂ عمل بن کر عوام میں دینی تحریک انجام دینا چاہتے ہوں، محض انہیں اس شرط کے ساتھ خلافت دی جائے کہ وہ اہل علم ہوں۔

(۵) بیعت کرنے کے بعد فوراً اجازت بیعت نہ دی جائے۔

چنانچہ آپ کے مریدین کا حال یہ تھا کہ بغیر آپ کی اجازت کے کوئی قدم نہیں اٹھاتے تھے اور آپ بھی باوجود دہلی میں رہنے کے دکن کے تمام تر حالات سے بخوبی واقفیت رکھتے تھے حتی کہ معمولی سی بات پر بھی مرکز سے ہدایات روانہ فرماتے تھے۔ بعض اوقات مریدین کے لیے نظام اوقات خود متعین فرماتے اور انفرادی و اجتماعی دونوں حیثیتوں سے کام تقسیم فرما دیتے۔ خلاصہ یہ کہ شاہ نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ و دیگر مریدین کی تبلیغی کاوشوں کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں کے اندر اصلاحی بیداری پیدا ہوگئی ساتھ ہی ساتھ بہت سے ہندو بھی کلمۂ طیب پڑھ کر دامن اسلام سے وابستہ ہو گئے۔ (مکتوبات کلیمی، ص: ۳۰)

گیارہویں صدی کے مجدد

شاہ ہند حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت: ۱۰۲۷ھ۔ وصال: ۱۱۱۸ھ

تجدیدی کارنامے

حضرت اورنگ زیب عالم گیر کا عہد حکومت:

حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عہد حکومت میں تعلیمی و علمی ترقیاں برصغیر ہندو پاک میں شاہان سلف سے بڑھ کر تھیں، مرکزی شہروں کے علاوہ چھوٹے چھوٹے شہروں، قصبات اور شرفا کی بستیوں میں تعلیم پھیلانے کے لیے حکومت کی جانب سے مدارس قائم کیے گئے، یہ مدارس علما کے مدرسوں کے علاوہ تھے، طالب علموں کے لیے وظیفے جاری کیے گئے اور ذاتی مدرسے جن علما کے تھے ان کو اور سرکاری مدارس کے مدرسین کو معیشت کی طرف بہال کیا گیا اور جاگیریں عطا کی گئیں۔ غرض یہ کہ ہر صوبہ ہر شہر اور ہر قصبہ میں تعلیم و تعلم کی اشاعت عام ہوگئی۔

علمی کارنامہ:

علاوہ ازیں ''فتاویٰ عالم گیری'' کی تدوین حضرت اورنگ زیب عالمگیر کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ یوں تو عہد عالمگیری میں کئی اہم تصانیف منظر عام پر آئیں لیکن ان میں سب سے اہم ''فتاویٰ عالمگیری'' ہے۔ بلاشبہ ہندوستان کے حنفی علما ہدایہ کے بعد سب سے بہترین فقہی ماخذ عربی زبان میں اسی فتاویٰ کو تسلیم کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب نے علما اور طلبہ کو فقہ کی دوسری کتابوں سے بہت حد تک بے نیاز کر دیا ہے۔

اس کتاب مستطاب کی تالیف کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے ارادہ فرمایا کہ سارے عالم

میں امور دین اور احکام اسلامیہ کی نشر و اشاعت ہو اور قضایا و معاملات کے فیصلے فقہ حنفی کے مفتیٰ بہ اقوال کے مطابق ہوں، لیکن چوں کہ اس وقت فقہ حنفی کی کوئی مبسوط اور جامع کتاب نہ تھی اس لیے فیصلہ صادر کرنے میں دشواری پیش آتی تھی۔ لہٰذا آپ نے ہندوستان کے مشہور و معروف علما و فقہا سے گذارش کی کہ فقہ کی تمام کتب سے ''مفتیٰ بہ مسائل'' منتخب کر کے ایک ایسی کتاب تیار کریں جو فقہ کے تمام پہلو پر حاوی ہو۔ اس جماعت کے صدر حضرت شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو منتخب کیا گیا، علمائے کرام کے لیے وظائف مقرر کیے گئے۔ ان علما نے نہایت خلوص و للّٰہیت اور محنت و جاں فشانی کے ساتھ آٹھ سال کی مدت میں ''فتاویٰ عالمگیری'' کو مدون فرمایا۔ (تاریخ ہندوستانی، رود کوثر، ص: ۴۷۷، مکتبہ: ادبی دنیا ۵۱۰، مٹیا محل ۱۱۰۰۰۶)

اس کی تیاری میں حضرت اورنگ زیب عالمگیر نے دو لاکھ روپئے خرچ کیے اور خود بھی اس کی تدوین میں شامل رہے۔ آپ روزانہ شیخ نظام الدین سے ایک صفحہ پڑھوا کر سنتے اور اس پر جرح و قدح بھی فرماتے، اس طرح پوری تحقیق و تدقیق کے بعد اسے ''فتاویٰ عالمگیری'' میں شامل کیا گیا۔

یقیناً ''فتاویٰ عالمگیری'' حضرت اورنگ زیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایسا عظیم کارنامہ ہے کہ تاریخ آپ کے اس کارنامے کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی اور امت مسلمہ آپ کے بار احسان تلے دبی رہے گی۔ آپ کے اسی احیائے ملت اور تجدید دین کی بنیاد پر علمائے زمانہ نے مجدد وقت کے لقب سے نوازا، جس کی تصریحات کتابوں میں موجود ہے۔

چنانچہ حضور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محقق بریلوی علیہ الرحمہ کے شاگرد و خلیفہ حضور ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ''چودہویں صدی کے مجدد اعظم'' میں، حضرت مولانا غلام مصطفیٰ مجددی پاکستان نے ''تذکرۂ مجددین اسلام'' میں اور حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی نے اپنی کتاب ''امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات'' میں انہیں مجدد لکھا ہے۔

المختصر حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہمہ پہلو شخصیت کے مالک تھے او رنہایت ہی سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ انہوں نے اسلام کو زندہ کیا اس لیے غیر مسلم مورخین انہیں پسند نہیں کرتے اور ان پر لعن طعن کرتے ہیں۔ مسلم مورخین نے ان کے کردار کی عظمت کو سلام کیا ہے اور ان کے جملہ کارناموں میں تجددی تحریک کو روح رواں قرار دیا ہے۔ علامہ اقبال نے بھی انہیں برصغیر کا عظیم ترین حکمراں کہا ہے۔ ان کے دور میں ایک بار پھر اسلام کی بہاریں دیکھنا نصیب ہوئیں۔

بارھویں صدی کے مجدد

امام ہند حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت: ۱۱۵۹ھ۔ وصال: ۱۲۳۹ھ

تجدیدی کارنامے

بارھویں صدی ہجری کے پرفتن دور میں دین وسنیت کی دیواریں خستہ حالی کا شکار ہورہی تھیں، طرح طرح کے اعتقادی اور عملی فتنے پیدا ہورہے تھے۔ ایسے نازک دور میں حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے درس وتدریس، مواعظ اور فتاویٰ کے ذریعے دین حق کی جو نصرت فرمائی، بڑھتے ہوئے فتنوں کا قلع قمع کیا اور لوگوں کے ایمان واصلاح اعمال میں جو کامیابیاں حاصل کیں یقیناً وہ آپ کے تجدیدی کارنامے ہیں۔ جو شخص محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی سوانح عمری کا مطالعہ کرے گا وہ اس بات سے آشنا ہوگا کہ یقیناً آپ نے بارھویں صدی کے بہت سے فتنوں کا خاتمہ کیا اور بارھویں صدی ہجری کے مجدد قرار پائے۔

نرت مولانا ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقم طراز ہیں: حضرت شاہ عبد العزیز صاحب ۱۱۵۹ھ/۱۲۳۹ھ میں اس لیے مجدد کی صفات پائی جاتی ہیں کیوں کہ بارھویں صدی کے اخیر میں آپ صاحب علم وفضل، زہد وتقویٰ اور مشہور دیار واطراف تھے اور تیرھویں صدی کے آغاز میں ان کا ڈنکا ہندوستان میں بولتا تھا اور ساری عمر دینی خدمات، درس وتدریس، افتا، تصنیف، پند ونصیحت، حمایت دین اور رد مفسدین میں اوقات صرف فرماتے رہے۔ (مجدد اعظم، ص: ۴۲، ناشر: طلبۂ جماعت رابعہ، جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، سن طباعت: ۱۹۸۰ء)

"تحفۂ اثنا عشریہ" کے اثرات:

ہندوستان میں رافضیت کے بڑھتے سیلاب کو روکنے کے لیے آپ نے ایک معرکۃ

الآرا کتاب بنام ''تحفۂ اثناعشریہ'' تصنیف فرمائی۔ آپ کے زمانے میں شیعہ سنی اختلاف زوروں پر تھا۔ دونوں ہی ایک دوسرے کی تردید بڑی ہی شدومد کے ساتھ کرتے تھے۔ چنانچہ آپ نے حالات کے تناظر میں ایک نہایت فیصلہ کن کتاب تحریر فرما کر شیعیت کا خد وخال واضح کیا اور تذبذب کے شکار لوگوں کے لیے راہ راست کی پہچان آسان کر دی اور مد مقابل پر یہ روشن کر دیا کہ صداقت اور حقانیت مذہب اہل سنت کے ساتھ ہی خاص ہے اور اس میں دوسرا کوئی اس کا شریک وسہیم نہیں۔ اس کتاب میں اہل سنت کی حقانیت ثابت کی گئی ہے اور روافض کے باطل عقائدہ کی تردید کی گئی ہے۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ مضامین کے انتخاب میں اصول حق کی بھرپور رعایت کی گئی ہے۔ اہل تشیع کے عقائد و خیالات بیان کرتے وقت خود انہی کی کتابوں سے شہادتیں پیش کی گئی ہیں۔ آپ کی یہ کتاب اپنے موضوع پر لاجواب اور دلائل سے بھرپور ہے۔ جب یہ کتاب منظر عام پر آئی تو اس نے ایک ایسا اثر قائم کیا کہ انصاف پسند اور حق شناس حضرات رافضیت سے تائب ہو کر سنیت کے دامن میں آ گئے۔ یہ حال دیکھ کر شیعہ علما کے اندر کھلبلی مچ گئی اور ان کی جانب سے اس کتاب کا جواب دینے میں بڑی جوش وخروش کا مظاہرہ کیا گیا۔ چنانچہ اس کتاب کے رد میں ۱۲۰۶ھ/ ۱۷۹۲ء میں حکیم مرزا محمد دہلوی (م: ۱۲۳۵ھ/ ۱۸۳۰ء) نے ''نزہۃ اثناعشریہ'' لکھی، جس کا جواب حضرت محدث دہلوی نے ''عزۃ الراشدین'' کے نام سے لکھا پھر عزۃ الراشدین کے جواب میں حکیم باقر علی خان اور دوسرے شیعہ علما نے کئی کتابیں تصنیف کیں۔ جیسے: سید دلدار علی (م: ۱۲۳۵ھ/ ۱۸۲۰ء) نے چھ کتابیں: "صوم الالھیات" "حسام الاسلام" "احیاء السنہ" "رسالہ ذوالفقار" "کتاب الصوارم" اور "رسالۂ عینیت" تصنیف کیں اور ان کے شاگرد سید محمد قلی خان (م: ۱۲۶۰ھ/ ۱۸۴۵ء) نے ''تحفہ'' کے باب اول کے رد میں ''سیف ناصری'' باب دوم کے رد میں ''تقلیب المکائد'' باب ہفتم کے رد میں ''تشید المطاعن وکشف الغنائن'' اور باب یازدہم کے رد میں ''مصارع الافہام'' تحریر کی۔ (شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کی علمی خدمات، ص:

۲۷۳، ۲۷۴، از: ڈاکٹر ثریا ڈار)

تحفۂ اثنا عشریہ کے جواب میں اتنی ساری کتابوں کا وجود میں آنا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ اس کتاب نے اہل سنت اور اہل تشیع کا منصفانہ تاریخی جائزہ پیش کر کے اہل سنت کی حقانیت کو ثابت کیا اور شیعیت کے فروغ پر لگام لگا دی۔ دین متین کے احیا و تجدید میں آپ کی اسی سعی و کوشش کا نتیجہ ہے کہ بے شمار گمراہ لوگوں نے شیعیت سے تائب ہو کر مذہب اہل سنت کا دامن مضبوطی سے تھام لیا اور صراط مستقیم پر قائم ہو گئے۔

وہابیت کا آغاز:

ادھر فتنۂ شیعیت ابھی ختم بھی نہ ہوا تھا کہ فتنۂ وہابیت نے جنم لیا اور آپ کے بھتیجے اسماعیل دہلوی نے ''تقویۃ الایمان'' نام کی ایک گمراہ کن کتاب لکھ کر ہندوستان کے مسلمانوں میں نفاق پیدا کرنے کی کوشش کی اور قرون ثلاثہ سے لے کر اب تک قائم اسلامی عقائد کے مقابلے میں ایک نئے دین کی بنیاد ڈالی۔ اس وقت حضرت شاہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی عمر کو پہنچ چکے تھے، اس لیے اپ نے بڑے افسوس کے ساتھ کہا: تو بالکل ضعیف ہو گیا ہوں، آنکھوں سے معذور ہو گیا ہوں، ورنہ اس کتاب اور اس کے فاسد عقائد کا رد بھی تحفۂ اثنا عشریہ کی طرح لکھتا تا کہ لوگ اس فتنے سے محفوظ رہتے''۔ (ماہنامہ اشرفیہ، مئی، ۲۰۱۲ء ص: ۳۳)

تصنیفات:

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ آپ کے اسلوب بیان اور طرز استدلال میں ایسی جاذبیت تھی جو قاری کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی تھی۔ آپ نے اپنی تصانیف کے ذریعے متعدد گمراہ کن فرقوں کا قلع قمع کیا اور انہیں جڑ سے اکھاڑنے کی بڑی ہی جد و جہد کی۔ کچھ تصنیفات درج ذیل ہیں:

(۱) تفسیر فتح العزیزی معروف تفسیر عزیزی (۲) تحفۂ اثنا

عشریہ (۳) سر الشہادتین (۴) سر الجلیل فی مسئلۃ التفضیل (۵) وسیلۃ النجاۃ (۶) عزیز الاقتباس فی فضائل اخیار الناس (۷) فیض عام (۸) اصول مذہب حنفی (۹) تحقیق الرؤیا (۱۰) میزان البلاغۃ (۱۱) الاحادیث الموضوعۃ (۱۲) قران السعیدین (۱۳) فتاویٰ عزیزی (۱۴) بستان المحدثین (۱۵) عجالۂ نافعہ (۱۶) ملفوظات عزیزی وغیرہ۔

آپ کی تصنیفات میں تحفۂ اثنا عشریہ بڑی شہرت یافتہ کتاب ہے۔ اس کتاب کو آپ نے ۱۲۰۴ھ میں مکمل کیا جو رد روافض کے حوالے سے ایک بے نظیر کتاب ہے۔ مغلوں کے آخری عہد میں رافضیت پورے طور پر غالب آ چکی تھی اور اہل سنت کے لیے اپنے عقائد کا تحفظ ایک دشوار مسئلہ بن گیا تھا۔ ایسے نازک وقت میں شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عقائد اہل سنت کی بقا کے لیے اور عقائد باطلہ کی تردید میں یہ مدلل کتاب تصنیف فرمائی جس کا جواب آج تک روافض نہ لا سکے۔ فن حدیث میں "بستان المحدثین" اور "عجالۂ نافعہ" جیسی کتاب تصنیف فرمائی جب کہ فن تفسیر میں "تفسیر فتح العزیز" جیسی شاہ کار کتاب تحریر کی۔ تفسیر کی اس کتاب میں آپ نے بہت ہی عمدہ اور نکتہ رس باتیں بیان کیں اور کچھ ایسے نکات بھی بیان فرمائے جن سے تفاسیر کی دوسری کتابیں بالکل ہی خالی ہیں، مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ اس تفسیر کے اکثر حصے معدوم ہو گئے ہیں۔ (ایضاً، ص: ۶۵۷)

بارھویں صدی کے مجدد

حضرت بحر العلوم علامہ عبد العلی فرنگی محلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت: ۱۱۴۴ھ۔ وصال: ۱۲۲۵ھ

تجدیدی کارنامے

یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ بحر العلوم کی علمی، دینی، ثقافتی اور اخلاقی برتری اپنے نقطۂ عروج پر تھی، آپ کا دل حرص وطمع کی کدورت سے پاک اور لوگوں کو جاہلانہ رسم ورواج سے بچانا آپ کی زندگی کا مقصد تھا۔

حضرت بحر العلوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ علم کے بحر ذخار تھے، آپ ہر فن میں نمایاں مقام رکھتے تھے، چاہے وہ فقہ، اصول فقہ، حدیث، فلسفہ، حکمت وکلام ہو یا تصوف اس کا اندازہ آپ کی تصنیفات سے بہ خوبی لگایا جاسکتا ہے۔ آپ صاحب زہد وورع بھی تھے۔ آپ اہل علم اور طلبہ پر بڑی فیاضی کیا کرتے تھے۔ بسا اوقات اہل وعیال کے لیے تھوڑا نفقہ باقی بچتا، یہی وجہ ہے کہ آپ کے فرزند آپ سے ناراض رہتے، بحر العلوم اپنے دور کے ایک زبردست عالم ہونے کے ساتھ ساتھ مجدد بھی تھے آپ ہمیشہ باطل فرقوں کے غلط افکار ونظریات کی تردید میں سرگرم رہے، یہی وجہ ہے کہ آپ کو لکھنؤ سے رافضیوں نے نکال دیا تھا۔ محمود احمد قادری رقم طراز ہیں:

بحر العلوم والد بزرگوار سے علوم متعارفہ کی تحصیل کر کے فارغ ہوئے، آپ کی علمی زندگی کا آغاز تھا کہ ''تعزیہ کے جلوس'' کے سلسلے میں اودھ کی رافضی حکومت نے آپ کو شہر بدر کر دیا، بحر العلوم شاہ جہاں پور گئے، وہاں حافظ الملک کی شہادت کے بعد نواب فیض اللہ والی رام پور کی طلبی پر رام پور گئے، یہاں بھی درس وتدریس کا مشغلہ تھا وہاں سے والی کرناٹک کے بلانے پر مدراس پہنچے، نواب صاحب نے آپ کا شاندار استقبال کیا، آپ کو اپنے محل لے

گئے اور ایک مدرسہ اہل سنت کی بنیاد رکھی جس میں بحر العلوم کا دریائے علم جاری ہوا۔ (تذکرۂ علمائے اہلسنت، ص: ۱۴۳، از: محمود احمد قادری، مطبع: علمیہ پریس، طباعت: باردوم، ۱۹۹۲ء سنی دارالاشاعت، فیصل آباد)

رافضیوں کا ردبلیغ:

علامہ عبدالعلی فرنگی محلی نے اپنی کتاب نایاب "فواتح الرحموت" میں روافض کے باطل افکارو نظریات کی اکثر جگہوں پر تردید فرمائی ہے۔ آپ کی یہ کتاب گویا آپ کے تجدیدی کارناموں میں سے ایک ہے، ان میں سے ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

رافضیوں نے آیت کریمہ "اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰهُ لِیُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَيۡتِ وَیُطَهِّرَكُمۡ تَطۡهِيۡرًا" کے تعلق سے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے وہ واقع ہوجاتی ہے لہٰذا اس آیت کریمہ کے پیش نظر ان کی تطہیر اور خطا سے عصمت واجب ہوگی۔ (روافض نے اس آیت میں ارادۂ تکوینی مان کر ایسا قول کیا)

حضرت بحر العلوم نے اس کا جواب کئی طریقوں سے دیا:

(۱) ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ آیت کریمہ کے مصداق مخصوص اہل بیت ہیں، بلکہ یہ آیت کریمہ ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی ہے اگرچہ یہ آیت ازواج کے توسط سے ان اہل بیت کو بھی شامل ہے۔ حضرت ابن عباس سے بروایت صحیح یہی مروی ہے اور یہی مذہب مختار ہے (۲) یا یہ کہ آیت کریمہ ان حضرات کے حق میں نازل ہوئی ہے جن پر صدقات حرام کیے گئے ہیں۔ زید بن ارقم کا یہی موقف ہے۔ لہٰذا آیت کریمہ اگر عصمت پر دلالت کرے تو ان حضرات کی بھی عصمت لازم ہوگی اور یہ بات ان کے مذہب کے خلاف ہے۔

اس تقریر پر روافض کا یہ اعتراض ہوا کہ آیت کریمہ میں اہل بیت سے مراد سیدہ فاطمہ زہرا، حضرت علی المرتضیٰ اور حضرات حسنین کریمین ہیں ان کے علاوہ کوئی نہیں۔ ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) امام ترمذی نے عمرو بن ابو سلمہ سے یہ روایت کی ہے کہ آیت حضرت ام سلمہ کے گھر نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان نفوس اربعہ کو بلا کر ان پر چادر نبوت ڈالی اور حضرت علی آپ کے پیچھے تھے، پھر آپ نے یہ دعا کی: اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں تو ان سے رجس دور کردے اور خوب خوب پاک فرمادے، حضرت ام سلمہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں بھی ان کے ساتھ ہوں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب دیا تم اپنی جگہ پر ہو اور تم بھلائی پر ہو۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے اور امام مسلم نے بھی اسی کے مثل روایت کی ہے۔

(۲) روافض نے اپنے موقف پر اس حدیث پاک سے بھی استدلال کیا ہے۔ طبرانی اور ابن جریر نے ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ آیت پانچ افراد کے حق میں نازل ہوئی ہے، میرے حق میں اور علی، فاطمہ، حسن اور حسین کے حق میں نازل ہوئی ہے پھر اس کے بعد اس آیت کا ذکر کیا۔

ان دونوں حدیثوں کا جواب دیتے ہوئے علامہ موصوف نے یہ ذکر کیا کہ ازواج مطہرات اگر مراد آیت سے خارج ہوں تو کلام ابلغ، کلام مفسول میں تبدیل ہو جائے گا حالانکہ سیاق کلام اس مراد کا انکار کرتا ہے بلکہ ازواج کو آیت کی مراد سے خارج ماننا مکابرہ بینہ ہے۔

پہلی حدیث یعنی امام ترمذی کی روایت کردہ حدیث میں ازواج سے مراد آیت میں عدم دخول پر کوئی دلیل نہیں بلکہ سرکار علیہ السلام کے قول کا معنی یہ ہے کہ اے ام سلمہ! تم اپنی جگہ کو لازم پکڑو کیوں کہ تم بھلائی پر ہو اور اہل بیت میں سے ہو، منطوق آیت میں داخل ہو کیوں کہ آیت کریمہ ازواج کے حق میں نازل ہوئی ہے البتہ میں ان کے لیے دعا کر رہا ہوں جن کے لیے منطوق آیت صراحتاً ثابت نہیں۔

دوسری حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آیت کریمہ میرے اور میرے ساتھ میری ازواج

اور ان چار افراد کے حق میں نازل ہوئی ہے جو گھر میں نہیں رہتے۔ اس توجیہ کی بنیاد پر مکابرہ لازم نہیں آئے گا اور نہ ہی یہ توجیہ حضرت عکرمہ کے اس قول کے معارض ہوگی آپ فرماتے ہیں کہ ”جو چاہے مجھ سے اس بات پر مباہلہ کر لے کہ یہ آیت ازواج کے حق میں نازل ہوئی ہے۔“

دوسرا جواب ان کے استدلال کا یہ ہے کہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ آیت مذکورہ مخصوص حضرات کے حق میں نازل ہوئی ہے، پھر بھی ”انما یرید اللہ“ الخ میں ارادہ سے ارادہ تشریعی مراد ہے اور ارادہ تشریعی میں مراد کا وقوع ضروری نہیں جیسا کہ سیاق کلام اس پر دلالت کر رہا ہے۔

تیسرا جواب ان کے استدلال کا یہ ہے کہ ”رجس“ ذنب یعنی گناہ کو کہتے ہیں، لہٰذا آپ کا معنی یہ ہوگا ”کہ اے اہل بیت! اللہ تمہارے گناہ مٹانا چاہتا ہے اور تمہیں گناہوں سے کامل طور پر پاک وصاف کرنا چاہتا ہے“ لہٰذا اس سے زیادہ سے زیادہ گناہوں سے عصمت لازم آئے گی اور یہ آیت خطائے اجتہادی سے عصمت پر دلالت نہیں کرے گی۔ خطائے اجتہادی سے عصمت کے عدم لزوم کی وجہ یہ ہے کہ مجتہد مخطی، عنداللہ ماجور ومثاب ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کی خطا کو ”رجس“ سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا، بلکہ حق یہ ہے کہ اس سے گناہوں سے بھی عصمت لازم نہی آتی، بلکہ قول باری سے اہل بیت کی مغفرت اور ان کے گناہوں کو مٹانا لازم آتا ہے کیوں کہ اذھاب شئی اولا اس کے وجود کا متقاضی ہے لہٰذا عصمت لازم نہ ہوگی۔

ان مذکورہ دلائل کی بنیاد پر اس آیت سے رافضیوں کا اہل بیت کی عصمت پر استدلال من کل الوجوہ باطل ہو گیا۔

جب رافضیوں کے لیے اس آیت سے اپنے موقف پر استدلال کی کوئی راہ نظر نہیں آتی تو انہوں نے گفتگو کا رخ بدلتے ہوئے یہ کہا کہ اگر مان لیا جائے کہ آیت کریمہ میں ارادہ تشریعی مراد ہے تو پھر ہم اپنے موقف پر حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ:

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے اذھاب رجس کی دعا کی اور یہ بات

مسلمات میں سے ہے کہ آپ کی دعا بارگاہ رب العزت میں قطعاً مستجاب و مقبول ہے لہٰذا ان کے حق میں عصمت قطعاً لازم ہوگی بر خلاف ازواج مطہرات کے کیوں کہ آپ نے ان کے حق میں اصلاً دعا نہیں کی۔

علامہ موصوف ان کا جواب یوں دیتے ہیں:

(۱) جس حدیث سے روافض نے استدلال کیا ہے وہ ظنی ہے اور ظن یقین کا کچھ بھی افادہ نہیں کرتا خاص کر اعتقادی مسائل میں جب کہ وہ اجماع قاطع کے معارض ہو۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث پاک سے زیادہ سے زیادہ اذھاب ذنوب اور مغفرت لازم آتی ہے اور یہ بات عصمت سے نہیں۔

اس کے بعد اس بحث کے اخیر میں یہ بیان کرتے ہیں کہ اگر عصمت اہلِ بیت بایں معنی ثابت ہو کہ ان کا قول قطعاً فرمان الٰہی ہو اور اس کی اتباع واجب اور مخالفت حرام ہو تو پھر ان اہلِ بیت اور انبیائے بنی اسرائیل میں کیا فرق رہ جائے گا؟ لہٰذا یہ بات قریب کفر ہے۔

اور شیعہ جو کہتے ہیں کہ اہل بیت نے بذات خود عصمت کا دعویٰ کیا ہے تو یہ اہل بیت پر خالص بہتان ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اہل بیت اس بہتان تراشی سے بری ہیں عن قریب وہ یہ جان لیں گے کہ وہ اہل بیت پر جھوٹ باندھنے والے ہیں اللہ ہمیں ان سے بچائے اور انہیں بروز قیامت رسوا کرے۔ (فواتح الرحموت، ج: ۲، ص: ۲۷۹، تا ۲۸۱، ناشر: دار الکتب العلمیہ، بیروت)

دیگر تصنیفات:

(۱) ہدایۃ الصرف (۲) شرح فقہ اکبر (۳) مسلم شریف کی شرح (۴) مسلم الثبوت کی شرح فواتح الرحموت (۵) زواہد ثلاثہ پر حاشیہ (۶) میر زاہد رسالہ کا حاشیہ (۷) تحریر الاصول (۸) شرح مسلم مع منہیات (۹) شرح مثنوی (۱۰) صدرا پر مکمل حاشیہ (۱۱) منار کی شرح (۱۲) احوالِ قیامت (۱۳) ارکان اربعہ (۱۴) رسائل الارکان'' اھ (تذکرۂ علمائے فرنگی محل)

بارھویں صدی کے مجدد

حضرت شیخ المشائخ شاہ غلام علی مجددی دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت: ۱۱۵۶ھ۔ وصال: ۱۲۴۰ھ

تجدیدی کارنامے

آپ کو اللہ عزوجل نے سیالِ قلم بھی عطا فرمایا تھا۔ اسی لیے آپ کے نوکِ قلم سے ایسے متعدد کتب ورسائل وجود میں آئے جو اپنی جگہ پر آفتاب وماہتاب سے کم نہیں ہیں۔ ان گراں قدر کتب ورسائل میں سے چند کے اسما مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) مقامات مظہری (۲) ایضاح الطریقہ (۳) احوال بزرگاں (۴) مقامات مجدد الف ثانی (۵) طریق بیعت واذکار (۶) طریقہ شریفہ شاہ نقش بند (۷) احوال شاہ نقشبند (۸) رسالہ اذکار (۹) رسالہ مراقبات (۱۰) رد اعتراضات شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۱) ردمخالفین حضرت مجدد الف ثانی (۱۲) رسالہ مشغولیہ (۱۳) کمالات مظہری (۱۴) سلوک راقیہ نقشبندیہ (۱۵) مکاتیب شریفہ وغیرہ آپ کے علم وعرفاں پر گواہ اور تبحر علمی کی بین دلیل ہیں۔ (تذکرہ مجددین اسلام، ص: ۲۷۴، پاکستان)

احیائے سنت:

آپ کے زمانے میں لوگ سنت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف بالکل راغب نہ ہوتے تھے۔ ان کے نہاں خانہ دل میں سنت نبوی کی روشنی میں زندگی گزارنے کا جذبہ ماند پڑ گیا تھا۔ ان کی ساری توجہات دنیاوی خواہشات اور اس کی رنگینیوں میں گم ہوکر رہ گئی تھیں۔ آپ کی نگاہوں سے جب یہ جاں گداز منظر گزرا تو آپ کو اتنا زیادہ قلق ہوا جیسے کسی کمان سے تیر نکل کر دل میں پیوست ہوگئی ہو اور اسے مکمل طور پر گھائل کر کے رکھ دیا ہو۔ اس لیے آپ نے احیائے سنت کا بیڑا اٹھایا اور لوگوں کو حد درجہ تک سنت نبوی کا پیروکار بنادیا۔

آپ کے احیائے سنت کا طریقہ بڑا ہی نرالا اور منفرد ہوا کرتا تھا۔ جس سے لوگ خود بخود متاثر ہو جاتے اور اپنی شخصیت پر غور و فکر کرنے لگتے۔

آپ کا طریقہ یہ ہوا کرتا تھا کہ اگر کوئی شخص سنت نبوی سے انحراف کرتا اور اسے آپ دیکھ لیتے تو اس سے بہت نفرت کرتے اور اور اس کے پاس آنا جانا ترک فرما دیتے۔ جس کی بدولت وہ شخص خود بخود ہی اپنے عمل سے احتراز کر لیتا اور سنت نبوی کا پابند ہو جاتا۔ پھر جب آپ اس کے اس کار خیر کو دیکھتے تو اس سے نفرت کرنے کے بجائے نہایت ہی شفقت و محبت سے ملتے اور اسے کافی محبوب رکھتے۔

موت کے وقت جب آپ کے سینہ مبارکہ پر ترمذی شریف رکھی ہوئی تھی۔ اس وقت بھی اگر آپ کو کسی سنت کا علم ہوتا تو لوگوں سے اس پر عمل کرنے کی درخواست کرتے۔

غرض کہ آپ احیائے سنت رسول کے بلند ترین مقام پر فائز تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے ایک خادم نے قدم رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پانی لایا اور کہنے لگا کہ آپ پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ مبارکہ ہو۔ یہ سنتے ہی آپ بے تاب ہو گئے اور فرمانے لگے کہ میری حیثیت ہی کیا ہے کہ مجھ پر رسول کائنات کا سایہ ہو۔ اس پر آپ نے خادم کے اوپر بہت ہی نوازش فرمائی۔ (ضمیمہ مقامات مظہری، از: عبد الغنی دہلوی، بحوالہ: تذکرہ مجددین اسلام پاکستان ص: ۲۷۵)

امر بالمعروف ونھی عن المنکر:

منصب تجدید پر فائز شخص کا اہم فرض ہی یہی ہوتا ہے کہ وہ رخصت کے بجائے عزیمت سے کام لے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو اپنی زندگی کا شیوہ بنا کر معاشرے کو راہ راست پر گامزن کرے۔ حضرت شاہ غلام علی مجددی دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس معاملے میں اعلیٰ درجے پر متمکن تھے۔

مولانا غلام محی الدین قصوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”عید کے دن مسجد میں بہت سارے لوگ آپ سے ملاقات کرنے کے لیے آئے۔

میں بھی وہاں موجود تھا، اسی اثنا میں ایک مفتی شہر بھی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوئے۔ مفتی صاحب نے اپنی داڑھی کٹوالی تھی۔ جب حضرت نے مفتی صاحب کی یہ حالت دیکھی تو آپ کو کافی تکلیف ہوئی۔ اور فرمایا کہ تم کو شرم نہیں آتی کہ تم اتنے ضعیف ہو گئے ہو اور داڑھی کٹواتے ہو؟ دیکھو! یہ مولوی قصوری چھ مہینے میں پابند شرع ہو گیا ہے اور تم چھ سال کے طویل عرصے کے باوجود شریعت مطہرہ کے پابند نہ ہو سکے۔ یہ سب مولوی قصوری پر میری پیروی کا ثمرہ ہے''۔ (ملفوظات شریفہ۔از: غلام محی الدین قصوری، ص:۷۰۹)

اس کے علاوہ آپ نے دینی حمیت وجذبے کے تحت بھی دین اسلام کی مکمل آبیاری فرمائی۔آپ کے زمانے میں لوگ زیادہ تر شراب نوشی اور لہوولعب میں ضیاع وقت کرتے۔ شراب نوشی کا عمل تو اتنا بڑھ گیا تھا کہ عام لوگوں کی بات تو دور بڑے بڑے عہدے دار بھی اس کو فخریہ عمل قرار دیتے۔ جیسا کہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خود فرماتے ہیں:

''میں ایک دن نواب نظام الملک صاحب کے مکان پر فاتحہ خوانی کی مجلس میں شریک ہوا۔اس مجلس میں دہلی کا گورنر ''مٹ کلف'' فرنگی بھی موجود تھا۔ جب میں وہاں پہنچا تو تمام لوگ ہماری ملاقات کے لیے آئے۔لیکن جب گورنر صاحب مجھ سے ملاقات کرنے آئے تو ہمیں اس کے منہ سے شراب کی بدبو محسوس ہوئی۔جس سے مجھے بڑی تکلیف ہوئی اور میں نے اسے سامنے سے کتے کی طرح ڈانٹ کر بھگا دیا۔لیکن وہ پھر آ گیا۔پھر میں نے ہٹا دیا۔ یہ دیکھ کر وہ اپنے کوٹھے پر گیا اور کہنے لگا پورے ہندوستان میں میں نے صرف ایک باغیرت انسان دیکھا ہے''۔ (تذکرہ مجددین اسلام،ص:۲۸۸، پاکستان)

اسی طرح کے اور کئی واقعات کا بارہا آپ کو سامنا کرنا پڑا، اور ہر جگہ آپ نے بلاخوف لومۃ لائم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا۔

تیرہویں صدی کے مجدد

تاج الفحول علامہ شاہ عبد القادر بدایونی علیہ الرحمہ

ولادت: ۱۲۵۳ھ۔ وصال: ۱۳۱۹ھ

تجدیدی خدمات وکارنامے

حضور تاج الفحول علیہ الرحمہ نے اپنی پوری زندگی خدمت دین کے لیے وقف کر دی تھی، اصلاح امت آپ کا محبوب مشغلہ تھا یہی وجہ تھی کہ آپ تعلیم و تبلیغ کے ہر میدان میں نمایاں مقام رکھتے تھے، جس میدان میں آپ قدم رکھتے پوری کامیابی کے ساتھ اسے فتح کر لیتے، جس پر آپ کے بے شمار علمی و عملی، دعوتی و اصلاحی کارنامے شاہد ہیں۔ ہم یہاں آپ کے نمایاں کارناموں کی تھوڑی سی جھلک پیش کرتے ہیں۔

ردِ باطل واحقاق حق:

حضور تاج الفحول علیہ الرحمہ کی ان خدمات کے علاوہ سب سے بڑی خدمت ادیان باطلہ کا رد و ابطال اور دین حق اسلام کا اثبات واحقاق ہے، کیوں کہ آپ کے زمانے میں مختلف قسم کی اسلام مخالف تحریکیں اسلامی لبادے میں برسر پیکار تھیں اور طرح طرح کے پروپگنڈوں کے ذریعہ اسلام کے مضبوط قلعے میں شگاف ڈالنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ایسے نازک وقت میں جبکہ ہمہ جہت مخالفین کی یلغار تھی آپ نے اثبات کا دامن تھامے رکھا اور خدائے قہار کے دیے ہوئے نیزہ علمی سے فرقہائے باطلہ کو ایسا زخم کاری لگایا اور ان کے خود ساختہ نظریات کو یوں پژمردہ کیا کہ آئندہ شادابی کی کوئی امید نہ رہی۔ اب ہم ذیل میں ادیان باطلہ کے مقابل میں آپ کی کاوشوں کا قدرے تذکرہ کرتے ہیں۔

ردِّ روافض:

حضرت محب رسول کے زمانے میں اسلام مخالف تحریکوں میں جو سب سے تیزی کے

ساتھ اپنے پر و باز و پھیلا رہے تھے وہ رفض و شیعت کی تحریک تھی۔

رافضیت کے فروغ کا دور مغلیہ سلطنت کے ابتدائی زمانے میں ہی شروع ہو گیا تھا، لیکن رافضی علماء اپنے عقائد اور باطل نظریات کو مغل بادشاہوں کے راسخ العقیدہ سنی ہونے کی وجہ سے ظاہر نہ کرتے تھے۔ ہاں اورنگ زیب عالمگیر علیہ الرحمہ کے بعد جب مغلیہ سلطنت کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تو تقیہ کا پردہ اٹھا لیا گیا اور شیعہ امرا نے اپنے عقائد و نظریات کی نشر و اشاعت شروع کر دی۔

اٹھارہویں صدی عیسوی میں نئی ریاستیں قائم ہو گئیں اور ان میں بڑی اکثریت میں شیعی حکام و عمال کی تقرری ہو گئی۔ سب سے بڑی ریاست اودھ کی تھی۔ یہاں کے نواب صرف غالی شیعہ ہی نہیں بلکہ اپنے افکار و نظریات کے پر جوش داعی و مبلغ بھی تھے۔

علمائے اہل سنت نے اس فتنہ کے سد باب میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا، اسی فتنے کے رد میں حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کی معرکۃ الآرا کتاب ''تحفہ اثنا عشریہ'' ہے جس نے ایوان شیعت میں زلزلہ پیدا کر دیا۔ اس کے بعد سید میر عبد الواحد بلگرامی علیہ الرحمہ نے ''سبع سنابل'' نامی کتاب لکھ کر ان کے بطلان کو سادہ لوح مسلمانوں پر واضح کیا۔ حضرت تاج الفحول کے زمانے میں ایک بار پھر اس فرقے نے اپنے ہاتھ پاؤں پھیلانے شروع کیے اور ایک حد تک کامیاب بھی ہوئے بدایوں اور اس کے اطراف و نواحی کے مختلف قصبوں پر ان کا قبضہ ہو رہا تھا، اس وقت تاج الفحول علیہ الرحمہ نے مشاجرات صحابہ کے سلسلے میں حزم و احتیاط سے کام لیا، تاریخی روایات کے مقابلے میں قرآن و سنت کی طرف رجوع کیا اور تحریر فرمایا:

''جمہور محققین اہل سنت کے مذہب مختار میں جیسا کہ عقائد و احادیث اور اصول کی کتب معتمدہ سے ثابت ہے۔ خاتم الخلفا الراشدین حضرت امیر المومنین علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے محاربین کے تین گروہ تھے جو کہ اس فتنہ میں شامل تھے، ان میں سے کسی بھی گروہ کو کافر نہیں کہا جا سکتا۔ بہر حال ان تین گروہوں میں فرق یہ ہے کہ جنگ جمل کے محاربین کے سربراہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو کہ عشرہ مبشرہ سے ہیں اور حضور

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجہ محبوبہ سیدہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں، ان کی غرض جنگ وقتال کی نہ تھی، بلکہ مسلمانوں کے حال کی اصلاح پیش نظر تھی، لیکن اچانک جنگ چھڑ گئی، ان تینوں حضرات کا رجوع معتمد روایات سے ثابت ہے باجود کہ خطائے اجتہادی تھی جو موجب ثواب بھی ہے پھر بھی ان حضرات نے رجوع کیا تو اب ان حضرات کے رجوع کرنے کے بعد ان پر لفظ باغی کا اطلاق حقیقتاً درست نہیں ہے۔ جنگ صفین کے محاربین کے سربراہ حضرت امیر معاویہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔ یہ دونوں حضرات صحابہ کرام میں سے ہیں۔ یہ بھی اشتباہ میں پڑے اور غلطی فہمی کی وجہ سے بار بار قتل وقتال پر اصرار کرتے رہے، اس گروہ نے بھی خطا اجتہاد کی وجہ سے جنگ کی"۔ (تصحیح العقائد، ص:۱۱، ۱۲، بحوالہ نگارشات، ص: ۲۸۴، از: مولانا عاصم اعظمی)

آگے چل کر مزید لکھتے ہیں:

"جمہور اہل سنت کے مذہب میں ان کی تعظیم وتکریم شرف صحابیت کی وجہ سے ضروری ولازمی ہے، اس لیے شرعاً وہ بغاوت وخطا جو عمداً واقع ہوئی ہو فسق وعصیان کو مستلزم نہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی "رفع عن امتی الخطاء والنسیان" اس پر شاہد ہے اور صحابۂ کرام کی خطائیں معاف ہیں کیوں کہ یہ حضرات نہ تو معصوم ہیں اور نہ معذور بلکہ عند اللہ ماجور ہیں۔ اس خطا کی وجہ سے ان کی شان میں بے ادبی کرنا اور ان کی تعظیم وتکریم سے رکنا، اہل سنت سے خارج ہونا ہے"۔ (تصحیح العقیدہ، ص: ۱۲، بحوالہ: نگارشات، ص: ۲۸۴، از: مولانا عاصم اعظمی)

اس کے بعد آپ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین پر طعن وتشنیع کرنا، گویا پورے دین پر طعن وتشنیع کرنا ہے۔ اس مضمون کے اثبات میں آگے لکھتے ہیں:

"یہ مقام غور ہے، کیونکہ پورے مذہب پر کیسے طعن وتشنیع کی جاسکتی ہے؟ ہمیں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جو بھی ملا ان کے واسطے ہی سے ملا، تو جس نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین پر طعن وتشنیع کی، تو اس نے گویا پورے دین پر طعن وتشنیع کی۔ تو کسی

صحابی کے بارے میں دشنام گوئی نہ کی جائے اور صحابہ واہل بیت پر روافض وخوارج کی طرف سے جو نکریں منقول ہیں اس پر بالکل توجہ نہ کی جائے کیوں کہ یہ مقام رقیق ہے اور یہ جھگڑا حضور کی اولاد اور صحابہ کے مابین ہے تو اس کا فیصلہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی پر چھوڑ دیا جائے"۔(ملخصاً، ص:۱۵، تصحیح العقیدہ، بحوالہ: نگارشات، ص: ۲۸۴، از: مولانا عاصم اعظمی)

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تفویض خلافت کے بعد تمام اہل اسلام نے امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت تسلیم کرلی اور پورا عالم اسلام ایک امیر کی خلافت وامارت پر جمع ہوگیا نیز پورے عالم اسلام میں ۲۰ سال تک امن قائم رہا، شہزادگان گرامی امام حسین رضی اللہ عنہ بھی صلح وتفویض خلافت کے وقت موجود رہے لہٰذا مشاجرات صحابہ واہل بیت پر زیادہ کلام ناجائز ہے۔

ردِ وہابیہ:

۱۲۰۰ھ میں نجد کی سرزمین پر محمد بن عبد الوہاب نامی ایک شخص پیدا ہوا۔ اس نے اہل سنت وجماعت کے عقیدے کے خلاف ایک کتاب "کتاب التوحید" مرتب کی جس میں انبیاء، صحابہ، تابعین، اولیا، ائمہ کو اپنے وضع کردہ عقائد سے مشرک وگنہگار ٹھہرایا۔

اس کتاب کی اشاعت کے بعد ہی علمائے حرمین شریفین کی طرف سے اس کا بلیغ رد کیا گیا حتی کہ اس کے اساتذہ اور بھائی نے بھی اس کا رد فرمایا۔ اسی کتاب کو سامنے رکھ مولوی اسماعیل دہلوی نے "تقویۃ الایمان" نامی ایک کتابچہ لکھا۔ ۱۵ محرم الحرام ۱۲۴۰ھ میں اس کتاب کی اشاعت ہوئی۔ اس کتاب کے منظر عام پر آتے ہی پورے ہندوستان کے مسلمانوں میں بے چینی واضطراب پیدا ہوگیا۔ اس بدنام زمانہ کتاب کی تردید میں علمائے حق کی طرف سے مختلف تصانیف منظر عام پر آئیں، خصوصیت کے ساتھ تاج الفحول علامہ فضل رسول بدایونی نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، علامہ سیف اللہ المسلول کے بعد وہابیت نے جب نیا روپ اختیار کیا تو ان کے نامور شہزادے تاج الفحول ہی نے اس کی کمان سنبھالی اور

"سیف الجبار" بوارق محمدیہ المعتقد المنتقد" جیسی دسیوں لاجواب کتابیں تصنیف فرمائیں، اور نجدیت کی جڑیں اکھاڑ ڈالیں اور ان کے مضبوط قلعوں کو پاش پاش کر ڈالا۔ بقول امام احمد رضا نجدیوں اور وہابیوں کا گلا کٹ گیا اور ان کی عورتیں بیوہ ہو گئیں۔

ماتمی ہیں زناں تجد کی ہائے
بیوہ تو نے کیا محب رسول

(چراغ انس)

تحریک ندوہ کا آغاز:

آپ ہی کے زمانے میں اصلاح و ترقی تعلیم و رفع نزع کو بظاہر مقصد بنا کر ۱۳۱۱ھ میں ایک تحریک "تحریک ندوہ" کے نام سے شروع ہوئی۔ چوں کہ اس تحریک میں مولوی محمد علی مونگیری جیسی سنیت کا لبادہ اوڑھنے والی شخصیتیں بھی تھیں۔ اسی بنیاد پر علماے اہل سنت اور سنی عوام بھی اس تحریک میں شامل ہونے لگے، لیکن جب ان کے جلسوں کا قیام کان پور، لکھنؤ، بریلی، میرٹھ جیسی جگہوں پر ہونے شروع ہوئے اور فرقہائے باطلہ، نیچریہ، رافضی اور وہابی کو شریک کرنا اپنا معمول بنالیا تو بالغ نظر علما نے بھانپ لیا کہ یہ اکبر کے دین الٰہی کی طرح ایمان کش تحریک ہے تو اس سے الگ ہو گئے۔ علمائے اہل سنت نے اس کے خلاف خاص طور سے تاج الفحول اور امام احمد رضا اور مولانا عبد الصمد سہسوانی اور مولانا عبد الوحید فردوسی نے اس کے خلاف ایک محاذ کھڑا کیا اور بقول امام احمد رضا: "ہمارے زمانے میں فتنۂ ندویت نے سر اٹھایا تو ہندوستان کے علمائے اہل سنت نے اس کا رد کیا۔ اور ان کے پیشوا محب رسول خاتم المحققین مولانا شاہ عبد القادر بدایونی قدس سرہٗ تھے"۔ (تاج الفحول حیات و خدمات، از: مولانا عبد الحکیم نوری مصباحیؔ)

حضور تاج الفحول علیہ الرحمہ کے علمی جاہ و جلال کا اعتراف وقت کے علما و دانشوران کو بھی تھا، اس کا ثبوت وقت کے اکابرین کے اقوال و تاثرات سے ہوتا ہے۔ ہم یہاں کچھ علما

کے تاثرات نقل کرتے ہیں۔

(۱) علامہ فضل حق خیر آبادی اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں اور یہ حضور تاج الفحول کے استاد بھی ہیں۔

''صاحب قوت قدسیہ ہر زمانے میں ظاہر نہیں ہوتے وقتا بعد وقت عصرا بعد عصر پیدا ہوتے ہیں۔ اگر اس زمانے میں کسی کا وجود مانا جائے یہ تاج الفحول مولانا عبد القادر بدایونی ہیں''۔ اور ایک مکتوب میں فرماتے ہیں: ''واعزاز جاں مولوی عبد القادر شرح اشارات ومحاکمات وشرح قاضی مع حاشیہ می خوانند۔ فہم درست دارند''۔ (باغی ہندوستان، ص: ۲۴۶، اکمل التاریخ، ص: ۲۰۸، بحوالہ: تاج الفحول حیات وخدمات، از: عبد الحکیم نوری مصباحیؔ)

(۲) آپ کے والد گرامی علامہ فضل رسول ارشاد فرماتے ہیں: ''مجھ سے مولانا فیض احمد صاحب قدسیہ سرہ کی ذہانت وذکاوت زیادہ ہے مگر برخوردار عبد القادر کی ذہانت مجھ سے اور مولوی فیض احمد دونوں سے زیادہ ہے''۔ (اکمل التاریخ، ص: ۲۰۷، بحوالہ: تاج الفحول حیات و خدمات، از: مولانا عبد الحکیم نوری مصباحیؔ)

(۳) امام احمد رضا یوں گویا ہیں: ''چودھویں صدی کے علما میں باعتبار دین ونصرت سنت نیز بلحاظ تفقہ حضرت مولانا عبد القادر صاحب کا پایہ اکثر معاصرین سے ارفع تھا۔ ایام ندوہ میں اور اس کے بعد جب فقیر نے اور سرگرم حامیان دین نے خطاب تجویز کیا، تو حضرت فاضل بدایونی قدس سرہ کو ''تاج الفحول'' سے تعبیر کیا، جو آج تک ان کے اخلاف میں مقول و مقبول ہیں اور بے شک باعتبار مذکورہ وہ اسس کے اہل تھے''۔ (فتاویٰ رضویہ، ج: ۶، ص: ۳۶۶، ۶۷، بحوالہ: تاج الفحول حیات وخدمات)

اس کے علاوہ بہت سی عبقری شخصیتوں نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا جو آپ کے علمی جاہ وجلال کا پتہ دیتی ہیں۔

تصنیفی خدمات:

وعظ وتقریر کے ساتھ ساتھ آپ کو تصنیف وتالیف کا بھی شغف تھا۔ تقریباً بیسوں

کتابیں مختلف موضوعات پر آپ نے تصنیف فرمائیں۔ یہاں چند کتابوں کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(۱) حقیقۃ الشفاعۃ علیٰ طریق اہل السنۃ والجماعۃ:

یہ کتاب اثبات شفاعت میں نہایت معرکۃ الآرا تصنیف ہے۔ اس میں آپ نے عقلی ونقلی دلائل وبراہین سے انبیا علیہم السلام واولیا رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لیے اپنی امت اور اپنے چاہنے والوں کے حق میں شفاعت کو ثابت کیا ہے۔ یہ رسالہ مولوی نذیر حسین دہلوی کے رسالہ "افضل الشفاعۃ" کا رد ہے۔

(۲) سیف الاسلام المسلول علی المنّاع لعمل المولد والقیام:

مولانا شاہ سلامت اللہ کشفی بدایونی (م:۱۲۸۱ھ) نے میلاد وقیام کے اثبات میں "اشباع الکلام فی اثبات المولد والقیام" نامی ایک رسالہ تحریر فرمایا تھا۔ اس کے جواب میں مولوی بشیر الدین قنوجی نے ایک رسالہ "غایۃ الکلام فی ابطال عمل المولد والقیام" لکھا۔ مذکورہ بالا رسالہ تاج الفحول نے قنوجی صاحب کے اسی رسالہ کے جواب میں لکھا ہے۔

(۳) رسالہ دررد تقویۃ الایمان:

اس میں "تقویۃ الایمان" کے گمراہ کن عقائد کا رد نہایت شرح وبسط وتفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے۔

(۴) الناصحہ فی تحقیق مسائل المصافحہ:

مصافحہ ایک ہاتھ سے کرنا سنت ہے یا دونوں ہاتھ سے؟ غیر مقلدین ایک ہاتھ سے مصافحہ کو سنت کہتے ہیں، جب کہ احناف اور جمہور اہل سنت کے نزدیک مصافحہ دونوں ہاتھوں سے کرنا سنت ہے اس مسئلہ کو تاج الفحول نے اپنے مخصوص تحقیقی انداز میں ثابت کر کے ہمیشہ کے لیے منکرین کے منہ بند کر دیے۔ یہ رسالہ عربی میں ہے اور ۱۲۳۴ھ میں مطبع قادری

بدایوں سے شائع ہوا ہے۔

(۵) ہدایت الاسلام:

یہ رسالہ رد روافض میں ہے۔

(٦) ارشاد الانام:

یہ رسالہ بھی رد روافض میں ہے۔

(۷) رسالہ در تحقیق حیات الانبیاء:

موضوع نام سے ظاہر ہے۔

(۸) رسالہ در تحقیق تحریف توریت وانجیل:

فرقۂ نیچریہ کے رد میں یہ رسالہ معرض وجود میں آیا۔

(۹) رسالہ در تحقیق معنی سنت وبدعت:

یہ رسالہ بدعت وسنت کے معانی واقسام کی تفصیل وتشریح میں ہے۔اس کے علاوہ دوسرے موضوعات پر بھی آپ کی مختلف کتابیں ہیں۔

تیرھویں صدی کے مجدد

حضرت امام سید احمد بن زینی دحلان مکی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت: ۱۲۳۱ھ۔ وصال: ۱۳۰۴ھ

تجدیدی کارنامے

بارہویں صدی میں نجد سے پیدا شدہ وہابی فرقے نے اپنے باطل اور ایمان سوز عقائد ونظریات کی ترویج میں ناکام کوششیں کی۔ ایمانی، اخلاقی، اور سماجی رواداریوں کا خون کر کے امت مسلمہ کے خلاف برسرپیکار ہوئے۔ عرب وعجم کے مسلمانوں کو مشرک ومباح الدم قرار دیا اور برطانوی حکومت کے ایما پر حجاز مقدس پر حملہ کر کے مدینۃ الرسول کے تقدس کو پامال کیا۔ پھر جور وستم، جبر واکراہ، مکروفریب اور تخریب کاری کا سلسلہ دراز ہوا اور عالم اسلام بالخصوص حرمین طیبین میں ایمانی فضا مکدر کر کے گمراہ کن اور جہنم رسا نظریات کا جال بچھایا جس میں پھنس کر عشق ومحبت کا دم بھرنے والے کثیر افراد اللہ ورسول کی شان میں گستاخی اور بزرگانِ دین کے حق میں زبان درازی پر اتر آئے اور خود کو مستحق عتاب بنالیا۔ جیسا کہ امام زینی مکی دحلان رقم طراز ہیں:

نجدی تکفیری گروہ:

"نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان سے محبت رکھنے والوں کی شان میں طرح طرح کی گستاخیاں کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بھی انہوں نے بہت سی قبیح بدعتیں اپنا رکھی تھیں اور ان کی وجہ سے مسلمانوں کی تکفیر کیا کرتے تھے۔ طوعاً وکرہاً اگر کوئی شخص دینِ وہابیت قبول کرنا چاہتا تو پہلے توحید ورسالت کا اقرار کراتے پھر اس سے کہتے کہ گواہی دو کہ اس سے پہلے تم کافر تھے تمہارے ماں، باپ کا حالت کفر میں انتقال ہوا۔ اور فلاں فلاں بھی کافر تھے اور اس کے سامنے ماضی کے علما کا نام لے کر ان کی تکفیر کراتے۔ اگر وہ شخص گواہی

دے دیتا تو اسے قبول کر لیتے ورنہ اس کے قتل کا حکم دے دیتے“۔ (الدرر السنیة فی الرد علیٰ الوہابیة، ص: ۴۶)

عبدالوہاب کی پیدائش:

اس المناک تاریخی منظر نامہ کا لیڈر ابن عبدالوہاب نجدی تھا جو ۱۱۱۱ھ میں پیدا ہوا اور ۱۲۰۶ھ میں اللہ نے اس کے وجود سے روئے زمین کو پاک کر دیا۔ مگر اپنے بعد وہابیوں کا ایک بڑا گروہ چھوڑ گیا جنہوں نے تخریب کاریوں کا سلسلہ جاری رکھا۔

ایسے پرفتن اور پر آشوب ماحول میں بدعات و منکرات کا رد بلیغ اور وہابیت کا استیصال کرتے کے لیے حدیث پاک ”ان اللہ یبعث لھذہ الامة علیٰ راس کل ماة سنة من یجدد لھا دینھا“ کے تحت امام زینی دحلان علم و عمل سے مسلح ہو کر میدان عمل میں آئے۔ اور وہابیت کے قبیح چہرے کو بے نقاب کیا۔ انہوں نے وعظ و نصیحت کے ذریعہ اہل سنت کے عقائد حقہ سے لوگوں کو روشناس کرایا۔ وہابیت کی حقیقت اور فریب کاریوں سے آگاہ کیا۔ خاص طور سے نئی نسل وہابیت کے چنگل میں بڑی آسانی سے پھنس جاتی، آپ نے نسل نو کی حفاظت کے لیے اپنی تقریری اور تحریری طاقت کا خوب استعمال کیا۔ تصنیفات کے ذریعہ وہابیت کے تمام اعتراضات کا عملی محاسبہ کرتے ہوئے دنداں شکن جوابات تحریر فرمائے اور معتبر سابقہ کتب کے حوالے سے صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ اہل سنت کی مذہبی وابستگی ثابت کی۔ بالخصوص توسل، زیارت، شفاعت، ندائے غیر اللہ، اتباع سواد اعظم، قبر انور پر حاضری، مذاہب اربعہ کی تقلید، حیاة النبی اور تعظیم رسول علیہ السلام پر وہابی سخت کلام کرتے۔ طرح طرح کی تنقیدیں کرتے اور بے محل اعتراضات کرتے۔ آپ نے اپنی کتابوں کے ذریعہ منہ توڑ جواب دیا۔ اور سادہ لوح مسلمانوں کو وہابیت کے فریب سے بچانے کی کامیاب کوشش کی۔

تصانیف:

خدائے رزاق نے امام زینی دحلان مکی کو لسانی قوت اور قلمی جولانیت دونوں سے بہرہ

ور کیا تھا، لسانی اثر آفرینیوں کا اندازہ "شیخ الخطباء" کے عظیم لقب سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ جب کہ قلمی صلاحیتوں کی جانب درج ذیل کتابیں واضح طور پر غمازی کرتی ہیں کہ آپ نے جس فن میں قلم اٹھایا، حق ادا کر دیا۔ تاریخ نگاری میں آئے تو "تاریخ الدول الاسلامیه" اور "تاریخ طبقات العلماء" جیسی معتبر اور ضخیم کتابیں معرض وجود میں آ گئیں۔ سیرت نگاری میں طبع آزمائی کی تو "السیرة النبویة" اور "الفتح المبین" کا علمی سرمایا امت کو مل گیا۔ اور رد وہابیت پر آئے تو گستاخان رسول کے پرخچے اڑا دیئے اور "فتنة الوہابیة" اور "الدرر السنیة" لکھ کر وہابیوں کے دانت کھٹے کر دیے۔

اب ذیل میں حضرت کے رشحات قلم سے معرض وجود میں آنے والی چند کتابوں کے نام سپرد قرطاس کیے جا رہے ہیں جس سے ان کی قلمی صلاحیت اور علمی خدمات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

(۱) اسنی المطالب فی نجاة ابی طالب (۲) تاریخ الدول الاسلامية بالجدا ول المرضية (۳) تنبيه الغافلين مختصر منهاج العابدين (۴) حاشية على متن السمر قندية (۵) تاريخ طبقات العلماء (۶) الاستعارات (۷) اعراب جاء زيد (۸) البينات (۹) بيان العلم (۱۰) فضائل الصلاة على النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم (۱۱) السيرة النبوية والآثار المحمدية (۱۲) شرح الآجرومية (۱۳) فتح الجواد المنان شرح العقيدة المسماة بفيض الرحمٰن (۱۴) الفتح المبين فى فضائل خلفاء الراشدين واهل البيت الطاهرين (۱۵) الفوائد الزينية فى شرح الالفية (۱۶) منهل العطشان على فتح الرحمٰن (۱۷) النصر فى احكام الصلاة بعد العصر (۱۸) كيفية المناظرة مع الشيعة والرد عليهم (۱۹) الفتوحات الاسلامية (۲۰) فضائل الجمعة والجماعة (۲۱) الانوار السنية بفضائل ذرية خير البرية (۲۲) النصائح الايمانية للامة

المحمدية (٢٣) حاشية على السيرة الحلبية (٢٤) خلاصة الكلام فی بيان امراء البلد الحرام (٢٥) الدرر السنية فی الرد على الوهابية (٢٦) فتنة الوهابية۔

مجددیت کا قول:

علامہ دحلان کے زمانے میں فتنۂ وہابیت شباب پر تھا اور دین حنیف کے منور چہرے کو مسخ کرنے کی ناپاک اور ناکام جدوجہد کر رہا تھا۔ آپ نے پوری زندگی ان کی سرکوبی کی۔ اور امت مسلمہ کو ایمان سوز عقائد باطلہ میں مبتلا ہونے سے بچایا۔ اور دعوت و تبلیغ کے تمام تر ممکنہ وسائل کا استعمال کر کے انہیں صحیح راہ دکھائی۔ تصنیف و تالیف اور تقریر و تدریس کے ذریعہ شجر اسلام کی آبیاری کی اور احیائے سنت کا عظیم فریضہ انجام دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج دنیا انہیں تیرہویں صدی کے مجدد کی حیثیت سے جانتی اور مانتی ہے، چنانچہ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں:

"فظنی ان من المجددين فی المائة التاسعة الامام جلال الدين السيوطی ،والثالثة عشر شيخنا السيد احمد بن زينی دحلان المكی الشافعی رحمة الله"۔ (حاشية على المقاصد الحسنة)

تیرہویں صدی کے مجدد

حضرت شیخ یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت: ۱۲۶۵ھ ۔ وصال: ۱۳۵۰ھ

تجدیدی کارنامے

قلمی جواہر پارے:

امام نبہانی علیہ الرحمہ نے قلمی میدان میں ایسی بیش بہا تصانیف چھوڑی ہیں کہ جن کے مطالعہ سے آنکھوں کو نور اور دلوں کو سرور حاصل ہوتا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بعد دنیائے اسلام میں علامہ موصوف اپنی نظیر آپ تھے۔ آپ کی تصانیف علوم دینیہ کی قابل قدر اور مایۂ افتخار ذخائر ہیں، اگر علامہ امام نبہانی کی نگارشات کو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے تجدیدی کارنامے کا تکملہ کہہ لیا جائے تو شاید بے جانہ ہوگا۔ مذہب حق اہل سنت و جماعت کی ترویج واشاعت اور مذاہب باطلہ (نجدیہ، خارجیہ، رافضیہ، وغیرہا) کی تردید میں آپ نے جو قابل قدر علمی و تحقیقی کتابیں تحریر فرمائی ہیں ان میں سے چند کا تذکرہ درج ذیل ہے:

قرۃ العین علی منتخب الصحیحین:

تین ہزار احادیث کا ایک عظیم مجموعہ، یہ فاضلانہ حاشیہ آپ کی اعلیٰ شخصیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

الفتح الکبیر فی ضم الزیاد الی الجامع الصغیر:

اس کتاب میں آپ نے چودہ ہزار احادیث جمع فرمائی ہیں، احادیث کی یہ کتاب آپ کی ساری تصانیف میں سب سے عظیم اور نفع بخش ہے۔

جواہر البحار فی فضائل النبی المختار:

یہ مجموعہ اپنی شان کے لحاظ سے عدیم النظیر ہے، جس میں آپ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزے اور فضائل وکمالات پر روشنی ڈالی ہے گویا علم وعرفان کے سمندروں سے وہ خوب صورت جواہر پارے نکال کر اس میں جمع کر دیے ہیں جو اکابر امت نے آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ اور اپنے مشاہدات عرفانیہ سے حاصل کیے تھے۔ ان حضرات نے جو کچھ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف میں لکھا ہے مصنف موصوف نے اس کے عقلی ونقلی دلائل پیش کر کے ایسے اوصاف احاطۂ تحریر میں پیش کیے ہیں جن کے مطالعہ سے دیدہ ودل خیرہ ہو اٹھتے ہیں اور ایمان میں تازگی ومحبت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چاشنی سے دل ودماغ معطر ہو جاتے ہیں۔

مجموعہ اربعینات:

اپنی نوعیت میں فرد فرید ہے اس کے اندر آپ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل، شفاعت، مکارم اخلاق، معجزات، خصائص، صفت اور درود شریف پڑھنے کی فضیلت کا ذکر بڑی خوبصورتی سے فرمایا ہے۔ آپ نے مذکورہ بالا موضوعات میں سے ہر ایک کے متعلق چالیس چالیس احادیث ذکر کر کے ان کی حسب ضرورت تشریح بھی فرمائی ہے۔

مفرج الکروب ومفرح القلوب:

دراصل آپ کی یہ تالیف چار کتابوں پر مشتمل ہے جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) مفرج الکروب ومفرح القلوب:

اس کے اندر آپ نے قضائے حاجات کے لیے مجرب ۱۵۲، تسبیح واذکار کا ذکر فرمایا ہے۔

(۲) حزب الاستغاثہ لسید السادات:

اس میں آپ نے بارگاہ رسالت سے استغاثہ کے جواز وافادیت پر مضبوط دلائل پیش کیے ہیں اور یہ بتایا ہے کہ کس طرح مقربین خدا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے استغاثہ کو

نہ صرف جائز سمجھتے ہیں بلکہ اس کی افادیت و استفادیت کے بھی قائل ہیں۔

(۳) احسن الوسائل فی نظم اسماء النبی الکامل:

اس کے اندر آپ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وہ اسما ذکر کیے ہیں جو اس سے پہلے کسی کتاب میں جمع نہیں کیے گئے ہیں۔

(۴) کتاب الاسماء النبی الامی:

اس میں آپ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسما پر تفصیلی کلام فرمایا ہے اور ان سے متعلق فوائد پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

تراجم:

اس کے علاوہ آپ کی تصانیف میں تراجم اعیان علماء الامۃ ، حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین، فضائل النبی ، کمالات اصحاب رسول ، العقود اللؤلؤیۃ فی المدائح المحمدیۃ ، الورد الشافی من المورد الصافی ، ھادی المرید الی طرق الاسانید، الاسالیب البدیعۃ فی فضل الصحابۃ واقناع الشیعۃ ، ارشاد الحیاری فی تحذیر المسلمین من مدارس النصاری۔ (مترجم: مشنری اسکولوں میں مسلم طلبہ کا انجام) البرھان المسدد فی اثبات نبوۃ سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ، القول الحق فی مدائح خیر الخلق ، احادیث الاربعین فی امثال افصح العالمین، احادیث الاربعین فی وجوب طاعۃ امیر المومنین ، سعادۃ الدارین فی الصلوٰۃ علیٰ سید الکونین، سبیل النجاۃ فی الحب فی اللہ والبغض فی اللہ ، رفع الاشتباہ فی استحالۃ الجھۃ علی اللہ، احادیث الاربعین فی فضائل سید المرسلین ، المجموعۃ النبھانیۃ فی المدائح النبویۃ ، الشرف المؤبد لآل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وغیرہ کتب

بھی شامل ہیں۔

آپ قادر الکلام شاعر بھی تھے، فن شاعری میں آپ کو رسوخ وملکہ حاصل تھا، آپ کی شاعری عشق رسول سے سرشار اور کاروانِ شوق کے لیے منارۂ نور کی حیثیت رکھتی ہے، جس میں آپ نے حق کو باطل سے ممتاز فرمایا اور تجدیدی فکری خرابی کا قلع قمع فرما کر عقائد معتدلہ یعنی سواد اعظم اہل سنت وجماعت کی حقانیت کو روز روشن کی طرح عیاں کر دیا، فن شاعری میں آپ کے قادر الکلامی کی منہ بولتی تصاویر آپ کے یہ عظیم شاہ کار ہیں:

النظم البديع فی مولد الشفيع، الهمزة الالفية (طيبة الغراء) فی مدح سيد الانبياء، قصيدة سعادة المعاد فی معازنة بانت سعاد، القصيدة الرائحة الكبرىٰ، الراية الكبرىٰ فی ذم البدعة ومدح سنة الغراء۔

آپ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے ہم عصر تھے، علم غیب مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کے موضوع پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی ایمان افروز کتاب ''الدولۃ المکیۃ'' (۱۳۲۳ھ) پر آپ نے تقریظ بھی لکھی ہے۔ کافی عرصہ تک بیروت میں عہدۂ قضا پر بھی فائز رہے اور وہاں کی سرکاری لائبریری کے منتظم اعلیٰ بھی رہے۔ (مشنری اسکولوں میں مسلم طلبہ کا انجام، مولانا فیض اللہ برکاتی)

چودھویں صدی کے مجدد

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان حنفی قادری محقق بریلوی

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت: ۱۲۷۲ھ۔ وصال: ۱۳۴۰ھ

تجدیدی کارنامے

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے زمانے میں نت نئے فتنے سر ابھار رہے تھے، جن کے ذریعہ مسلمانوں کو مذہبی، معاشرتی، سیاسی اور معاشی سطح پر کمزور کرنے کی ناکام کوشش کی گئی۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ان فتنوں کی سرکوبی، احیائے دین اور رد بدعات ومنکرات کی خاطر اپنی زبانی، قلمی، اور عملی توانیاں صرف کیں، جس کا نہ صرف اعتراف کیا گیا بلکہ آپ کی مجددیت کا اقرار واعلان بھی کیا گیا۔

مجددیت کا اعلان:

۱۳۱۸ھ ۱۹۰۰ء میں پٹنہ کے عظیم الشان تاریخی اجلاس میں اعلیٰ حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی احیائے سنت، ازالہ بدعت، رد بد مذہباں اور اصلاحی ورفاہی خدمات کو دیکھ کر مولانا شاہ عبد المقتدر بدایونی (متوفی ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۶ء) نے ارشاد فرمایا: ''جناب عالم اہل سنت، مجدد ماۃ حاضرہ مولانا احمد رضا خان صاحب''۔ اجتماع میں موجودہ تمام تقریباً ۵۰۰ سو علمائے کرام نے اس کی تائید کی۔ (امام احمد رضا اور جدید افکار وتحریکات، ص: ۱۸۲، بحوالہ: دبدبہ سکندری، رام پور ۱۱، اکتوبر ۱۹۴۸ء)

اصلاحِ وتجدید اور احیائے دین کے منظر نامے پر جو کارنامے درخشاں اور تاباں نظر آرہے ہیں یہ مختصر صفحات ان پر تفصیلی گفتگو کے متحمل نہیں، البتہ مختصراً چند اصلاحی اور تجدیدی

کارنامے پیش ہیں:

فرقۂ نیچریت:

آزاد خیالی اور فکری بے راہ روی کے علم بردار سرسید احمد خاں اس فرقے کے بانی ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ کوئی چیز مقتضائے طبیعت کے خلاف کی طرح، کسی صورت، کسی وجہ سے نہیں ہوسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ معجزات وغیرہ کے قائل نہیں کہ وہ خلاف نیچر، خلاف فطرت ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہ اسکے پراگندہ خیالات کو ''المعتمد المستند'' میں یوں بیان فرماتے ہیں: ''فانھم ینکرون اکثر ضروریات الدین الخ۔

ترجمہ: یہ نیچری اکثر ضروریات دین کے منکر ہیں۔ اسے اپنے معنیٰ کی طرف پھیر دیتے ہیں، تو کہتے ہیں نہ جنت ہے، نہ دوزخ، نہ حشر اجسام یعنی قیامت میں زندہ اٹھانا، نہ کوئی فرشتہ ہے، نہ کوئی جن، نہ آسمان ہے، نہ اسرا اور نہ معجزہ اور (ان کا گمان ہے) موسیٰ کی لاٹھی میں پارہ تھا، تو جب اس کو دھوپ لگتی وہ لاٹھی ہلتی تھی، اور سمندر کا پھاڑ دینا مدوجزر کے سوا کچھ نہیں تھا۔

اس طرح کے مختلف عقائد اسلامیہ کے منکر ہوئے اور ان چیزوں کے ثبوت میں وارد آیات قرآنیہ کی ایسی تاویل کی جس سے مسئلہ عقائد کی صورت ہی بدل گئی۔ (المستند المعتمد علی المعتقد المنتقد، ص: ۲۲۲، سوانح اعلیٰ حضرت، ص: ۱۲۴، تا ۱۳۰)

امام احمد رضا محدث بریلوی نے ان کی پرزور تردید فرمائی اور سات رسائل تحریر فرمائے۔

فرقۂ قادنیت:

ختم نبوت سواد اعظم اہل سنت و جماعت کا اجماعی عقیدہ ہے جس پر ایمان رکھنا ضروریات دین سے ہے۔ لیکن انیس ویں صدی کے اخیر میں قادیانی فتنہ اٹھا، خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ انفرادیت پر جارحانہ حملے ہوئے اور ختم نبوت کا انکار کیا گیا۔

مرزا غلام احمد قادیانی (ولادت :۱۸۳۹یا ۱۸۴۰ء/متوفی ۱۹۰۸) نے مہدی، مسیح موعود اور نبوت کا دعویٰ کیا، صرف یہی نہیں بلکہ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خود کو افضل گردانا، اپنے نبی ہونے کی دلیل میں قرآنی آیت "مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمه احمد"۔ (المجادلہ، ۲۲) پیش کی۔

مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اس نے لکھا: "لیس المراد به محمد رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بل المراد باحمد فی هذه الآیة المرزا غلام احمد"، یعنی مذکورہ آیت میں احمد سے مراد رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہیں بلکہ اس سے مراد مرزا غلام احمد ہے۔ (المتنبی القادیانی، ص: ۱۷، بحوالہ: امام احمد رضا کے افکار ونظریات، ص: ۱۹۰) اس کے علاوہ کئی گستاخیاں کر کے اپنی دریدہ دہنی اور خوف قیامت سے بے پرواہی کا ثبوت دیا۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں حدوث الفتن وجہاد اعیان السنن، ص: ۴۲، ۴۳، اور حیات اعلیٰ حضرت، ج: ۲)

یہ بھی واضح رہے کہ دیوبندی مکتب فکر کے مولانا قاسم نانوتوی نے بھی ختم نبوت کے مسئلہ پر اپنے خیالات فاسدہ کا ''تحذیر الناس'' میں یوں اظہار کیا: ''اگر بالفرض بعد زمانۂ نبوی کوئی نبی پیدا ہو تو خاتمیت محمدی میں کوئی فرق نہ آئے گا''۔ (تحذیر الناس، ص: ۲۵)

مذکورہ عبارت کے علاوہ جتنی عبارتیں ''تحذیر الناس'' میں موجود ہیں۔ ان سب کا منصفانہ اور اعتدال پسندانہ تجزیہ کیا جائے تو اس نتیجے تک بآسانی پہنچا جا سکتا ہے کہ ختم نبوت کے انکاری ہونے میں، دونوں ایک ہیں۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کو ادعائے نبوت کی فکری غذا مولانا قاسم نانوتوی نے فراہم کی۔ جس کا تذکرہ ابوالعطا جالندھری قادیانی نے بھی اپنی کتاب ''افادات قاسمیہ'' میں کیا ہے:

''یوں محسوس ہوتا ہے کہ چودھویں صدی کے سر پر آنے والا مجدد امام مہدی اور مسیح موعود بھی تھا اور اسے نبوت کے مقام سے سرفراز کیا جانے والا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص مصلحت سے حضرت مولوی محمد قاسم نانوتوی کو خاتمیت محمدیہ کے اصل مفہوم کی وضاحت

کے لیے رہنمائی فرمائی اور آپ نے اپنی کتابوں اور پیغامات میں آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کی نہایت دلکش تشریح فرمائی۔ بلاشبہہ آپ کی کتاب ''تحذیر الناس'' اس موضوع پر خاص اہمیت رکھتی ہے''۔ (افادات قاسمیہ، ص:۱، بحوالہ: امام احمد رضا کے افکار ونظریات، ص:۲۰۰)

اس طرح مولانا قاسم نانوتوی کی عامیانہ فکر سے مرزا غلام احمد قادیانی نے استفادہ کیا اور جھوٹی نبوت کا محل تعمیر کیا۔ انکار نبوت براہ راست اسلامی نظریات سے متصادم تھا اور ہے، علمائے اہل سنت نے اس کی تردید کی جانب پیش قدمی کی۔ امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ نے اس قسم کے ہفوات واباطیل کے قلعہ قمع کرنے کے لیے کئی فتوے تحریر فرمائے۔ جو ''فتاویٰ رضویہ'' اور ''المستند المعتمد'' میں شائع ہوئے ہیں، اس کے علاوہ درج ذیل کتابیں ان کی نوک قلم سے منصۂ شہود پر آئیں، مثلاً: (۱) **قهر الديان على مرتد بقاديان** (۱۳۳۲ھ) (۲) **السوء والعقاب على المسيح الكذاب** (۱۳۲۰ھ) (۳) **المبين ختم النبين** (۱۳۲۶ھ) (۴) **جزاء الله عدوه بابائه ختم النبوة** (۱۳۱۷ھ) (۵) **الجراز الدياني على المرتد القادياني** (۱۳۴۰ھ)

آخر الذکر رسالے سے معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ تادم واپسیں قادیانیت کے خلاف برسرِ پیکار رہے۔ (حسام الحرمین، ص:۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹)

فرقۂ شیعیت:

اہلِ سنت اور اہل تشیع کے اختلاف کی ابتدا عہد صحابہ وتابعین میں ہی ہو چکی تھی۔ مرور ایام کے ساتھ اس میں شدت آتی گئی اور اعمال وعقائد کی حیثیت سے ان کی ایک الگ شناخت قائم ہوگئی، مختلف ادوار میں روافض کی متعدد شاخیں نکلیں، ہندوستان میں بھی ان کی عددی قوت میں اضافہ ہوا، اکابر نے ان کے خلاف قلمی جہاد جاری رکھا، امام احمد رضا قدس سرہ نے بھی اسلام کے طریقہ کار پر عمل کیا اور متعدد رسائل لکھ کر ان کا شدید تعاقب کیا۔ چنانچہ روافض کے متعلق شرعی احکام کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''رافضی اگر امیر المومنین علی مرتضیٰ کو شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر فضیلت دے تو مبتدع ہے، جیسے فتاویٰ خلاصۂ عالمگیری میں ہے''۔

''اور اگر شیخین یا ان میں سے کسی ایک کی امامت کا انکار کرے تو فقہائے کرام نے اسے کافر قرار دیا اور متکلمین نے بدعتی اور اسی میں زیادہ احتیاط ہے۔

''اور اگر اللہ تعالیٰ کے لیے بدا (کہ اسے پہلے سے علم نہیں ہوتا، شئی واقع ہونے کے بعد علم ہوتا ہے) کا قائل ہو یا یہ کہے کہ موجودہ قران ناقص ہے، صحابہ یا کسی دوسرے نے اس میں تحریف کی ہے، یا یہ کہے کہ امیر المومنین علی مرتضیٰ یا اہل بیت میں سے کوئی امام اللہ تعالیٰ کے نزدیک انبیائے سابقین سے افضل ہے جیسے کہ ہمارے شہر کے رافضی کہتے ہیں اور انکے اس دور کے مجتہد نے تصریح کی ہے تو وہ قطعا کافر ہے اور اس کا حکم مرتدوں والا ہے جیسے فتاویٰ ظہیریہ کے حوالے سے عالمگیری میں ہے''۔

تفصیلات کے لیے امام احمد رضا قدس سرہ مندرجہ ذیل کتابیں مطالعہ کریں:

(۱) غاية التحقيق فى امامة العلى والصديق (۲) وجه المشروق بجلوه اسماء الصديق والفاروق (۳) مطلع القمرين فى ابانة سبقة العمرين (۴) لمعة الشمعة لهدى شيعة الشنعة (۵) الادلة الطاعنة فى اذان الملاعنة (۶) اعالى الافادة فى تعزية الهند وبيان الشهادة (۷) ردالرفضة۔

فرقۂ وہابیت:

ملت اسلامیہ کے ایمان وعقیدہ کی عمارت جس بنیاد پر کھڑی ہے وہ تعظیم وادب شان الوہیت ومقام رسالت کی اطاعت ومحبت وتعظیم پر مبنی ہے، امام احمد رضا قدس سرہ کی حیات میں ان دونوں پہلوں پر مختلف طریقے سے یلغار ہوئی، بارگاہ الوہیت وشان رسالت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں تنقیصی اور کفری عبارتیں شائع کی گئیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی پیدائش سے قبل ہی اسلامیان ہند پر یہ فتنہ منڈلا نے لگا تھا، اسماعیل دہلوی (متوفی ۱۲۴۶ھ،

۱۸۳۱ھ) نے ''تقویۃ الایمان'' لکھ کر اس فتنے کی تخم ریزی کی۔ اس وقت علمائے اہل سنت بالخصوص علامہ فضل حق خیرآبادی (متوفی ۱۲۷۸ھ) نے شدید رد کیا، اس وقت یہ فتنہ دب چکا تھا، لیکن خال خال اس کی حمایت کرنے والے موجود تھے۔ ابھی چند دہائی ہی گذری تھی کہ ایک ہنگامہ خیز کتاب ''تحذیر الناس'' ۱۲۹۰ھ/ ۱۸۷۴ء میں منظر عام پر آئی۔ اس کی وجہ سے ہندوستان کے طول و عرض میں سراسیمگی پھیل گئی، مگر کوئی اس کتاب کا حامی نہیں تھا سوائے عبدالحی بڈھانوی کے۔ جیسا کہ مولانا اشرف علی تھانوی نے لکھا:

''جس وقت مولانا قاسم نانوتوی نے تحذیر الناس لکھی ہے کسی نے ہندوستان بھر میں مولانا کے ساتھ موافقت نہیں کی بجز مولانا عبدالحی کے''۔ (الافاضات الیومیۃ، چہارم، تھانہ بھون)

اسی ''تحذیر الناس'' کے مفہوم کے زیر اثر انگریزوں کے زرخرید غلاموں کے حوصلے بلند ہونے لگے، شان الوہیت و رسالت پر حرف گیری شروع ہوگئی، مولانا رشید احمد گنگوہی نے اسماعیل دہلوی کے بوئے ہوئے بیج کو سینچا اور تناور درخت کی شکل دینے کا منظم منصوبہ بنالیا، جس طرح اسماعیل دہلوی نے امکان کذب باری تعالیٰ کا قول کیا اسی طرح موصوف گنگوہی نے بھی کیا۔

امام احمد رضا قدس سرہ نے اس کے ہذیان کا اپنے رسالہ ''سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح'' (۱۳۰۷) میں رد فرمایا، بات یہیں تک نہیں ٹھہری، بلکہ مرکز عقیدت سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی کی گئی۔ مولانا خلیل احمد انبیٹھوی نے رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کے مقابل شیطان اور ملک الموت کے علم کو نصوص قطعیہ سے ثابت مانا، مذکورہ خیالات فاسدہ کا اظہار اپنی کتاب ''براہین قاطعہ'' (۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۷ء) میں کیا، مولانا رشید احمد گنگوہی نے اس کی تصدیق کی، اس کی شنیع عبارت یوں ہے:

''شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے''۔ (براہین قاطعہ، ص:۴۷)

اسی خیمے سے مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی اس کی پیروی کی اور اپنے رسالہ ''حفظ الایمان'' میں رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کو صبی و مجنوں بلکہ جمیع حیوانات و بہائم سے تشبیہ دی۔ معاذ اللہ رب العالمین۔

اس کے علاوہ متعدد اہانت آمیز عبارتیں انہوں نے اپنی کتابوں میں لکھیں، کسی عام مسلمان کے لیے یہ امر نا قابل برداشت تھا، پھر ایک عاشق صادق کیوں کر خاموش تماشائی بنا رہتا۔ امام احمد رضا قدس سرہ نے اسلامی خول میں چھپے چہروں کی نقاب کشائی کی اور دنیا کے سامنے ان کی فکری آوارگی اور ذہنی کج روی کو اجاگر کیا۔ انہوں نے نصوص قطعیہ کے منکرین اور کفریات کا ارتکاب کرنے والوں سے شرعی مواخذہ فرمایا، یہ بھی واضح رہے کہ انہوں نے گستاخان رسول سے بغیر باز پرس حکم شرع بیان نہیں کیا بلکہ ان سے تحقیق کے لیے متعدد بار خطوط روانہ کیے۔ جیسا کہ ''المستند المعتمد علی المعتقد المنتقد'' میں اس کی وضاحت بھی کی ہے کہ جب مولانا رشید احمد گنگوہی کے رد میں ''سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح'' نامی رسالہ تحریر فرمایا تو اسے اس کے پاس روانہ بھی کیا، ڈاک خانے سے روانگی کی رسید بھی مل گئی، مگر ۱۱، سال گذرنے کے بعد بھی کوئی جواب نہ ملا۔

(المستند المعتمد علی المعتقد المنتقد، ص: ۲۲۶، ۲۲۵)

جواب طلبی کے بعد بھی خاموشی رہی، ہاں! جواب تو نہ دیا البتہ ان کی کفریات ولغویات میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔ تب کہیں جا کر امام احمد رضا قدس سرہ نے حکم شرع بیان کیا۔ تکفیر کا حکم صرف آپ کی نوک قلم سے صادر نہیں ہوا بلکہ آپ نے تمام کفری عبارتوں کو یکجا کر کے اپنے شرعی فیصلے کے ساتھ علمائے عرب وعجم کے سامنے پیش کیا، چنانچہ انہوں نے مہر تصدیق ثبت کی جسے ''حسام الحرمین علی منحر الکفر والیمین ۱۳۲۴ھ'' کے نام سے شائع کیا گیا۔

ناموسِ رسالت کی حفاظت ان کا بنیادی اور سب سے اہم عظیم الشان کارنامہ ہے، اگر وہ کسی طرح کی رعایتی پہلو اپناتے تو امت مسلمہ فرقہائے باطلہ کی دام تزویر سے بمشکل ہی

خلاصی حاصل کر سکتی۔ آج دنیائے سنیت ان کی محبت میں سرشار نظر آتی ہے، کیونکہ آج عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جو صدائے دل پذیر سنائی دے رہی ہے یہ انہی کے کارہائے نمایاں کی رہین منت ہے۔

تحریک ندوہ:

چودھویں صدی کی پہلی دہائی اختتام پذیر ہو چکی تھی، ایک بار پھر باطل نے نیا روپ دھار لیا اور ندویت و صلح کلیت کے پیراہن میں ظہور پذیر ہوا، ان کے مقاصد و عزائم کا لب لباب یہ ہے کہ شرکت قبلہ کی بنیاد پر تمام کلمہ گو کو ایک صف میں کھڑا کر دیا جائے، اعتقادی اختلاف اور نزاعی صورت کو مٹا دیا جائے، کوئی کسی کی تکفیر نہ کرے۔ یہاں یہ ذہن نشین رہے کہ اس تحریک کی داغ بیل علمائے اہل سنت نے ڈالی تھی، اس وقت پیش پیش رہنے والے مفتی لطف اللہ علی گڑھی، مولانا احمد حسن کان پوری اور حضرت شاہ محمد حسین الٰہ آبادی وغیرہ شامل تھے۔ لیکن چور دروازے سے چند ایسے لوگ بھی شامل ہو گئے تھے جو فرقہائے باطلہ کے ساتھ ذہنی و فکری ارتباط رکھتے تھے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

''اگر اس جلسہ میں خالص علمائے اہل سنت ہی مدعو ہوتے اور انہیں کا مخصوص جلسہ ہوتا تو بلاشبہ قوم و ملک کے لیے یہ بہت ہی مفید مجلس ثابت ہوتی''۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ص: ۱۶۹، مطبوعہ: مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ لاہور)

آگے لکھتے ہیں:

''کاش یہ دینی جلسہ صرف دین دار علما و مشائخ اہل سنت کا ہوتا تو واقعی بہت مفید ہوتا اور ہندوستان کے تمام اہل سنت اس سے اتفاق کرتے مگر غضب یہ کیا کہ اس کو ایک مذہبی جلسہ کی حیثیت نہ دے کر ایک میلا کی شکل بنا دی''۔ چنانچہ اس اجلاس میں شیعہ مجتہد مولوی غلام حسین نے مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت بلا فصل بیان کی، اور یہ بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غدیر خم پر ان کے سر پر عمامۂ خلافت باندھا۔ اعلیٰ حضرت

قدس سرہ بھی اس جلسہ میں مدعو تھے، انہیں ناگوار خاطر گذرا، اس سلسلے میں مفتی لطف اللہ علی گڑھی کو اپنی ناراضگی کا احساس دلایا، مفتی صاحب بھی محوحیرت تھے، مولانا سید محمد علی کان پوری ثم مونگیری کو بلا کر اہل سنت کی مضطربانہ کیفیت سے آگاہ کیا اور اس کی قباحت وشناعت ظاہر کی، مولانا محمد علی نے اپنی مجبوری ظاہر کرتے ہوئے کہا: آئندہ خیال رکھا جائے گا۔ یکے بعد دیگرے شہروں میں جلسے ہوئے، مگر یہ اپنی روش اور طریقہ کار سے باز نہ آئے، بلکہ شیر و شکر کو ایک کرنے کے فارمولے پر کاربند رہے، اس طرح تحریک ندوہ میں صلح کلیت کا رنگ گہرا ہوتا گیا، جس کی ہولناکیوں کو دیکھ کر علمائے اہم سنت علاحدہ ہوتے گئے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی قیادت میں علمائے اہل سنت نے اقدام کیا، مختلف شہروں میں اجلاس عام ہوا، ندوہ سے متاثر رہنے والوں پر اس کی قلعی کھل گئی، اور اس کے تئیں نرم گوشہ رکھنے والوں کا پیمانہ ٹوٹ گیا۔

آخر کار عنان ندوہ مولانا شبلی اعظم گڑھی (متوفی ۱۹۱۴ء) کے ہاتھ آئی، ان کی آزاد خیالی اور فکری بے راہ روی سے اللہ کی پناہ! انہوں نے دار العلوم ندوۃ العلما کی بنیاد یوپی کے انگریز لفٹننٹ گورنر سے رکھوائی، اس کی منظر کشی کرتے ہوئے خود لکھتے ہیں:

"یہ پہلا ہی موقع تھا کہ ترکی ٹوپیاں اور عمامے دوش بدوش نظر آتے تھے، یہ پہلا ہی موقع تھا کہ علما عیسائی فرماں روا کے سامنے دل شکر گذاری کے ساتھ ادب سے خم تھے اور یہ پہلا ہی موقع تھا کہ شیعہ وسنی ایک مذہبی درس گاہ کی رسم ادا کرنے میں برابر کے شریک تھے، یہ پہلا ہی موقع تھا کہ ایک مذہبی درس گاہ کا سنگ بنیاد ایک غیر مذہب کے ہاتھ سے رکھا جارہا تھا۔ غرض یہ پہلا ہی موقع تھا کہ ایک مذہبی سقف کے نیچے نصرانی، مسلمان، شیعہ، سنی، حنفی، وہابی، رند، زاہد، صوفی، واعظ، خرقہ پوش اور کج کلاہ سب جمع تھے"۔ (امام احمد رضا اور جدید افکار وتحریکات، ص:۱۲۶)

یہ ارکان تحریک ندوہ کی بیمار ذہنیت تھی جس کی مختصر سرگذشت آپ نے پڑھی، اس سے واضح ہوتا ہے کہ کس رنگ آمیزی کے ساتھ حق وباطل میں ہم آہنگی اور یک رنگی پیدا کرنے کی

کوشش کی گئی، مجدد اعظم محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے ان کی تلبیسات کا پردہ چاک کیا اور مسلمانوں کو ان کی ریشہ دوانیوں سے واقف کرایا۔

ترک تقلید کی وبا:

سرزمین ہند پر شاہ اسماعیل دہلوی (متوفی ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء) کے ذریعہ وہابیت نے قدم رکھا، آگے چل کر یہ دو شاخوں میں تقسیم ہو گئی، ایک اپنے عقائد فاسدہ کے ساتھ تقلید کی قائل رہی، جسے مسلک دیوبند کہتے ہیں اور دوسری شاخ اپنے افکار باطلہ سے وابستگی کے ساتھ ساتھ ترک تقلید پر بھی مصر رہی۔ تقلید جیسے اجماعی اور اتفاقی مسئلے سے انحراف عام ہونے لگا، عدم تقلید کے فروغ کے لیے ڈپٹی نذیر احمد اور طیب عرب مکی کا بھی خاصا حصہ رہا، طیب عرب مکی کا امام احمد رضا قدس سرہٗ سے بذریعہ مراسلت بحث و مباحثہ جاری رہا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ان کی گلفشانیوں کا معرکۃ الآراجواب قلم بند فرمایا اور اس کے سدباب کے لیے اپنی قلمی قوت و توانائی کا زبردست مظاہرہ کیا اور غیر مقلدین کی تردید میں ۲۶، کتابیں تصنیف فرمائیں۔ جن میں چند درج ذیل ہیں:

(۱) حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین (۲) النہی الحاجز عن تکرار صلاۃ الجنائز (۳) اکمل البحث علیٰ اہل الحدث (۴) مبین الہدیٰ فی نفی امکان مثل المصطفیٰ (۵) النہی الاکید۔

ردِ بدعات و منکرات:

۱۸۵۷ء کے سانحہ کے بعد ہندوستان کا مسلم معاشرہ نہ صرف سیاسی اور معاشرتی اعتبار سے زوال و انحطاط کا شکار ہوا بلکہ مذہبی سطح پر بھی کئی خرابیاں در آئیں تھیں، امام احمد رضا قدسرہ نے تمام خامیوں کا قلع قمع کیا اور ملت طاہرہ کو باطل کی آمیزش سے پاک کیا۔ لیکن غضب بالائے غضب کہیے جس نے بدعات و منکرات کی تادم زیست حوصلہ شکنی کی، انہیں ہی بدعات کا ناشر کہا جا رہا ہے، یہ بہتان والزام تراشی اور عصبیت کی کھلی مثال نہیں ہے تو اور کیا

ہے؟ سطور آئندہ میں انسداد بدعات کے حوالے سے ان کی چند قلمی کاوشیں پیش کی جارہی ہیں، جو اعلیٰ حضرت کے ماحی بدعات ومنکرات ہونے کے لیے شاہد عدل ہیں۔

حرمت سجدہ تعظیمی:

امام احمد رضا قدس سرہ نے ایک مستقل کتاب "الزبدۃ الزکیۃ لتحریم سجود التحیۃ" لکھی، آیت وتفاسیر کے علاوہ ۴۰، احادیث اور ۱۴۹، کتابوں کے حوالے سے ڈیڑھ سو نصوص فقہ نقل فرما کر واضح کیا کہ سجدہ تعظیمی حرام ہے۔

بوسہ وطواف قبر:

بوسہ وطواف قبر کے متعلق فرماتے ہیں:

"مزار کا طواف بہ نیت تعظیم کیا جائے، ناجائز ہے کہ تعظیم بالطواف مخصوص بخانہ کعبہ ہے، مزار کو بوسہ نہ دینا چاہئے، علما اس میں مختلف ہیں اور بہتر بچنا ہے اور اسی میں ادب زیادہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ، ج: ۴، ص: ۸، رضا اکیڈمی)

فرضی قبریں:

"فرضی مزار بنانا اور اس کے ساتھ اصل کا معاملہ کرنا ناجائز وبدعت ہے"۔ (ایضاً، ص: ۱۱۵)

عورتوں کے لیے زیارت قبور:

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے عورتوں کے لیے زیارت قبور کے متعلق مختلف سوال کے جواب میں جابجا ارشاد فرمایا:

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لعن اللہ زوارات القبور"

(ایضاً، ص: ۱۶۸)

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں: اصح یہ ہے کہ عورتوں کو قبر پر جانے کی اجازت نہیں۔

(ایضاً)

بلندی قبر:

''میت کے گرد پختہ نہ ہو اوپر حصہ پختہ کردیں تو حرج نہیں'' واللہ اعلم۔ (احکام شریعت، دوم، ص: ۲۳)

قبر پر چراغ، لوبان سلگانہ:

لکھتے ہیں:

عود، لوبان وغیرہ کوئی چیز نفس قبر پر رکھ کر جلانے سے احتراز چاہئے۔ اگرچہ کسی برتن میں ہو اور قبر کے قریب سلگانا اگر وہاں نہ کچھ لوگ بیٹھے ہوں اور نہ کوئی تالی (قرآن کا تلاوت کرنے والا) یا ذاکر (اوراد و وظائف پڑھنے والا) ہو بلکہ صرف قبر کے لیے جلا کر چلا آئے تو ظاہر منع ہے کہ اسراف واضاعت مال ہے۔ (ایضاً ص: ۱۴۱)

بزرگوں کے اعراس کن شرائط اور حدود وقیود کے ساتھ جائز ہیں:

عرس متعارف مذکور فی السوال کہ ہجوم زناں وتماشائے مرد۔ال وآثار شرکیاں و ارتکاب معاصی ونظارہ اجنبیہ ولہو ولعب وطوائفان رقاصاں وآلات مزامیر وغیرہ سے خالی ہے، بلاشبہ جائز ودرست ہے، ان الامور بمقاصدہا۔ اور ظاہر ہے کہ غرض انعقاد اس مجلس سے ایصال ثواب وفاتحہ وقرآن خوانی ہے۔ (مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس، ص:۵، بحوالہ: امام احمد رضا اور جدید افکار وتحریکات، ص: ۲۶۸)

کسی درخت یا طاق میں شہید مرد کا ہونا:

ایک صاحب نے سوال کیا کہ کسی درخت یا طاق میں شہید مرد کا ہونا وہاں ہر جمعرات کو شیرنی وغیرہ کا فاتحہ دلانا، ہار لٹکانا، لوبان سلگانا، مرادیں مانگنا یہ سب چیزیں درست ہیں یا نہیں؟ آپ نے تحریر فرمایا: یہ سب واہیات وخرافات ہیں، جاہلانہ حماقات وبطالات ہیں، ان کا ازالہ (دور کرنا) لازم ہے۔ واللہ اعلم۔

قبر پر یا قبر کی طرف نماز پڑھنا:

''قبر پر نماز پڑھنا حرام، قبر کی طرف نماز پڑھنا حرام اشد حرام، قبروں پر مسجد بنانا یا زراعت وغیرہ کرنا حرام''۔ (عرفان شریعت دوم، ص:۲)

شانِ فقاہت:

امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ العزیز کا پایہ علمی بہت بلند تھا۔ جب میں آتے تو اس کا حق ادا کردیتے۔ بطور مثال دو فتوے کی طرف نگاہ کیجئے:

سفر حج کے دوران مکہ مکرمہ میں نوٹ کے متعلق سوال کیا گیا، یہ بارہ سوالات تھے، یہ مسئلہ اس کی ابتدا تھی۔ امام احمد رضا قدس سرہ نے محرم الحرام ۱۳۲۴ھ میں تقریباً ڈیڑھ دن کے اندر رسالے کا نام "کفل الفقیه الفاهم فی احکام قرطاس الدراهم" (۱۳۲۴ھ) رکھا مدلل و مبرہن جواب دیے، جن میں جواب اول کا خلاصہ درج ذیل ہے:

سوال: کیا وہ (کاغذی نوٹ) مال ہے یا دستاویز کی طرح کوئی سند؟

آپ نے بہ کثرت دلائل و براہین سے نوٹ کو مال ثابت کیا ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

''وہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے اور کاغذ مال متقوم ہے اور اس سکہ نے اسے کچھ زیادہ نہ کیا مگر یہی کہ گئیں اور وقت حاجت کے لیے اٹھار کھنے کا زیادہ لائق ہو گیا اور مال کے یہی معنی ہیں یعنی وہ جس کی طرف طبیعت میل کرے اور حاجت کے لیے اٹھار کھنے کے قابل ہو''۔

پھر آپ نے اس تعریف کو "ردالمحتار" کی درج ذیل عبارت سے واضح کیا ہے:

"وفیه عن التلویح المال ما من شانه ان یدخر للانتفاع وقت الحاجة والتقویم یستلزم المالیة"۔

اس کی مزید توضیح فتح القدیر کی اس عبارت سے کرتے ہیں:

"لو باع کاغذة بالف یجوز ولا یکره"۔

''کوئی شک نہیں کہ نوٹ بذات خود قیمت والا مال ہے کہ بکتا ہے اور مول لیا جاتا ہے اور ہبہ کیا جاتا ہے اور وراثت میں آتا ہے اور جتنی باتیں مال میں جاری ہیں سب اس میں جاری ہوتی ہیں''۔ (ملخصاً) (فتاویٰ رضویہ مترجم، جلد: ۱۷، ص: ۳۹۹، مطبوعہ: برکات رضا، پور بندر، گجرات)

اس فتوے کو پڑھ کر علما عش عش کرا ٹھے اور انہیں اپنے طائر فکر و تحقیق کی کوتاہ پروازی کا احساس ہوا۔

ہندوستان دارالاسلام ہے:

ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے سوال کیا گیا کہ ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب؟ اس سلسلے میں تحقیقی بحث فرمائی، جس کا نام ''اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام'' ہے۔ اس کے اندر امام احمد رضا قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

''ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ بلکہ علمائے ثلاثہ علیہم الرحمہ کے مذہب پر ہندوستان دارالاسلام ہے، دارالحرب ہرگز نہیں ہے کہ دارالاسلام کے دارالحرب ہوجانے میں جو تین باتیں ہمارے امام اعظم امام الائمہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک درکار ہیں ان میں سے ایک یہ کہ وہاں احکام شرک علانیہ جاری ہوں اور شریعت اسلام کے احکام و شعائر مطلقاً جاری نہ ہونے پائیں اور صاحبین کے نزدیک اسی قدر کافی ہے، مگر یہ بات بحمد اللہ! یہاں قطعاً موجود نہیں۔

اہلِ اسلام جمعہ و عیدین و اذان و اقامت و نماز باجماعت وغیرہا شعائر شریعت بغیر مزاحمت علی الاعلان ادا کرتے ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ مترجم، ج: ۱۴، ص: ۱۰۵، مطبوعہ: مرکز اہل سنت برکات رضا، پور بندر، گجرات)

متعدد قدیم فقہی کتب کے حوالوں سے آپ نے اپنا موقف واضح کیا ہے۔

کنزالایمان ایک عظیم کارنامہ:

گذشتہ صفحات کے مطالعہ سے واضح ہوگیا کہ امام احمد رضا قدس سرہ کے زمانے میں

فتنہ سامانیوں کا ایک طوفان بپا تھا۔ اسلام مخالف لیٹریچر عام کیے جا رہے تھے۔ نیرنگی زمانہ کہیے کہ اسے دین کی باتیں کہہ کر فروغ دیا جا رہا تھا، قرآن کے متنوع تراجم بھی معرض وجود میں آئے، دلوں میں چھپے ہوئے شیطانی جذبوں کی تسکین کے لیے تراجم میں معنی آفرینی بھی کی گئی اور اپنے غلط نظریات کی ترویج کے لیے تراجم قرآن کا سہارا لیا گیا۔ اور جا بجا شان الوہیت وشان رسالت میں تنقیصات کا ارتکاب کیا گیا۔

امام احمد رضا قدس سرہ کے تلامذہ خاص طور سے صدر الشریعہ مفتی امجد علی علیہ الرحمہ (مصنف بہار شریعت) کو اس کا احساس ہوا کہ وقت کا جبری تقاضا ہے کہ قرآن کا ایسا اردو ترجمہ ہو جو اکابر و اسلاف کے تراجم وتفاسیر کے مطابق شان اور اصح الوہیت وشان رسالت کا آئینہ دار ہو۔ انہیں جذبو کے ردعمل میں انہوں نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے ترجمۂ قرآن کی گذارش کی۔ اعلیٰ حضرت مرجع فتاوی تھے، دن بھر استفتا کے جوابات تحریر کرتے، وقت کی قلت دامن گیر رہتی، اس لیے فرمایا: جب قیلولہ کا وقت ہو تو اس وقت تحریر کرا دوں گا۔ وہ املا کراتے، صدر الشریعہ لکھتے جاتے۔ اعلیٰ حضرت کو سنایا جاتا، اس کے بعد معتبر تراجم وتفاسیر سے مقابلہ کیا جاتا تو معلوم ہوتا کہ انہیں تراجم وتفاسیر کو سامنے رکھ کر املا کرایا گیا ہے۔ یہ بحر تفسیر کی شناوری کا عالم تھا۔ آج دنیائے سنیت اسی ترجمے سے استفادہ کر رہی ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا یہ کارنامہ، تجدیدی سد کارناموں کے زمرے میں آتا ہے۔

آیئے! چند آیتوں کے تحت اعلیٰ حضرت قدس سرہ اور دیگر حضرات کے تراجم کا تقابلی جائزہ لیں:

ارشاد قرآنی ہے: "اللہ یستھزٔ بھم" (البقرۃ،۱۵)

اس کے ترجمے یہ کیے گئے ہیں:

(۱) اللہ ان سے ٹھٹھا کرتا ہے۔ (سرسید احمد خان)

(۲) اللہ ان کو بناتا ہے۔ (ڈپٹی نذیر احمد)

(۳) ان منافقوں سے خدا ہنسی کرتا ہے۔ (فتح محمد جالندھری)

(۴) اللہ ہنسی اڑاتا ہے ان کی۔ (مرزا حیرت)

(۵) اللہ ہنسی کرتا ہے ان سے۔ (شیخ دیوبند محمود حسن)

(۶) اللہ جل شانہ ان سے دل لگی کرتا ہے۔ (نواب وحید الزماں)

دیکھئے! اگر ان مترجمین کو تائید ربانی حاصل ہوتی اور ان کے قلوب میں اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کا سچا تصور ہوتا تو وہ اس سبوح وقدوس کے حق میں دل لگی کرنا، ٹھٹھا کرنا، بنانا، ہنسی اڑانا وغیرہ بازاری محاورے ہرگز استعمال نہ کرتے۔ یہ جانتے ہوئے کہ رب العزت جل جلالہ کی بارگاہ عظمت ٹھٹھا کرنے، ہنسی اڑانے وغیرہ عیب سے پاک ہے۔ صرف مرد مومن موید من اللہ ہی کا کام ہے۔ ان ترجموں کو دیکھنے کے بعد کیا کسی ایسے ترجمے کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی جو معارف قرآن کا راز داں ہو۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا ترجمہ دیکھئے: اللہ ان سے استہزاء فرماتا ہے۔ (جیسا اس کی شان کے لائق ہے)

نیز ارشاد قرآن ہے:

"وعصیٰ آدمہ ربہ فغوی" (سورہ: طہ، آیت: ۱۲۱)

اس کا ترجمہ مولوی عاشق الٰہی میرٹھی نے اس طرح لکھا ہے: اور آدم نے نافرمانی کی اپنے رب کی پس گمراہ ہوئے۔ اس ترجمے میں مترجم نے سیدنا آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو گمراہ ٹھہرایا۔ حالانکہ حضرت آدم علیہ السلام ایک معصوم نبی ہیں ان کی ذات گمراہی سے پاک ہے۔ ایسے گمراہ مترجمین کے ترجمے کے بعد ضرورت تھی کہ کوئی ایسا ہدایت یافتہ شخص ترجمہ کرے جس کا سینہ آداب نبوی سے مملو ہو۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا عشق وعرفان سے بھرا ترجمہ یوں ہے: "اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی"۔

مذکورہ بالا تقابلی تراجم سے واضح ہوگیا کہ اعلیٰ حضرت نے کس باریک بینی سے قرآن کا ترجمہ کیا اور ناموس الوہیت وشانِ رسالت کی حفاظت میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔

امام احمد رضا کے دبستان تجدید واحیائے دین کے چند گلہائے خوش رنگ آپ کی

نظروں سے گزرے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ ان کے دور میں فتنوں کا ایک سیلاب تھا جو ہندی مسلمانوں کے اقدار و روایات کو بہا لے جانا چاہتا تھا۔ امام احمد رضا نے اس سیلاب پر بند باندھا اور اکابر و اسلاف سے امت مسلمہ کا رشتہ مربوط رکھنے کی کامیاب کوشش کی۔ ان کی کوششیں بارآور ہوئیں اور اسی کا ثمرہ ہے کہ آج عشق رسالت کی رعنائیوں سے قلب ونظر شاد کام ہو رہے ہیں۔

اگر ان کی غیر معمولی جد و جہد کی بہاریں نہ ہوتیں تو امت مسلمہ کو اپنی اصلاح اور صحیح راہ کی تلاش و جستجو میں صدیاں لگ جاتیں، اس لیے ہمیشہ اس محسن کا احسان مند اور منت کش رہنا چاہیے۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

چودھویں صدی کے مجدد

حضرت مفتی اعظم ہند علامہ مفتی شاہ مصطفیٰ رضا خاں قادری حنفی بریلوی

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت: ۱۳۱۰ھ۔ وصال: ۱۴۰۲ھ

تجدیدی کارنامے

حضور مفتیٔ اعظم نے ملک وملت کی حفاظت کے لیے اپنی اسلامی سیاسی بصیرت اور قوم مسلم کے عروج وارتقا کے لیے حسن وتدبیر کو بروئے کار لاکر بروقت رہنمائی فرمائی اور میدان عمل میں تشریف لاکر اپنی رہبری اور پیشوائی کے انمٹ نقوش چھوڑے۔

آپ کا دور نہایت پر آشوب تھا، ایک فتنے کے بعد دوسرے کا ظہور، پیہم غیر شرعی تحریکات اور ملک میں قابض حکمرانوں کا جبر واستبداد جیسی مشکلات سے امت مسلمہ دوچار تھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ مسلمانوں کو ان کے دین اسلام ہی سے برگشتہ کرنے اور اہل اسلام کی تعداد گھٹانے کے لیے مشرکین نے ''شدھی تحریک'' شروع کردی جس کے سیلاب میں لاکھوں مسلمان بہہ گئے اور مرتد ہو گئے۔ ادھر آزادیٔ وطن کی تحریک نے اسلامی امور میں مداخلت شروع کردی، کبھی تحریک خلافت اور کبھی تحریک ہجرت اور کبھی نس بندی کا شوشہ چھوڑا گیا، جس سے نہ جانے کتنے مسلمان مصائب وآلام سے دوچار ہوئے۔ غرض کہ فتنے بے شمار اور قائد ورہبر اقل قلیل۔ ان تمام فتنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا اور بروقت رہبری وپیشوائی کرنا، پھر شرعی امور سے آگاہ کرنا، یہ وہ تمام تجدیدی خدمات تھیں جس کے لیے آپ نے ہندوستان کی تمام خانقاہوں کے مشائخ کو متحد کر کے ساتھ رکھ کر ''جماعت رضائے مصطفیٰ'' کو پلیٹ فارم بنایا اور ہر موقع ومقام پر پہنچ کر مسلمانوں کی دست گیری فرمائی۔ ذیل میں

حضور مفتی اعظم کے چند تجدیدی کارناموں پر گفتگو ہدیۂ قارئین ہے:

فتنۂ ارتداد اور شدھی تحریک:

یوں تو مفتی اعظم قدس سرہ کی متاع حیات کا اکثر حصہ دین مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تبلیغ واشاعت، خلق خدا کی رشد وہدایت اور ہمدردی ودست گیری کے جذبۂ فراواں سے وابستہ رہا، جس کے ذریعہ ہزاروں انسان گمراہیت وبد مذہبی سے نجات پا کر جادۂ حق و صداقت پر گامزن ہوئے اور لاکھوں انسانوں کے قلوب کی تطہیر اور نفوس کا تزکیہ ہوا، لیکن ''شدھی تحریک'' کے انسداد واندفاع کے لیے سرکار مفتی اعظم ہند کی مساعی جمیلہ، جہد مسلسل اور بلند عزائم کو پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اگرچہ اس پرفتن دور میں بھی مفتی اعظم کے علاوہ کئی ممتاز ویگانہ علما وفقہا بقید حیات تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ خداوند قدوس نے کفار وہنود کی اس ناپاک سازش وتحریک کو ناکام ونیست ونابود کرنے کے لیے ''مفتی اعظم'' کا انتخاب فرمالیا تھا، جس کی خاطر مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی کے اس شہزادہ عالی مرتبت اور علم وفضل کے حقیقی وارث وجانشیں نے احقاق حق وابطال باطل کا وہ اہم کارنامہ انجام دیا جسے تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

المختصر ''شدھی تحریک'' اپنی تمام تر فریب کاریوں اور فتنوں پردازیوں کی بنا پر قوم مسلم کے لیے نہایت مضر اور مہلک تھی۔ اس تحریک کو حضور مفتی اعظم قدس سرہ نے اپنے عمل پیہم اور جہد مسلسل سے وہ شکست دی جو تاریخ کے زریں اوراق پر پھیلی ہوئی، اس بات کا بین ثبوت ہے کہ حضور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی کے شہزادۂ گرامی مخدوم العلما مفتی اعظم قدس سرہ نے ۴۵۰۰۰۰، افراد کو ارتداد کے فتنہ سے محفوظ فرما کر انہیں دامن اسلام میں داخل کیا۔ حضور مفتی اعظم قدس سرہ نے اپنے کردار وعمل اور مجاہدانہ ولولہ سے یہ ثابت کر دیا کہ ان کے جسم کے خون کا ایک ایک قطرہ دین مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حفاظت وصیانت کے لیے پیش ہے۔ یہ ہے حضور مفتی اعظم کی تجدید دین جسے مسلمانان ہند رہتی دنیا تک فراموش نہیں کر سکتے۔

تصانیف:

حضرت مفتی اعظم قدس سرہ نے مصروفیات ومشاغل کے باوجود مختلف موضوعات پر تصانیف وتالیف کا ایک گراں قدر ذخیرہ چھوڑا ہے، قلم میں خالق کائنات نے بے پناہ کشش وقوت ودیعت کردی تھی۔ آپ کا قلمی لہجہ اپنے والدگرامی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا سے ملتا جلتا معلوم ہوتا ہے۔ ذیل میں چند کتابوں کے نام پیش کیے جاتے ہیں:

(۱) فتاویٰ مفتی اعظم (۷،جلدیں) (۲) اشد الناس علی عابد الخناس (۳) الکاوی فی لعاوی والغاوی (۴) کشف ضلال دیوبند (۵) نور الفرقان بین جندالہ واحزاب الشیطان (۶) وقعات السنان فی حلق المسماۃ بسط البنان (۷) الرمح الدیانی علی رأس الوسواس الشیطانی (۸) وقایہ اھل سنت المکر دیوبند والفتنہ (۹) الھی ضرب بر اھل الحرب (۱۰) ادخال السنان الی حنک الحلق سبط النبان (۱۱) سیف القھار علی العبد الکفار (۱۲) نفی العار من معائب المولوی عبد الغفار (۱۳) مقتل کذب و کید (۱۴) الموت الاحمر علی کل نحس اکفر (۱۵) الملفوظ (۴،حصص) (۱۶) الطاری الداری (تین جلدیں) (۱۷) طرق الھدیٰ والارشاد والی احکام الامارہ والجھاد (۱۸) سامان بخشش عرف گلستان نوری (۱۹) الحجۃ الواھرہ بوجوب الحجۃ الحاضرۃ (۲۰) عمدۃ البیان (قلمی) (۲۱) حاشیہ فتاویٰ رضویہ اول، پنجم (۲۲) فتاویٰ مصطفویہ (۲۳) مسائل سماع (۲۴) حاشیہ الاستمداد (۲۵) تنویر الحجۃ۔ (تذکرۂ مشائخ قادریہ رضویہ، ص:۵۲۰)

عبادت وریاضت:

سفر وحضر کسی بھی موقع پر آپ کی نماز پنج گانہ قضا نہیں ہوتی تھی، ہر نماز وقت پر ادا

فرماتے، سفر میں نماز کا اہتمام نہایت مشکل ہوتا ہے، لیکن حضرت پوری حیات مبارکہ اس پر عامل رہے۔ اس سلسلہ میں چشم دید واقعات لوگ بیان کرتے ہیں کہ نماز کی ادائیگی اور نماز کے اہتمام کے لیے ٹرین چھوٹنے کی بھی پرواہ نہیں فرماتے تھے، خود نماز ادا کرتے اور ساتھیوں کو بھی سخت تاکید فرماتے۔ (استقامت، مفتی اعظم نمبر)

آہ! پندرھویں صدی ہجری اور ہم

پندرھویں صدی کا آغاز ۱۴۰۰ھ مکمل ہونے کے بعد ہو چکا ہے، نصف صدی قریب الختم ہے۔ اُمت مسلمہ ہزارہا مصائب وآلام کے باوجود دین اسلام کے کلمۂ حق لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے اقرار و تصدیق کے ساتھ گامزن ہے اور عالمِ اسلام و پوری دنیا جدید ترین چیلنجز کے سامنے برسرِ پیکار ہے۔ دین اسلام و بقائے احکام اسلام سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، محبت رسول، اطاعتِ رسول، احیائے اسلام و سنّت جیسے اہم موضوعات پر ٹیبل ٹاک جاری ہے۔ دنیا کی باطل و طاغوتی طاقتیں صرف اور صرف دین اسلام سے خطرہ محسوس کرتی ہیں۔ اسلام کا الوہی نظام، اسلام کا مصطفوی نظام، اسلام کا قانونی نظام، اسلام کا عائلی نظام، اسلام کا ازدواجی نظام، اسلام کا خاندانی نظام، دنیا کے باطل نظاموں کو مسترد کرتا ہے۔ اور اہلِ دنیا چاہتے ہیں کہ ایک نظام نیو ورلڈ آرڈر قائم ہو، دعا کریں اسلامی اقدار، اسلامی نظام، مصطفوی نظام کا احیا ہو۔ اللہ تعالیٰ اُمتِ محمدیہ مسلمہ پر خیر و عافیت کی بارش فرمائے۔ آمین

ھو اللہ خبیر، بصیر، سمیع، علیم، ان اللہ بصیر بالعباد۔

ضروری وضاحت!

حضرات قارئین کرام! ایک صدی میں کئی مجدد یعنی ایک سے زیادہ بلکہ پوری جماعتِ مجددین بھی ہو سکتی ہے۔ اس نظریہ کے قائلین میں امام بیہقی، امام اثر جزری، امام ابن حجر عسقلانی وغیرہ اکثر محدثین کرام شامل ہیں۔ اس لیے کہ حدیث شریف میں ''من'' عام ہے،

جو واحد و کثیر سب کو شامل ہے۔ اگرچہ یہ نظریہ بھی محدثین کرام کا ہے کہ 'ایک صدی میں صرف ایک ہی مجدد ہوگا'۔ یہ نظریہ ابن عساکر، امام سخاوی وغیرہم کا ہے اور محدث اکبر حضرت امام جلال الدین سیوطی شافعی علیہ الرحمہ دونوں کے قائل ہیں۔ تفصیل السّنئة بمن یبعثه الله علیٰ رأس کل مائةٍ میں اور توالی القامیس لمعالی محمد بن ادریس، ص ۹۴ وغیرہم کتب میں ملاحظہ ہو۔

اور شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند مولانا الشاہ مفتی محمد مصطفٰے رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہٗ کو بعض علما نے ۱۵ر صدی کا مجدد شمار کیا ہے مگر ہم نے آپ کو ۱۴رویں صدی ہجری میں رکھا، اس کی وجہ اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنّت سیدنا امام احمد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہٗ کے اس فتوے وارشاد کی روشنی میں ۱۴رویں صدی ہجری میں شامل کیا جانا مناسب ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں: ''تحقیق لفظ کے لیے گذارش ہے کہ حدیث شریف میں رأس المائة وهو عالم مشهور مفيد۔ یعنی ''اس پر صدی گزرے اس حال میں کہ وہ مفید اور مشہور عالم دین ہو۔''

اس پر دلیل ہے اور تمام مجددین، معدودین للمسائة کو ملاحظہ فرمائیں کہ آخر صدی ماضی و اول صدی حاضر دونوں میں ان کی تجدید اسلام و مسلمین کو مفید رہی، تو بحالِ حیاتِ مجدد، جبکہ ایک صدی کا آخر گزر گیا اور دوسری کا اوّل موجود اور وہ حی (زندہ) ہو۔ مجددِ مائۃ ماضیہ کہنا مناسب ہوگا جو انقطاع تجدید کا موہم ہو یا مجدد مائۃ حاضرہ کہ اس کی حیات اور فیض تجدید کے استمرار پر دلیل ہو۔'' اھ (فتاویٰ رضویہ، جلد ۲۷، جدید، ص ۴۱، ۴۲ مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی) واللہ تعالیٰ اعلم

البتہ اگر کوئی حضور مفتی اعظم تاجدارِ اہلِ سنّت شہزادۂ اعلیٰ حضرت علامہ الشاہ امام مصطفٰے رضا حنفی قادری بریلوی قدس سرہ کو پندرھویں صدی کا مجدد تسلیم کرے یا علمائے کرام اس پر متفق ہو جائیں تو شرعاً کوئی حرج نہیں۔ اس مسئلہ کو نزاع بنانا درست نہیں۔ ہمارے لیے سب کے لیے حسنِ ظن رکھنا چاہیے اور تمام علما و مشائخ کی تحقیقات کو قدر کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے۔

ماخذومراجع

قرآن مجید	الضوء اللامع
ترجمہ کنز الایمان	تهافة الفلاسفة
بخاری شریف	المیزان صوفیه کرام نمبر
مسلم شریف	غنية الطالبين
سنن ابی داؤد	طحطاوی علی الدر
بیہقی شریف	طبقات اولیاء
مشکوۃ شریف	ارشادات غوث اعظم
بستان المحدثين	بهجة الاسرار
اشعة اللمعات	اخبار الاخيار
بفراس	الشيخ عبد القادر الجيلانی
رياض الصالحين	مرأة الاسرار
الاقتصاد فى الاعتقاد	سير الاقطاب
فيصل التفرقة بين الاسلام والزندقة	اہل سنت کی آواز مارہرہ شریف ۲۰۰۸ء
الام على القاری واثره فی علم الحديث	اقتباس الانوار
تاريخ الخلفاء	سیرت خواجه غریب نواز
طبقات ابن سعد	مآثر الكرام
طبقات الحفاظ	سير العارفين
دینی دعوت	دليل العارفين

تاریخ ابن کثیر	محبوب الٰهی
حياة الحيوان	حاشية ذيل التذكره
حدوث الفتن فی اعیان السنن	محدثین عظام
سیر اعلام النبلاء للذہبی	شذرات الذہب
البداية والنهاية	المقاصد الحسنة
تهذيب التهذيب	معجم المؤمنين
تاريخ بغداد	شیخ عبد الحق محدث دہلوی
مرأة الجنان	اشعة اللمعات مترجم مقدمه
اتحاف المهره	سبع سنابل
سیرت شافعی	اصح التواريخ
التنبه بمن يبعث الله على راس كل مائة	مجدد الف ثانی
وفيات الاعيان	مکتوبات امام ربانی
تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ	مختصر المقاصد الحسنه
تهذيب الكمال فی اسماء الرجال	مکتوبات کلیمی
تشريف البشر	تاریخ ہندوستانی
اعلام الموقعين عن رب العالمين	رود کوثر
الجواهر المضية فی طبقات الحنفية	مجدد اعظم
حدائق الحنفیه	شاہ عبد العزیز محدث دہلوی
الامتناع	تذکرۂ علمائے اہل سنت
تبين كذب المفترى	فواتح الرحموت

تاریخ الاسلام حوادث ووفیات	تذکرہ علمائے فرنگی محل
طبقات الشافعیۃ الکبریٰ	تذکرۂ مجددین اسلام
تذکرۃ الحفاظ للذہبی	ضمیمہ مقامات مظہری
تذکرۃ مجددین اسلام	تحفۂ اثنا عشریہ
لسان المیزان	تصحیح العقائد
معجم الادباء	چراغ انس
اصول الدین	تاج الفحول حیات وخدمات
کشف الظنون	باغی ہندوستان
تاریخ ابن کثیر	اکمل التاریخ
تحذیر الناس	الفتاویٰ الرضویہ
سبحان السبوح عن عیب کذب متبوح	الدر السنیۃ فی الرد علی الوہابیہ
براہین قاطعہ	الدولۃ المکیۃ
حیات اعلیٰ حضرت	امام احمد رضا اور جدید افکار و تحریکات
احکام شریعت	المستند المعتمد علی المعتقد المنقد
عرفان شریعت	سوانح اعلیٰ حضرت
ماہنامہ استقامت مفتی اعظم نمبر	حسام الحرمین
	الافاضات الیومیہ چھارم

00000

یادداشت

یادداشت

سنی تبلیغی جماعت باسنی کی مطبوعات

(1393ھ سے 1443ھ تک)

(1) فتاویٰ رضویہ جلد دوم
(2) ترجمۂ کنز الایمان مع تفسیر خزائن العرفان
(3) ترجمۂ کنز الایمان مع تفسیر نور العرفان
(4) تفسیر روح البیان
(5) اطیب البیان فی جواب تقویۃ الایمان
(6) سنی تبلیغی جماعت باسنی کا تعلیمی جائزہ
(7) ثبوت علم غیب وتوسل
(8) آئینہ حقیقت
(9) آئینہ صداقت
(10) مشعل راہ
(11) آئینہ ہدایت
(12) تعارف سنی تبلیغی جماعت باسنی
(13) تعارف مدرسہ اسلامیہ رحمانیہ
(14) مسائل زکوۃ
(15) مسلمانو! حق وباطل کو پہچانو
(16) ترجمہ سکندر نامہ
(17) طاہر القادری کی حقیقت کیا ہے؟
(18) راہ ہدایت
(19) مسئلہ رفع یدین
(20) مسائل عشر
(21) مسائل نماز
(22) قضا نمازوں کے مسائل
(23) ترجمہ اخلاق محسنی
(24) مصباح الصلاۃ
(25) مسائل منظوم
(26) فتاویٰ رحمانیہ
(27) لمعات ولی
(28) تذکرہ علمائے باسنی
(29) فتاویٰ قادریہ
(30) بے اصل روایات تحقیقات رضا کی روشنی میں
(31) امام اعظم امام المحدثین
(32) اسلام اور جدید معیشت
(33) مفتی اعظم راجستھان کی بصیرت وقیادت
(34) امام احمد رضا پر الزام تشدد کا تنقیدی جائزہ
(35) مکتوبات امام ربانی پر امام احمد رضا کے ایمان افروز تبصرے
(36) ایمان کے تقاضے

(37) شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا عقیدۂ توسل
(38) مفتی اعظم باسنی حیات و کارنامے
(39) مقام مصطفی
(40) نصاب برائے مدارس
(41) تبلیغی جماعت کا فریب
(42) آیئے حج کریں
(43) انوار الایمان اول (ایمانیات)
(44) انوار الایمان دوم (عبادات)
(45) عورت اور آزادی
(46) تذکرہ عشرۂ مبشرہ
(47) نیک بی بیوں کی کہانی
(48) روشن مستقبل کی طرف
(49) امام احمد رضا ایک عالمی محقق
(50) فکر رضا کی علمی خوشبوئیں
(51) برکات رمضان
(52) حیات ازواج مطہرات
(53) آئینہ مذہب حق و باطل
(54) نعمات ظہور
(55) قربانی کے مسائل
(56) الحق المبین
(57) یوسف زلیخا مترجم
(58) عقیدہ توحید و رسالت
(59) مسلک اعلیٰ حضرت کی حقانیت
(60) سنی تبلیغی جماعت باسنی کی خدمات واثرات
(61) باسنی روشن صبحیں۔ مہکتی شامیں
(62) عقائد علمائے دیوبند
(63) غیر مقلدوں کے فریب
(64) علمی محاسبہ
(65) حیات قائد اہلسنت
(66) راہ حق
(67) حق و باطل کی پہچان
(68) سنی تبلیغی جماعت کیا ہے؟
(69) صحیح مسائل
(70) شجرۂ رضویہ
(71) رہبر شریعت
(72) سنی تبلیغی جماعت ایک مختصر تعارف
(73) تذکرۂ اعلیٰ حضرت
(74) فیصلۂ حق و باطل
(75) کنز الایمان پر دیوبندی احمقانہ تجزیہ کا علمی تجزیہ
(76) ہمارا قومی اتحاد اخلاق محمدی کے آئینے میں
(77) ہائے افسوس مسلمان مسلمان نہ رہے
(78) طریقۂ نماز

الصلاۃ والسلام علیک یارسول اللہ وعلیٰ آلہٖ واصحابک یارسول اللہ

جدِ اعلیٰ ناگوری برادری حضرت خواجہ نظام الدین بابا ڈھوڈو چشتی علیہ الرحمہ

محترم قارئین کرام۔ بفضلہٖ تعالیٰ وبکرم نبی الکریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم قصبہ باسنی ضلع ناگور شریف کے جدِ اعلیٰ حضرت خواجہ نظام الدین بابا ڈھوڈو چشتی علیہ الرحمہ ہیں۔

آپکا مزار شریف ''قصبہ باسنی'' میں واقع ہے۔ آپ کی آمد ''قصبہ باسنی'' میں بکرمی سال کے مطابق ۱۴۲۰ھ میں ہوئی۔ اس وقت ۲۰۲۲ء میں بکرمی سال ۲۰۷۸ سنہ چل رہا ہے گویا کہ حضرت بابا ڈھوڈو علیہ الرحمہ کو باسنی تشریف لائے ہوئے ۶۵۸ سال مکمل ہو چکے ہیں۔

حضرت بابا ڈھوڈو کے آبا و اجداد میں سے بے باگھ بن کالونے بکرمی ۱۲۴۸ سنہ میں سانبھر شریف اجمیر شریف کے پاس حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کے پوتے حضرت خواجہ حسام الدین چشتی کی نگری میں مذہب اسلام قبول کیا۔ حضرت ڈھوڈو علیہ الرحمہ کے کہنے پر ہی اس گاؤں کا نام ''باسنی بیلم'' رکھا گیا، حضرت کی اولاد بیل گاڑی چلاتی اور مزدوری کرتی اور ناگور شہر قریب ہونے کی وجہ سے ''ناگوری گاڈٹ'' کہلانے لگے، مذہب اسلام قبول کرنے سے پہلے راجپوت تھے حضرت کے سات صاحبزادے تھے۔ (۱) پیر محمد۔ (۲) نور محمد۔ (۳) محمد۔ (۴) یوسف۔ (۵) آدم۔ (۶) جلال محمد۔ (۷) اسمٰعیل۔ ان کی اولاد آج باسنی قصبہ میں آباد ہے واللہ اعلم (تاریخی معلومات از: بھاٹ کا رجسٹر)

حضرت کے نام گرامی سے منسوب ایک ادارہ بنام مدرسہ اہلِ سنت حنفیہ نظام العلوم درگاہ حضرت بابا ڈھوڈو باسنی سے ملحقاً ۲۹ سال سے قائم ہے جس میں ۵۰۰ طلبہ وطالبات زیر تعلیم اور ۱۲ معلم ومعلمات کا اسٹاف طلبہ وطالبات کو زیورِ علم سے آراستہ کر رہا ہے۔ والحمد للہ۔

تقسیم کار، کتب خانہ امجدیہ، مٹیا محل، دہلی

Publisher

SUNNI EDUCATIONAL TRUST

Sunni tablighi Jama'at

Sadar Bazar, Basni Nagaur, Pin. 341021, Raj.

Mob. 9024254532